

مصنف کا ایک یادگار لمحہ



مصنف کی یونی فارم میں ایک یادگار تصویر

نقل مکانیاں اور بے سروسامانیاں کب سے کب تک

تحریر- بریگیڈیئر سیّد کرار حسین (ریٹائرڈ)

نقل مکانیاں اور بے سروسامانیاں
کب سے کب تک

تحریر- بریگیڈیئر سیّد کرار حسین (ریٹائرڈ)

اکادمی بازیافت

پہلی اشاعت : ستمبر ۲۰۲۵ء
کمپوزنگ : لیزر پلس، فون: 32751324
قیمت : ۱۶۰۰/ روپے

ISBN: 969540183-X

Naql Makaniyan Aur Bay Saro

Samania Kab Sy Kab Tak

(Memoirs)

By: Brigadier Syed Karrar Hussain (Retired)

Kitab Market, Office# 17, St.# 3,
Urdu Bazar, Karachi, Pakistan
Ph: (92-21) 32751428
e-mail:a.bazyaft@gmail.com

انتساب

سب حمد و ثنا اُس ربِ کائنات کے نام جس نے اپنی بے پایاں رحمتوں سے مجھ ناچیز کو سنوارا، علم و عمل کی دولت عطا کی اور خدمتِ خلق کی خواہش کا چراغ میرے دل میں روشن فرمایا۔

یہ تحریر میں پیش کرتا ہوں نذرانۂ عقیدت کے طور پر اپنے والدینِ مرحومین کے حضور جن کی دعاؤں اور پرورش کی خوش بو اور قربانیوں کی روشنی اب بھی میری زندگی کے ہر موڑ پر ایک اُجالے کا کام کرتی ہے۔

اپنے ان اساتذۂ کرام کے نام، جن کی رہنمائی اور محنت نے میرے من کے اندھیروں کو مٹا کر میرے شعور کی دنیا کو روشن کیا۔

اپنی رفیقِ حیات شمیم اختر ترمذی کے نام، جو صبر و اخلاص کا پیکر بن کر میری زندگی کی مشکل پگڈنڈیوں پر ہم سفر بن کر ہر کٹھن گھڑی میں میری طاقت بن کر رہیں۔

اور اپنی چاند سے زیادہ پیاری دھرتی کی محافظ

پاکستان آرمی کے نام

جس نے میرے حب الوطنی کے جذبے کو نہ صرف جلا بخشی بلکہ مجھے شان دار مواقع فراہم کیے کہ میں پاکستان کے سبز ہلالی پرچم اور اقوامِ متحدہ کے امن کے پرچم تلے اپنی بھرپور صلاحیت کے ساتھ ملک، قوم اور انسانیت کی خدمت کرسکوں۔

○○○

فہرست

○○○

دیباچہ

انسان کو اپنا گھر، شہر، وطن، عزیز و اقارب اور بچپن کی یادوں سے مزین گرد و نواح اور ماحول بہت عزیز ہوتا ہے۔ مجھے دس پندرہ سال پہلے سیاچن اور اس کے ملحقہ علاقوں میں اپنے ملازمتی امور کی انجام دہی کے سلسلے میں دریائے شنگو (جو بعد میں دریائے سندھ کہلاتا ہے)، دریائے شیوک اور دریائے شگر (یہ دونوں دریا بعد میں دریائے سندھ میں گر جاتے ہیں) کے اردگرد چھوٹے چھوٹے دیہات سے گزرنے کے بے شمار مواقع ملے۔ اکثر دیہات نہایت دشوار گزار راستوں پر واقع تھے اور یہاں پر گیس، بجلی، صحت کی بنیادی سہولیات اور ذرائعِ روزگار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ سردی اتنی شدید کہ نام لینے سے ہی انسان کپکپا جائے۔ ان چیزوں کو مدِنظر رکھ کر میں نے بعض لوگوں سے سوال بھی کیا کہ آپ لوگ اس علاقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں کیوں نہیں چلے جاتے۔ مگر چند لوگوں کے علاوہ اکثریت کا جواب یہی ہوتا کہ سر ہمارا ملک یہ ہی ہے۔ ہمارے باپ دادا کی قبریں یہاں پر ہیں۔ ہمیں یہ سرد موسم اور سنگلاخ پہاڑ اچھے لگتے ہیں یہاں ہم نے بچپن کے خوب صورت ترین دن گزارے ہیں۔ ایسے میں ہم یہاں سے کہیں اور کیوں ایسی جگہ جائیں جہاں کے لوگ ہمارے لیے نئے ہوں، جہاں کا ماحول ہمارے لیے اجنبی ہوگا اور سب سے بڑھ کر وہاں ہم مہاجر کہلائیں گے۔

شہری سہولتوں سے دور بلند و بالا برف پوش وادیوں میں بسنے والے لوگوں کے یہ دلائل

بہ ظاہر معمولی معلوم ہوتے ہیں مگران کے پیچھے زندگی کا ایک عظیم فلسفہ موجود ہے، وہ یہ کہ زندگی کا اصل مزا انسان کے اندرونی سکون میں پوشیدہ ہے، نا کہ کے بڑے بڑے بنگلوں، لمبی گاڑیوں اور دنیاوی آسائشوں میں۔

اوپر بیان کردہ واقعات کی روشنی میں تو یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ انسان کو ہجرت نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمیشہ ہی اپنے آبائی گاؤں یا شہر کا ہو کر رہ جانا چاہیے۔مگر اصل حقائق اور انسانی تاریخ اس کے بالکل برعکس ہے۔انفرادی طور پر پاکستان کے بڑے بڑے شہروں یعنی کراچی، لاہور، راول پنڈی، پشاور، کوئٹہ اور دیگر شہروں سے، جہاں پر زندگی کی تمام سہولیات میسر ہیں، بے شمار لوگ امریکا، یورپ، مشرقِ بعید اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں ہجرت کر گئے ہیں اور اجتماعی طور پر تاریخِ انسانی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر دوسرے شہر یا ملک میں مستقل / عارضی طور پر ہجرت کی۔صرف پچھلی ایک صدی میں کروڑوں افراد نے مجبوراً ہجرت کی جن میں مشہور جنگِ عظیم اوّل، جنگِ عظیم دوم، تقسیمِ ہند (قیامِ پاکستان و ہندوستان)، افریقا کی خانہ جنگی سے متأثرہ ممالک (مثلاً روانڈا، صومالیہ، سوڈان، ایتھوپیا، سرالیون، سائبیریا وغیرہ وغیرہ)، افغانستان پر روسی حملے کے نتیجے میں فاٹا اور سوات میں طالبان کے اعمال اور جوابی آپریشن کے نتیجے میں ہونے والی نقل مکانیاں قابلِ ذکر ہیں۔ہجرت یا نقل مکانی وہ بھی پورے خاندان کے ساتھ ہی مشکل صبر آزما اور امتحانات سے پُرعمل ہے۔مرد خود شاید ایسی تکالیف آسانی سے برداشت کر لیتا ہے مگر اس کی بیوی اس کے بچے اس کے بہن بھائی اور بوڑھے والدین جب اس تکلیف دہ عمل سے گزر رہے ہوں تو بڑے بڑوں کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ہجرت یا نقل مکانی اصل میں بے سروسامانی اور مسلسل مشکل کا نام ہے۔

یہی وہ حقائق ہیں جنھوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں ہجرت کی وجوہات، مہاجرین کے مسائل اور مستقبل میں ایسے مسائل سے نمٹنے کے لیے اپنی بساط کے مطابق تجاویز پیش کر سکوں۔ مگر حتمی نتائج اور سفارشات پر پہنچنے سے پیشتر انسانی تاریخ کی چند مشہور اور قابلِ ذکر ہجرتوں کا مشاہدہ قرآن وسنت کی روشنی میں کرنا ضروری ہے۔

○○○



تبصرہ محترم جناب کامران ٹیسوری صاحب، گورنر سندھ

Sindh Governor House Karachi.

GOVERNOR

ہجرت منصوبہ بندی کے ساتھ کی جائے یا مجبوری کی حالت میں انسانی زندگی کا کافی مشکل مرحلہ ہوتی ہے۔

انبیاء کرام، اصحاب رسول ﷺ، اہل بیت رسول ﷺ اور صوفیائے کرام کی ہجرت بہر حال اکثر و بیشتر اللہ پاک اور رسول خدا ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تبلیغ اسلام کے لئے اور بنی نوع انسان کی راہنمائی اور بہتری کے لئے تھی۔ پاکستان بننے کے بعد لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کا انڈیا سے پاکستان آنا بھی اصل میں اپنے دین اور اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے تھا۔ تاکہ وہ ایک ایسی زندگی آزادی سے گزار سکیں جس میں اللہ پاک کے احکامات کی بجا آوری میں کوئی بھی رکاوٹ درپیش نہ آئے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھیوں نے جس جوانمردی سے کانگریس، انگریزوں اور پاکستان مخالف چند مذہبی جماعتوں کا مقابلہ کیا۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی مگر صرف زیادہ پیسوں کی لالچ میں اپنا پاکستان جیسا خوبصورت ملک چھوڑ کر مغربی ممالک میں جا کر بس جانا، قیام پاکستان کی روح کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ زلزلہ آئے یا سیلاب، کراچی کے مخیر خواتین و حضرات اپنے مصیبت میں گھرے بہن بھائیوں کی مدد میں جس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ایسی مثالیں دنیا میں بہت کم ملتی ہیں۔ کراچی والے واقعی بہت دریادل اور دکھی انسانیت کی خدمت کرنے والے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ بریگیڈیئر سید کرّار حسین نے اس نہایت اہم موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ بریگیڈیئر سید کرّار حسین سندھ رینجرز اور کور ہیڈ کوارٹر میں رہتے ہوئے سندھ کی ترقی خصوصاً کراچی کے بڑے بڑے ڈیویلپمنٹ پراجیکٹ کی تکمیل میں تعمیر پاکستان ٹیم کے ایک اہم عہدار کی حیثیت سے عوامی حلقوں میں پہلے سے کافی مقبول ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس بامقصد کتاب کی اشاعت کے بعد وہ پاکستان کی عوام میں مزید مقبول ہوں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان اور پاکستانیوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پاکستان زندہ آباد۔

محمد کامران خان ٹیسوری

گورنر سندھ



تبصرہ جنرل احسن سلیم حیات (ریٹائرڈ)
نشان امتیاز (ملٹری)-ہلالِ امتیاز (ملٹری)

انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ہجرت کا عمل اس کا ایک لازمی اور مسلسل جاری رہنے والا حصہ رہا ہے۔انسان نے ہمیشہ بہتر زندگی، سلامتی، روزگار، علم یا مذہبی آزادی کے حصول کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک ہجرت کی ہے۔بعض اوقات یہ ہجرت خوشی اور ارادے سے ہوتی ہے اور بعض اوقات حالات، جنگوں، ظلم و ستم، معاشی بدحالی یا قدرتی آفات انسان کو ترکِ وطن پر مجبور کر دیتی ہیں۔

ہجرت خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو، یہ ایک نہایت کٹھن، آزمائشوں سے بھرپور اور جذباتی تجربہ ہوتا ہے۔ نئے ماحول، زبان، ثقافت اور قانونی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا بظاہر تو ایک ترقی کی طرف قدم لگتا ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک آزمائشی سفر ہوتا ہے جس کی کئی قیمتیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔

آج کے دور میں بالخصوص ترقی پذیر یا تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد بہتر مستقبل، معاشی استحکام اور محفوظ زندگی کے خواب لئے مشرق وسطیٰ، یورپ یا امریکہ کی طرف ہجرت کا رخ کر رہی ہے۔ان کی یہ کاوشیں بلاشبہ ملک کے لئے زرِ مبادلہ کا باعث بنتی ہیں اور ان کے خاندانوں کو معاشی آسودگی فراہم کرتی ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ سفر ان کے لئے کئی ذاتی، معاشرتی اور نفسیاتی چیلنجز کو بھی جنم دیتا ہے جن کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس تجربے سے گزرے ہوں۔اس پس منظر میں یہ کتاب نہایت اہمیت کی حامل ہے۔اس کتاب کے مصنف بریگیڈیئر سید کرار حسین کو میں گزشتہ 22 سال سے جانتا ہوں جو زندگی بھر ملک اور معاشرے کی بھلائی کے لئے خلوص دل سے محنت کرتے رہے ہیں۔مصنف نے نہایت مہارت، بصیرت اور غیر معمولی مشاہدے کے ساتھ ہجرت جیسے حساس موضوع پر مختلف پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔خواہ وہ قانونی پہلو ہوں، معاشرتی اثرات، خاندانی بندھنوں پر اثرات، یا خود ہجرت کرنے والے افراد کے نفسیاتی تجربات سب کو بڑی باریکی اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف ان افراد کے لئے مشعلِ راہ ہے جو ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ پالیسی سازاداروں، محققین، سماجی کارکنوں اور عام قارئین کے لئے بھی ایک علمی و فکری خزانے سے کم نہیں ہے۔

میں مصنف کو اس علمی خدمت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب قارئین میں ہجرت کے عمل کے بارے میں بہتر شعور پیدا کرے گی اور ان کے فیصلوں کو درست سمت میں رہنمائی فراہم کرے گی۔

جنرل احسن سلیم حیات (ریٹائرڈ)، نشان امتیاز (ملٹری)



تبصرہ جنرل زبیر محمود حیات (ریٹائرڈ)

نشان امتیاز (ملٹری)- ہلالِ امتیاز (ملٹری)

General
Zubair Mahmood Hayat, NI (M) (Retd)

3 Jun 2025

Brigadier
Karar Hussain

ہجرت انسانیت کی طرح قدیم ہے۔ یہ حرکت، بقا، خواہش — اور اکثر جلاوطنی - کی کہانی ہے۔ افریقہ سے انسان کے پہلے قدموں سے لے کر آج کے دور کی جنگوں سے بچ کر نکلنے والے پناہ گزینوں کے دل دہلا دینے والے سفر تک، ہجرت نے نہ صرف تہذیبوں کو تشکیل دیا ہے، بلکہ انسانیت کی روح کو بھی گہری شکل دی ہے۔ آج کی دنیا میں انسانوں کی نقل و حرکت — چاہے وہ مجبوری کے تحت ہو یا رضا کارانہ — اب تاریخ کی کتابوں یا مخصوص خطوں تک محدود مسئلہ نہیں رہا۔ یہ مسئلہ عالمی و علاقائی سطح پر سیاسی مباحث، معاشی پالیسیوں اور اخلاقی ذمہ داریوں کے قلب میں موجود ہے۔

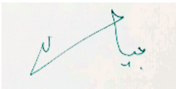
دیواروں کے بلند ہونے، غیرملکیوں سے نفرت کے بڑھنے، اور سرحدوں کے سخت ہونے کے اس دور میں، یہ کتاب ایک بروقت اور اہم اضافہ ہے — ایک ایسی گفتگو کے لیے جو آج کی دنیا کے سب سے نازک اور فوری مسائل میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب صرف ہجرت کے بحران کو دستاویزی شکل میں پیش نہیں کرتی، بلکہ اس کا تجزیہ کرتی ہے۔ یہ مشکل سوالات اٹھاتی ہے — تعلق، انصاف، ذمہ داری، اور شناخت کے بارے میں — اور معنی خیز راستے تلاش کرنے کی جرات کرتی ہے۔ مصنف نے تاریخی نظیروں، جدید تجزیوں، اور انسانی ہمدردی کو ایسے انداز میں یکجا کیا ہے جو علمی طور پر مضبوط اور جذباتی طور پر متاثر کن ہے۔

— اسلامی نقطۂ نظر اس کام میں ایک گہرا اخلاقی اور فلسفیانہ پہلو شامل کرتا ہے۔ ہجرت یعنی رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی ہجرت — نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک بنیادی لمحہ ہے بلکہ اخلاقی ہجرت کا ایک عظیم نمونہ بھی ہے۔ یہ ضمیر، ایمان، اور ایک نئی برادری کی تعمیر کا عمل تھا۔ قرآن مجید بارہا مومنین کو مہاجرین، مستضعفین، اور یتیموں کے حقوق یاد دلاتا ہے، اور معاشروں کو خوف یا انکار کے بجائے رحمت، مہمان نوازی اور عدل کے ساتھ جواب دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام میں کسی مہاجر کی مدد صدقہ

نہیں بلکہ ایک اخلاقی فرض اور روحانی فریضہ ہے۔

یہ کتاب ہجرت کے ریاستوں، معاشروں، اور نظاموں پر پڑنے والے اثرات سے آنکھیں نہیں چراتی، لیکن ناامیدی یا مایوسی کا شکار بھی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس، یہ تحقیق پر مبنی اور حقیقت پسندانہ راستے پیش کرتی ہے جو ہجرت کی پالیسیوں کو زیادہ انسان دوست، مؤثر، اور جامع بنا سکتے ہیں۔ یہ ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اپنے مشترکہ مستقبل کا تصور خوف کے قلعوں کی بجائے ہمدردی، تعاون، اور بقائے باہمی کے ایک حسین تانے بانے کے طور پر کریں۔

میں اس کتاب کو ہجرت کے سنجیدہ طالب علموں، بین الاقوامی امور کے محققین، اور ان پالیسی سازوں کے لیے پُرزور طور پر تجویز کرتا ہوں جو اس پیچیدہ مسئلے میں راہِ عمل کی تلاش میں ہیں۔ یہ محض ایک کتاب نہیں — ایک سمت نما ہے۔ اور جب انسان بکھراؤ کا شکار ہو، تو شاید ہمیں اسی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے





تبصرہ میجر جنرل محمد اعجاز حسین اعوان (ریٹائرڈ)
ہلال امتیاز (ملٹری)

بریگیڈیئر سیّد کرار حسین سیرالیون میں میرے زیرِ کمان اقوام متحدہ کے پاکستانی امن دستے کے ایک یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر (لیفٹیننٹ کرنل) تھے۔ سیرالیون کی خانہ جنگی کے نتیجے میں بے گھر لوگوں اور لاوارث بچوں کو پکا پکایا کھانا فراہم کرنے میں ہمارے امن دستے نے بے مثال خدمات انجام دیں اور اس نظام کے روحِ رواں بریگیڈیئر سیّد کرار حسین تھے۔ اس کتاب کے مصنف خانہ جنگی اور خوف کی حالت میں گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لینے والے افراد کے دکھ درد کو سمجھتے ہیں۔ سیرالیون کے لوگ پیار سے ہمارے امن دستے کے ہر ممبر کو "پاکستان" کہہ کر بلاتے تھے گویا ہم سب کا نام یہی تھا جو ہمارے لیے قابلِ فخر بھی تھا۔ بریگیڈیئر کرار کی خدمات کو اقوام متحدہ مشن کے اعلیٰ حکام نے بہت سراہا۔ اس کے بعد لائبیریا میں بھی جب اقوامِ متحدہ کے امن دستے گئے تو اس کی تمام لاجسٹک بھی اقوام متحدہ نے پاکستان کے ذمہ لگائی۔ اس طرح سیرالیون میں اٹھارہ ممالک کے فوجی دستوں کے علاوہ لائبیریا میں اقوام متحدہ کی امن فوج کو لاجسٹک فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی کرنل کرار حسین نے نہایت احسن طریقے سے انجام دی۔

میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ زیرِ نظر کتاب نقل مکانیاں اور بے سروسامانیاں بریگیڈیئر کرار حسین کی انسان دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس کتاب میں جس طرح ہجرتوں کے مستقبل پر رائے دی گئی ہے وہ ہم سب کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ میں اس کتاب کو لکھنے پر بریگیڈیئر سیّد کرار حسین کو بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب ہمارے معاشرتی علوم کے طلباء اور قارئین کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

Awan Maj Gen

میجر جنرل محمد اعجاز حسین اعوان (ریٹائرڈ) ہلالِ امتیاز (ملٹری)



تبصرہ ایمبیسیڈر ڈاکٹر جمیل احمد خان صاحب

ستارۂ امتیاز

انسان کی زندگی میں وہ مرحلہ بہت مشکل ہوتا ہے جب اس کو جنگی حالات یا قدرتی آفات کی وجہ سے اچانک نقل مکانی کرنی پڑ جائے۔ یہ عمل بوڑھوں اور بچوں کے لئے خاص طور پر نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب "نقل مکانیاں اور بے سروسامانیاں" اپنی پسند اور ناپسند کی انسانی ہجرتوں پر مشتمل ایک نشیب و فراز پر مشتمل داستان ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات خاص طور پر تکلیف دہ اور سبق آموز ہوتے ہیں جن میں نقل مکانی کرنے والے اپنے ہی اہلِ وطن کی زیادتیوں کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آج کی زبان میں ایسے لوگوں کو آئی ڈی پیز کہتے ہیں۔ حکومتِ پاکستان کبھی اپنی کوششوں سے اور کبھی اقوام متحدہ اور دوست ممالک کے تعاون سے ان آئی ڈی پیز کے کیمپوں کو قائم کر کے اس کا انتظام کرتی رہی ہے تاکہ ان کیمپوں میں رہنے والوں کی زندگی زیادہ مشکل ناں بنے۔

بریگیڈیئر سید کرار حسین نے اس موضوع پر بہت خوبصورت کتاب لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ معاشرے کے ان مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف کو سمجھتے ہیں جو آئی ڈی پیز کیمپوں میں رہتے رہے ہیں یا جن کے بچے روزگار کے سلسلے میں بیرونِ ملک جا کر بس جاتے ہیں اور اپنے بزرگوں اور بعض اوقات پاکستان میں رہ جانے والے بیوی بچوں تک کو بھول جاتے ہیں۔ بریگیڈیئر سید کرار حسین کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ سندھ رینجرز میں کراچی کے امن کے لئے بطور کپتان بہت فعال کردار ادا کر رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مرحوم پرویز مشرف کے دور میں صوبہ سندھ اور خاص طور پر کراچی شہر کے تمام بڑے بڑے ترقیاتی منصوبوں میں کور ہیڈ کوارٹر کی ٹیم کے ایک ہر دل عزیز ممبر کی حیثیت سے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک پیشہ ور آرمی آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے تاریخ دان، سوشل ورکر اور رائٹر بھی ہیں۔ یہ کتاب ان کی ان کاوشوں کی ایک کڑی ہے جو وہ پاکستانی عوام کی بہتری اور پرسکون زندگی کے لئے کرتے آئے ہیں۔ اُمید ہے یہ کتاب عام قارئین کے علاوہ تاریخ، معاشرتی علوم کے طلباء اور پاکستان سے باہر روزگار ڈھونڈنے والوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بریگیڈیئر سید کرار حسین کو ان کے نیک مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین

Jamil

ایمبیسیڈر ڈاکٹر جمیل احمد خان (ستارہ امتیاز)



تبصرہ چانسلر محمد اکبر علی خان صاحب

سرسیّد یونی ورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنولوجی

SIR SYED UNIVERSITY OF ENGINEERING & TECHNOLOGY
UNIVERSITY ROAD, KARACHI-75300 PAKISTAN

ہجرت فقط ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے علاوہ زندگی کے حقیقی تصور کو جاویداں رکھنے کا نام ہے کیونکہ اگر زندگی کے مراحل ایک ہی مقام یا ایک ہی سمت میں منجمد ہو جائیں تو تصور کائنات اور نظام بندگی مفلوج ہو کر رہ جائے لہٰذا زندگی کے تمام اسلوب ہجرت کی مشق میں مزین ہیں جس طرح عالم ارواح سے انسان کی روح کا ہجرت کر کے اس دنیا میں نطفے سے تخلیق ہونے والے انسانی جسم میں شامل ہونا اور پھر موت کی صورت میں عالم برزخ کی جانب ہجرت کر کے جانا اور پھر روز حشر میں انسان کو دوبارہ حیات عطا کرتے ہوئے روح کا ہجرت اور آخر میں اپنی منزل مقصود کی جانب اعمال کے مطابق ہجرت کر جانا ایک مکمل اور جامع نظام کائنات کو واضح کرتا ہے۔ یہی ہجرت کا نظریہ دنیاوی نظام کی ترویج میں ایک اہم سنگ میل ہے جس میں معاشروں کا قیام اور زبان، ثقافت، تہذیب، روایات اور رسم و رواج کی پذیرائی ہجرت کی مرہون منت ہے۔ جنت سے انسان کا ہجرت کر کے اس دنیا تک آنا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر عصر حاضر تک کی ہجرتوں کو سمجھنا اور اسکے دینی، دنیاوی اور روحانی اسباب کو پہچاننا انسانیت کی معراج کو تلاش کرنے کے مترادف ہے جس کے لیے بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید کرار حسین نے ایک ایسی کاوش کو اپنی تحقیق اور قلم دوستی سے علم کے موتیوں کو پرو کر موجودہ اور آنے والی نسل کو ہجرت کا تقدس اور اہمیت اجاگر کر کے سوچ کے ہزاروں نئے زاویوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ انسانیت کے فلسفے کو قارئین اپنے انداز اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف سمجھیں بلکہ اپنا تجزیہ بھی سامنے رکھیں۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید کرار حسین نے جس طرح اپنی پیشہ ورانہ خدمات کے ادوار میں پاکستانی فوج میں کارہائے نمایاں انجام دیئے وہیں ریٹائرمنٹ کے بعد سول ملٹری تعلقات کو فروغ دیا اور معاشرے میں حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے اپنی شخصیت کے تمام جوہر پاکستان کی ترقی اور عوامی فلاح و بہبود میں بروئے کار لائے۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید کرار حسین کی یہ کتاب ہجرت کے تاریخی مناظر کو قارئین کے ذہنوں میں عکس بند کریگی اور ساتھ ہی ماضی کی مسائل اور انکے اسباب کو سمجھتے ہوئے مستقبل کی پیش آنے والے ہجرتوں کو باقاعدہ ایک ضابطہ فراہم کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید کرار حسین کی یہ کتاب تحقیق کا ایک حسین امتزاج ہے جو مصنف کی تاریخ سے دلچسپی کے ساتھ ساتھ مستقبل کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کی رہنمائی کا ضامن ہے۔ یہ کتاب لائبریری کی زینت بننے کے ساتھ ساتھ شعبہ علوم تاریخ کے تدریسی عمل کا حصہ بننے کی اہلیت کی حامل ہے۔ بحیثیت چانسلر سرسید یونیورسٹی، میں بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) سید کرار حسین کی اس شاندار تصنیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ان کی اس کاوش کو سراہتا ہوں جبکہ امور تعلیم سے منسلک افراد کو متوجہ کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے حاصل ہونے والی معلومات کو اپنی اپنی درس گاہوں میں موجود اساتذہ کرام اور بالخصوص طلباء طالبات کو ہجرت کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے ضرور متعارف کروائیں۔

محمد اکبر علی خان

(چانسلر، سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی)



تبصرہ علی مہیسر صاحب

سیکریٹری وزارت کھیل اور امور نوجوانان گورنمنٹ آف سندھ

سپاس نامہ

نقل مکانیاں اور بے سر و سامانیاں محض چند اوراق پر سیاہی کی لکیریں نہیں، بلکہ اُن خوابوں، جدائیوں، آہوں اور امیدوں کی داستاں ہے جو ہمارے وطن کے اُن بیٹوں یا بیٹیوں کے دلوں میں بستی ہیں جو روزگار کی تلاش میں دیارِ غیر کی دھول چھاننے نکلتے ہیں۔ یہ تحریر ایک ایسے معاشرتی المیے کی گواہ ہے جس کے دکھ ہم محسوس تو کرتے ہیں، مگر اکثر الفاظ میں بیان نہیں کر پاتے۔ ہجرت لفظ ہی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جس کو صرف وہ ہی محسوس کر سکتا ہے جو اس تکلیف سے گزرا ہو۔

مصنف نے اپنے وسیع تجربے، درد مند دل اور انسانی مشاہدے کی روشنی میں اُن کہانیوں کو امر کر دیا ہے جو عموماً وقت اور فاصلوں کی گرد میں گم ہو جاتی ہیں۔ اُن کی نثر میں وہ درد بولتا ہے جو ایک ماں کے دل میں تب جاگتا ہے جب بیٹا پردیس سے فون پر محض چند لمحوں کی بات کر کے خاموش ہو جاتا ہے؛ وہ تڑپ سنائی دیتی ہے جو ایک بیوی کے سینے میں انگڑائی لیتی ہے جب وہ اپنے بچوں کو باپ کے بغیر سلاتی ہے بقول شاہ عبدالطیف بھٹائی کے (سندھی سے اردو ترجمہ) اے سمندر پار جانے والے کی ماں آپ اس کو منع کیوں نہیں کرتی کہ وہ تو ابھی ایک سال کے بعد آیا ہے اور دوبارہ جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ خاموشی محسوس ہوتی ہے جو ایک باپ کے ہونٹوں پر لگ جاتی ہے جب وہ اپنے جگر گوشے کی رخصت پر کامیابی کی دعا میں آنسو چھپاتا ہے۔

مصنف نے پردیس کی چمکتی روشنیوں کے پیچھے چھپے وہ لمحے محسوس کئے ہیں جن میں تنہائی، استحصال، غیر یقینی اور وطن کی بے پناہ یادیں بسی ہیں۔ مہاجر کیمپوں کے پناہ گزینوں کے ساتھ گزارے گئے ان کے ایام نے اُنہیں انسانی درد کے قریب تر کر دیا، اور یہی احساس اس کتاب کے ہر صفحے سے جھلکتا ہے۔

یہ کتاب اُن والدین کے صبر کو سلام پیش کرتی ہے جو اپنے بیٹوں کے لوٹ آنے کی دعائیں مانگتے ہیں، اُن بیویوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے جو تنہائی میں اپنے شوہروں کی کامیابی پر مسکراتی بھی ہیں اور جدائی میں تڑپتی بھی ہیں۔ ان بچوں کو شاباش پیش کرتی ہے جن کا بچپن اور لڑکپن والد کی غیر موجودگی میں مکمل ہوتا ہے۔

یہ تحریر دراصل ایک پکار ہے — احساس کی، انسانیت کی، اور اس امید کی کہ ایک دن وطن کا کوئی بیٹا روزگار کے لیے پردیس جانے پر مجبور نہ ہو۔ کاش تمام ممالک کے معاشی حالات ایسے ہوجائیں کہ روزگار کے لئے قانونی یا غیر قانونی طریقے سے ہجرتوں کی ضرورت ختم ہوجائے۔

میں دل کی گہرائیوں سے بریگیڈیئر سید کرار حسین (ریٹائرڈ) کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک ایسی کتاب تحریر کی جس میں دل کی صداقت، قلم کی طاقت اور انسانیت کی خوشبو یکجا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید ہمت، صحت اور وجدان عطا فرمائے تاکہ وہ انسان دوستی اور فکری بیداری کے اس سفر کو جاری رکھ سکیں۔

منور علی مہیسر
17.10.2021
سیکرٹری وزارت کھیل اور امور نوجوانان گورنمنٹ آف سندھ

مشہور انبیا کرام علیہم السلام کی ہجرت

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر عقل وشعور عطا فرمایا حق و باطل نیز اچھائی اور برائی کی تمیز بتانے کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو روئے زمین پر بھیجا۔ اکثر انبیا کو ہجرت بھی کرنا پڑی۔ ان میں سے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔

تاریخِ انسانی کی سب سے پہلی ہجرت (حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام)

بنی نوعِ انسان کے مادر پدر حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور حضرت حوا عَلَیْہَا السَّلَام کو جنت میں آباد کیا گیا جہاں نہ کوئی غمِ حیات تھا نہ غمِ روزگار۔ آپ کو وہاں ہر قسم کی آزادی حاصل تھی۔ صرف ایک درخت تھا جس کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ قرآنِ کریم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ کون سا درخت تھا۔ تاہم اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ گیہوں یعنی گندم کا پودا تھا۔ تورات کا بیان ہے کہ یہ خیر وشر کی تمیز کا درخت تھا یہیں سے انسان کی خلاف ابلیس کی انتقامی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام وحوا عَلَیْہَا السَّلَام کا خیر خواہ ظاہر کر کے ان کو ورغلایا اور کہا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے وہ فرشتے بن جائیں گے یا اُن کو حیاتِ جاوید حاصل ہو جائے گی۔ غرض ابلیس نے قسمیں کھا کھا کر ان کو اپنی نیک نیتی اور خلوص کا یقین دلایا اور بالآخر دھوکا دے کر ان کو معصیت و نافرمانی کی طرف مائل کر دیا۔ جیسے ہی ان دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا

پھل کھایا، ان کے ستر کی چیزیں جو ابھی تک ان سے پوشیدہ تھیں، ان پر کھل گئیں اور وہ پتّوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ اس درخت کے قریب نہ جانے کا جو عہد انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا، وہ اس کو بھول گئے تھے اس لیے یہ لغزش اور معصیت بالارادہ نہیں تھی اس وقت باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کر دیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمھارا دشمن ہے اب تم دونوں یہاں سے اتر کر دنیا میں جاؤ۔ (محفلِ انبیاء عَلَیہِ السَّلَام)

حضرت نوح عَلَیہِ السَّلَام

نزولِ عذاب، طوفانِ نوح:

حضرت نوح عَلَیہِ السَّلَام کا اصل وطن دجلہ وفرات (موجودہ عراق) کا دوآبہ تھا۔ آپ عَلَیہِ السَّلَام اللہ کے پہلے رسول تھے۔ (نبی اور رسول کا فرق یہ ہے کہ نبی ہر صاحبِ وحی کو کہتے ہیں جب کہ رسول صاحبِ وحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ شریعت بھی ہوتے ہیں) آپ کی قوم مشرکانہ ذہنیت رکھتی تھی اس لیے خدا کی واحدانیت پر ایمان لانے کے بجائے آپ کو سنگسار کرنے پر تیار ہوگئی اس پر آپ نے اپنی قوم کے لیے بددعا فرمائی اور آخرکار بارگاہِ ایزدی میں آپ عَلَیہِ السَّلَام کی دعا مقبول ہوئی اور آپ کو مطلع کیا گیا کہ اس سرکش قوم کی ہلاکت کے لیے عنقریب ایک زبردست طوفان آئے گا۔ یہ مشیتِ ایزدی کا فیصلہ ہے اس لیے آپ ہمارے حضور کسی کافر کی خیر خواہی اور سفارش نہ کریں اپنے اہل وعیال اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایک کشتی تیار کریں اور جب پانی چڑھنے لگے تو اس میں لوگوں کو بٹھا دیں۔ زمین کے جانوروں اور ہوا کے پرندوں کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لیں اور خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے اس میں سے اتر آئیں۔ توراۃ نے تصریح کی ہے کہ طوفان کی آمد کے وقت حضرت نوح عَلَیہِ السَّلَام کی عمر چھ سو سال، ایک مہینہ اور سترہ دن تھی اچانک تیز بارش شروع ہوئی جو چالیس دن اور چالیس رات تک مسلسل ہوتی رہی اس کے ساتھ ساتھ زمین سے پانی ابلتا رہا اور پانچ مہینے تک برابر چڑھتا رہا یہاں تک کہ پہاڑوں سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا ہوگیا۔ بالآخر جب سب کافر اور نافرمان غرق ہو گئے تو ایک سو پچاس دن کے بعد طوفان تھما اور ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ کو حضرت نوح عَلَیہِ السَّلَام کی کشتی سلسلہ کوہِ ارارات جو اُن کے

وطن سے بہت دور تھا کی چوٹی جودی پر ٹھہر گئی۔ کشتی ٹھہرنے کے چالیس دن بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کی کھڑکی کھول کر ایک کوّے اور ایک کبوتری کو اڑا دیا اور کبوتری زیتون کی ایک پتی چونچ میں لے کر لوٹی۔ مزید ایک ہفتے بعد حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے کشتی سے باہر آئے۔ اور بالکل ایک نئی دنیا آباد کی۔ (محفلِ انبیاء علیہ السلام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ولادتِ مسیح سے تقریباً سوا دو ڈھائی ہزار سال قبل قدیم عراق (جس کو بابل اور کلدانیہ بھی کہتے تھے) میں موجود شہر بصرہ کے جنوب میں، جہاں آج کل تل البیت واقع ہے کبھی ایک قدیم شہر اُر آباد تھا اس کے آثار حال ہی میں محققینِ آثارِ قدیمہ کی کوششوں سے برآمد ہوئے ہیں۔ اس شہر کے باشندے ایک خدا کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ اسی شہر میں ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کا ظہور ہوا۔ جب آپ نے بتوں کی عبادت سے لوگوں کو روکا تو پجاریوں کو اپنا اقتدار لڑکھڑاتا نظر آیا۔ چناں چہ انھوں نے قوم کے بت پرستانہ جذبات کو بھڑکا کر یک زبان ہو کر کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اپنے معبودوں کی بے حرمتی کا بدلہ لے لو۔ چناں چہ بادشاہ کے حکم سے ایک بہت بڑا الاؤ دھکایا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ ادھر کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ عمل کیا ادھر ربِّ ابراہیم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا۔ چناں چہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی بابل (عراق) سے ہجرت فرمائی اور اپنی زوجہ حضرت سارہ (جو حاران کی بیٹی اور آپ کے چچا زاد بہن تھیں) اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام (جو آپ پر ایمان لا چکے تھے اور جو آپ کے بھائی حاران کے بیٹے تھے) اور حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ ملکاہ (جو آپ کے دوسرے بھائی نحور کی بیٹی تھیں) کے ہم راہ موجودہ شمالی شام تشریف لے گئے، جس کو اُس زمانے میں خاران کہتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے خاران میں توحید کی تعلیم پھیلائی اس کے بعد آپ علیہ السلام کو کنعان (فلسطین) جانے کا حکم ہوا۔ یہاں سکم کے مقام پر مورہ کے میدان میں آپ علیہ السلام نے اپنا خیمہ نصب کیا اور

وہاں ایک عبادت گاہ تعمیر کی۔ کچھ عرصے بعد جب یہاں سخت قحط پڑا تو آپ کو مصر جانے کا حکم ہوا اور آپ حضرت سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت اسحٰق کی ولادت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مشیتِ الٰہی کا اشارہ پا کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو ساتھ لے کر کنعان سے روانہ ہوئے اور وادیِ مکہ میں ان کو پہنچا دیا۔ یہ اس وقت ایک بے برگ و گیاہ وادی تھی جہاں نہ پانی تھا نہ کوئی انسانی آبادی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو یہاں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس سنسان ویرانے میں ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا اللہ کے سہارے۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ بولیں، ''میں اس پر راضی ہوں'' یہاں جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیاس سے مضطرب ہوئے تو حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں سات مرتبہ کوہِ صفا اور کوہِ مروہ کے درمیان دوڑیں اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس واپس آئیں۔ بالآخر ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے زمین پر ایڑی ماری تو پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت ہاجرہ نے جلدی سے پانی کے گرد منڈیر بنائی اور کہا، ''زم زم'' یعنی رک جا۔ بعد میں یہی چشمہ زم زم کے نام سے مشہور ہوا۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حضرت ہاجرہ پانی کو روک نہ دیتیں تو زم زم کی نہر جاری ہو جاتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے مکہ تشریف لے جاتے جہاں آپ نے بعد میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے بیت اللہ تعمیر کیا۔ (محفلِ انبیاء علیہ السلام)

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جو حضرت اسمٰعیل کی پیدائش کے چودہ برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ حضرت سارہؓ بانجھ تھیں اور آپ کے والد آپ کی پیدائش کے وقت سو سال کے ضعیف تھے اس لیے آپ کی پیدائش ایک معجزہ تھی آپ کے آبائی ملک کنعان میں اکثر قحط پڑا کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک قحط کے موقع پر حضرتِ اسحٰق علیہ السلام نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ مگر وحیِ الٰہی نے آپ کو روک دیا اور فلستیوں کے شہر جرار جانے کا حکم ہوا۔ جرار

قدیم فونیشیا یا موجودہ لبنان کے جنوب مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھا چناں چہ آپ عَلَیہِ السَّلام ہجرت فرما کر وادیِ جرار پہنچے اور وہاں مقیم ہو گئے۔ اپنے آخری ایام میں آپ واپس کنعان تشریف لے گئے اور وہیں پہ وفات پائی آپ بنی اسرائیل کی جدِ امجد ہیں۔ (محفلِ انبیاء عَلَیہِ السَّلام)

حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام

جب حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام جوان ہوئے تو حضرت اسحٰق عَلَیہِ السَّلام نے ان کو فدان ارم (حاران یا موجودہ شمالی شام) روانہ فرمایا کہ وہ اپنے لیے خاندان کی کسی مناسب لڑکی کا انتخاب کر لیں۔ حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام جب فدان ارم پہنچے تو کنویں پر آپ کی ملاقات ایک نہایت حسین دوشیزہ سے ہوئی جس کا نام راخل تھا۔ راخل آپ عَلَیہِ السَّلام کے ماموں لابن کی چھوٹی بیٹی تھی۔ جب لابن کو حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام کے سفر کے مقصد کا علم ہوا تو وہ اپنی بیٹی کو حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام کے عقد میں دینے پر راضی ہو گئے مگر شرط یہ رکھی کہ پہلے حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام سات سال تک ان کی خدمت انجام دیں مگر لابن نے راخل کی بجائے اپنی بڑی بیٹی لیاہ سے آپ کا عقد کر دیا۔ جب دوسرے دن حضرت یعقوب عَلَیہِ السَّلام نے اس عہد شکنی پر اعتراض کیا تو لابن نے بتایا کہ رسم کے مطابق پہلے بڑی بیٹی کی شادی کرنا ضروری تھا۔ ایک ہفتے بعد لابن نے اپنی چھوٹی بیٹی راخل سے بھی آپ عَلَیہِ السَّلام کا عقد کر دیا (اس وقت کی شریعت میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز تھا) مگر اس کے عوض آپ عَلَیہِ السَّلام کو مزید سات سال لابن کی خدمت انجام دینا پڑی۔ لیاہ کے ساتھ ان کی کنیز زلفہ اور راخل کے ساتھ ان کی کنیز بلہاہ بھی آپ عَلَیہِ السَّلام کی خدمت میں آئیں۔

کنعان کو مراجعت:

چودہ سال کی مدت گزارنے کے بعد آپ نے مزید چھ سال فدان ارم میں قیام فرمایا اور آپ عَلَیہِ السَّلام کی یہ تمام اولادیں وہیں پیدا ہوئی بیس سال بعد آپ نے اپنی ازواج اور اولاد کے ساتھ کنعان کو مراجعت فرمائی۔ یہاں پر آپ کے بیٹے یوسف عَلَیہِ السَّلام کو اس کے سوتیلے بھائیوں نے جنگل کے ایک گہرے اور اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ حضرت یوسف عَلَیہِ السَّلام کے غم میں بے انتہا رونے سے آپ عَلَیہِ السَّلام کی بینائی جاتی رہی۔

ہجرتِ مصر:

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی مصر کو ہجرت فرمائی اور چالیس سال کی طویل جدائی کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے۔ اس وقت آپؑ کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر سے باہر نکل کر آپ علیہ السلام کا استقبال کیا۔ (محفلِ انبیاء علیہ السلام)

حضرت یوسف علیہ السلام کی ہجرتِ مصر:

حضرت یوسف علیہ السلام فدان ارم (شمالی شام) میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں قیام کے دوران ۱۹۲۷ قبلِ مسیح میں جنابِ راخل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے آپ کو راستے سے ہٹانے کے لیے ایک منصوبہ بنایا اور سب نے مل کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اصرار کیا کہ کل یوسف علیہ السلام کو بھی ہمارے ساتھ کھیلنے کے لیے بھیجیں۔ ان کے پیہم اصرار پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی جنگل میں لے جا کر انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں مگر ایک بھائی یہوداہ نے اس کی مخالفت کی اور اس کے کہنے پر آپ کی قمیص اتار کر آپ کو جنگل میں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ پھر ایک بکری ذبح کر کے اس کا خون حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگایا اور شام کو روتے ہوئے گھر آئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ہم یوسف علیہ السلام کو اپنے کپڑوں کے پاس چھوڑ کر کھیلنے گئے تھے۔ ہمارے پیچھے ایک بھیڑیا آیا اور اُن کو کھا گیا۔ دوسرے دن بھائی اس کنویں کی طرف گئے جہاں آپ کو پھینکا تھا تو دیکھا کہ ایک قافلہ وہاں پڑا ہوا ہے اور ایک آدمی نے کنویں سے پانی نکالنے کے لیے اس میں ڈول ڈالا ہے۔ ڈول کنویں سے باہر آیا تو اس میں پانی کی بجائے حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ یہ دیکھ کر برادرانِ یوسف وہاں پہنچ گئے اور آپ پر اپنا حقِ ملکیت ظاہر کر کے چاندی کے بیس سکوں کے عوض آپ کو قافلے والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ مصر پہنچ کر قافلے والوں نے آپ کو ایک بڑی قیمت پر عزیزِ مصر (جس کا نام فوطیفار تھا) کے ہاتھ بہ طور غلام فروخت کر دیا۔ مصر اس وقت دنیا کی عظیم سلطنت تھی۔ عزیز (بادشاہ)

مصر کی بیوی زلیخا نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور ناکامی پر آپ پر بری نیت رکھنے کا الزام لگا دیا اور عزیزِ مصر نے آپ عَلَیْہِ السَّلام کو قید کر دیا۔ بعد میں آپ عَلَیْہِ السَّلام مصر کے وزیر بھی بنے اور زلیخا نے اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ (محفلِ انبیاء عَلَیْہِ السَّلام)

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام اور حضرت ہارون عَلَیْہِ السَّلام کی ہجرت

حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلام کے تیسرے بیٹے لاوی کی نسل سے وہ لڑکا پیدا ہوا جس کو قدرت نے پہلے ہی سے نبوت کے لیے اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے چن لیا تھا۔ آپ کی والدہ یوکید نے جو نہایت برگزیدہ خاتون تھیں تین مہینے تک کسی نہ کسی طرح آپ کو چھپائے رکھا۔ مگر جب مزید چھپائے رکھنا ممکن نہ رہا تو وحیِ الٰہی کے ذریعے ان کو حکم ہوا کہ بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیں اور ہرگز ملول و مغموم نہ ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت خود فرمائے گا اس کو ماں کے پاس واپس لوٹا دے گا اور بڑا ہونے پر اسے منصبِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے گا۔ جنابِ یوکید نے حکم کی تعمیل کی اور بچے کی بڑی بہن مریم سے کہا کہ وہ پیچھے پیچھے جائیں اور چھپ کر دیکھتی رہیں۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے محل میں جاتی تھی۔ خدا کی قدرت سے صندوق اس نہر سے ہو کر شاہی محل میں پہنچ گیا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کی اس پر نظر پڑی تو انھوں نے صندوق نکلوا کر اس کو دیکھا اور دیکھتے ہی ان کے دل میں اس خوب صورت معصوم بچے کے لیے شفقت و محبت کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ انھوں نے فرعون سے سفارش کی کہ اس بچے کو ہم گود لے لیں۔ فرعون بھی مان گیا اور یوں آپ عَلَیْہِ السَّلام اس شخص کے گھر پرورش پانے لگے جس نے نجومیوں کے کہنے پر آپ عَلَیْہِ السَّلام کے خوف سے بے شمار لڑکے قتل کرا دیے تھے۔

قبطی کا قتل:

شاہی محلات اور ناز و نعم میں پل کر آپ جوان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی عظمت، علم و دانش اور جاہ و جلال کے ساتھ بے پناہ جسمانی قوت بھی عطا کی تھی۔ ایک رات جب سب سو رہے تھے تو آپ خاموشی سے شہر کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلے۔ دیکھا کہ ایک قبطی

(مصری) اسرائیلی کو بیگار کے لیے پکڑ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو دیکھ کر فریاد کی۔ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے آگے بڑھ کر قبطی کے ایک گھونسا مارا جس کی تاب نہ لاکر وہ جاں بحق ہو گیا۔ فوراً اُمراءِ سلطنت کی مجلس منعقد ہوئی، فیصلہ ہوا کہ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ اس مجلس میں ایک مردِ صالح بھی تھا جو حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کا مونسِ اور ہمدرد تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر بہ عجلت حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کے پاس پہنچا اور ان کو حالات سے مطلع کر کے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو آپ یہاں سے نکل جایئے، ورنہ آپ کی جان خطرے میں ہے۔ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام بغیر کسی انتظام کے فی الفور وہاں سے روانہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے پر چلنے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدین کی راہ پر ڈال دیا جو فرعون کی مملکت سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے مدین میں دس سال کی مدت پوری کی۔ مدین میں دس سال قیام کے بعد آپ اپنی زوجہ جنابِ صفورا اور صاحب زادے جیرسوم کو ساتھ لے کر مصر روانہ ہوئے۔ مصر پہنچ کر آپ عَلَیہِ السَّلام نے فرعون اور اس کے حواریوں کو دینِ حق کی دعوت دی اور مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر کے مصر سے جانے کی اجازت دے دے۔ فرعون نے جادوگروں کے ذریعے حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو رسوا کرنا چاہا اور اپنے مقصد میں ناکامی پر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس پر حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام کو حکم ہوا کہ تمام اسرائیلیوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں۔ وقتِ مقررہ پر حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام اپنی قوم کو لے کر بحرۂ قلزم کی طرف روانہ ہو گئے۔ بحرۂ قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل بیابانِ سینا میں داخل ہوئے۔ یہاں کی مقامی آبادی مشرک و بت پرست تھی۔ ان کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے بھی ایسا ہی ایک بت بنا دیں اس گمراہی پر حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام سخت برہم ہوئے اور ان کو شدید تنبیہ فرمائی۔ جب انھیں اپنی گم راہی کا احساس ہوا تو راہِ حق پر قائم رہنے کے لیے شریعتِ حقّہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ ان کی مستقل ہدایت کے لیے کوئی کتاب نازل فرمائے۔ حضرت موسیٰ عَلَیہِ السَّلام نے دعا کی جو مقبول ہوئی اور حکم ہوا کہ طور پر آ کر چالیس دن اعتکاف کریں۔ آپ نے قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے حضرت ہارون عَلَیہِ السَّلام کو، جو خود نبی تھے، اپنا نائب مقرر کیا اور وصیت کی کہ آپ کے پیچھے قوم میں

افتراق پیدا نہ ہونے دیں اور خود کوہِ طور پر جا کر معتکف ہو گئے۔ (محفلِ انبیاء علیہ السلام)

حضرت یوشع علیہ السلام کی ہجرت

خروج مصر کے بعد بنی اسرائیل وادیِ سینا میں آ گئے تھے مگر نافرمانی اور گم راہی کی سزا میں چالیس سال تک ان کو بیابانوں میں بھٹکنا پڑا۔ سزا کی تکمیل کے بعد بنی اسرائیل کے اچھے دن لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد نبوت اور بنی اسرائیل کی قیادت کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم حضرت یوشع بن نون کے سپرد فرمائی۔ بنی اسرائیل کی قیادت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جہاد کی تیاری کی، آگے بڑھ کر دریائے اُردن کو پار کیا اور اریحا (JERICO) شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چھ دن کے محاصرے کے بعد شہر کی فصیل کا ایک حصہ گر پڑا۔ بنی اسرائیل شہر میں داخل ہو گئے اور اس کو تخت و تاراج کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ قرب و جوار کے علاقوں پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہوتا گیا۔ ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر پانچ اموری حکمرانوں نے، جن میں یروشلم اور حبرون کے حکمران بھی شامل تھے، مقابلے کے لیے لشکر تیار کیا۔ ان لوگوں کا حضرت یوشع علیہ السلام سے سخت معرکہ ہوا جس میں یہ حکمران مارے گئے اور اس طرح بنی اسرائیل کی سلطنت کی حدود اور وسیع ہو گئیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے مفتوحہ فلسطین کے بارہ علاقے قائم کر کے ان کو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ اور خود تبلیغ کے لیے ایک کوہستانی شہر تمنت سرح میں چلے گئے۔ آپ نے یہیں وفات پائی۔ (محفلِ انبیاء علیہ السلام)

حضرت یونس علیہ السلام کی ہجرت

حضرت یونس علیہ السلام عبرانی النسل تھے۔ آپ یروشلم ہی میں تھے کہ آپ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا اور حکم ہوا کہ نینوا جائیں۔ وہاں کے لوگ بہت سرکش اور گم راہ ہو گئے ہیں۔ نینوا موجودہ عراق کے شمال میں دریائے دجلہ کے ساحل پر موصل کے قریب قدیم شہر اور اس وقت کی سب سے بڑی آشوری حکومت کا دارالحکومت تھا۔ نینوا کے لوگ، عوام سے لے کر حکمران تک سخت گم راہ، سرکش، نافرمان اور شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور تبلیغ و ارشاد کا فریضہ عرصے تک انجام دیتے رہے۔ لیکن ان لوگوں کی

سرکشی اور گم راہی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب ان کی گم راہی اور نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بحکمِ الٰہی ان کو ایک عبرت ناک عذاب کے نزول کی اطلاع دی اور اعلان کیا کہ تمھاری گم راہی کے باعث چالیس دن بعد تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا اور تم صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جاؤ گے۔ (محفلِ انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام)

حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام بطنِ ماہی میں:

جب چالیس دن کی موعودہ مدت ختم ہونے لگی تو حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام وحی کا انتظار کیے بغیر شہر چھوڑ کے چلے گئے بس اتنی سے اجتہادی فروگزاشت بارگاہِ ایزدی قابلِ گرفت قرار پائی۔ اس کی بارگاہ میں جو جتنا زیادہ مقرب ہوتا ہے اتنی ہی چھوٹی چھوٹی بات پر اس کی گرفت ہوتی ہے۔ یہ چیز اس کی تنقیص نہیں بلکہ عظمت، جلالتِ شان، علوءِ مرتبت اور مقامِ قرب کی دلیل ہے۔ حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام نینوا سے نکل کر دجلہ کے کنارے آئے اور ایک بڑی کشتی میں جو تیار کھڑی تھی، سوار ہو گئے۔ کشتی آگے بڑھی تو دریا میں طغیانی آ گئی اور طوفان کے تھپیڑوں سے کشتی ڈوبنے کے قریب ہو گئی۔ ملاحوں نے وزن ہلکا کرنے کے لیے کشتی سے سامان اتار کر دریا میں پھینک دیا۔ پھر بھی کشتی کے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی بھاگا ہوا غلام کشتی میں سوار ہو جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے اور کشتی بچانے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس غلام کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ چناں چہ قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام کا نام نکلا۔ لوگ حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام کی بزرگی سے واقف تھے اس لیے ان کو یقین نہ آیا۔ چناں چہ کئی بار قرعہ ڈالا گیا، مگر ہر بار حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام کا نام نکلا۔ حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام اس وقت کشتی کے نچلے حصے میں سو رہے تھے۔ آپ کو صورتِ حال کا علم ہوا تو نظر اپنی اجتہادی فروگزاشت پر گئی کہ حکمِ الٰہی کا انتظار کیے بغیر آپ قوم کو چھوڑ کر نینوا سے نکل آئے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ نے ملاحوں اور کشتی والوں سے کہا کہ اپنے آقا سے بھاگا ہوا وہ غلام جس کی تمھیں تلاش ہے میں ہی ہوں۔ مجھے اٹھا کر دریا میں پھینک دو تو طوفان تھم جائے گا۔ آپ کے چہرے پر انوارِ ربانی اور جلالِ نبوت دیکھ کر لوگوں کو تردد ہوا اور ایک دفعہ پھر کوشش کی گئی کہ کسی طرح کشتی کو

کنارے پر لگالیں، مگر کامیابی نہ ہوسکی بالآخر مجبور ہو کر انھوں نے آپ کو اٹھا کر دریا میں ڈال دیا اور طوفان فی الفور تھم گیا۔

ادھر آپ دریا میں گرے اور ادھر بارگاہِ ایزدی سے ایک بڑی مچھلی کو حکم ہوا کہ آپ کو نگل لے اور پوری حفاظت سے اپنے شکم میں رکھے تین دن اور تین رات آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور وہیں سے آپ نے فریاد کی کہ بارِ الٰہا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصور وار ہوں۔ یہ جذبہ عبودیت اور اظہارِ عجز بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوا اور مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارے پر آکر آپ کو اگل دے۔ چناں چہ مچھلی نے دریا کے کنارے ایک چٹیل میدان میں آپ کو اُگل دیا۔آپ آخر وقت تک نینوا میں ہی رہائش پذیر رہے۔ (محفلِ انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام)

حضرت عیسیٰ مسیح عَلَیْہِ السَّلَام کی ہجرت

حضرت مریم عَلَیْہَا السَّلَام حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو گود میں لے کر قوم کے لوگوں کی طرف واپس آئیں تو انھوں نے سنا کہ ''اے ہارون عَلَیْہِ السَّلَام کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ یہ تو نے کیا کیا؟''، فرشتے کی ہدایت کے مطابق حضرت مریم عَلَیْہَا السَّلَام خاموش رہیں۔ صرف ہاتھ سے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔لوگ بولے کہ ''ہم اس شیر خوار بچے سے کیسے بات کریں؟'' یکا یک اس محترم بچے نے آغوشِ مادر سے پکار کر کہا کہ ''لوگو! سن لو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے کتاب عنایت کی گئی ہے اور نماز اور روزے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے دنیا و آخرت میں باعزت و محترم بنایا گیا ہے''۔قوم کے لوگ یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ انجیل متی میں ہے کہ ستاروں کو دیکھ کر کچھ نجومیوں نے رومی حاکم کو اطلاع دی تھی کہ اسرائیل کا بادشاہ بیت اللحم میں پیدا ہو گیا ہے۔اس نے کوشش کی کہ آپ کو تلاش کر کے قتل کروا دے۔ اس وقت حضرت مریم عَلَیْہَا السَّلَام کو حکم ہوا کہ وہ آپ کو لے کر مصر چلی جائیں۔ چناں چہ وہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو لے کر وادیِ نیل کے بالائی حصے میں منتقل ہو گئیں۔ادھر رومی حاکم ہیرودیس کو جب حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نہیں ملے تو اس نے بیتِ لحم میں بنی اسرائیل کے دو سال اور اس سے کم عمر کے تمام بچوں کو تہہ تیغ کروا دیا۔ ہیرودیس کے مرنے کے بعد، خواب میں بشارت پا کر، حضرت مریم

عَلَیہِ السَّلَام حضرت مسیح عَلَیہِ السَّلَام کے ساتھ شہر ناصرہ واپس آ گئیں۔ حضرت یحییٰ عَلَیہِ السَّلَام کی شہادت سے تقریباً دوسال پہلے حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلَام ناصرہ سے یہودیہ کے بیابان میں تشریف لائے۔ آپ نے دریائے اردن کے کنارے حضرت یحییٰ عَلَیہِ السَّلَام سے ملاقات کی۔ علمائے یہود نے آپ پر شریعتِ موسوی سے انحراف اور حکومتِ وقت سے بغاوت کا الزام لگایا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ آپ کو سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اس وقت یہودیہ کے صوبے کا گورنر پنطس پیلاطیس تھا اور صوبہ گلیل کا گورنر ہیرودیس بھی اس وقت یروشلم آیا ہوا تھا۔ پیلاطیس نے آپ سے سوالات کیے اور پھر یہود سے کہا کہ میں ان کو مجرم نہیں پاتا۔ جب یہود نے آپ کے قتل پر اصرار کیا تو اس نے یہ معاملہ گلیل کے گورنر ہیرودیس کے سپرد کر دیا۔ کیوں کہ آپ کا وطن ناصرہ گلیل ہی میں واقع تھا۔ سوالات کے بعد ہیرودیس پر بھی آپ کی بے گناہی واضح ہوگئی۔ اس نے بھی آپ کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگنا گوارا نہ کیے اور آپ کو واپس پیلاطیس کو پاس بھیج دیا۔ پیلاطیس نے یہود کے اصرار پر مجبور ہو کر اور اس ڈر سے کہ کہیں ملک میں شورش اور بغاوت نہ ہو جائے، بادلِ نخواستہ آپ کو مصلوب کرنے کا حکم دے دیا۔ (محفلِ انبیاء عَلَیہِ السَّلَام)۔

○○○

اسلام سے پہلے خطۂ عرب میں مہاجرین کے خانوادے

مؤرخینِ اسلام اور علماے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ، بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں: عاربہ اور مستعربہ۔

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں یہ قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں جو یمن اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہوئے ان میں سے حمیر، کہلان، بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمینِ عرب میں موجود ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوعِ بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسماعیلی کی ابتدا ہوئی جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ''وادیِ غیر ذی زرع'' میں بسایا، تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے ان میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی وہ عرب مستعربہ

کے نام سے موسوم ہوئی، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گیارہ اولادیں ہوئیں جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گزرا ہے قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک آ کر منتہی ہو جاتا ہے اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہو جاتا ہے۔ ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے عدنان تک دوسرا عدنان سے فہر تک اور تیسرا فہر سے آخر تک، مہاجرین کے حالات میں اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے مگر اس خیال سے کہ اس سلسلے کی تمام کڑیاں سامنے آ جائیں پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔

عرب قبل از اسلام:

جزیرہ عرب ایک وسیع خطہ ہے جس میں صحرا، پہاڑ اور سنگلاخ حصے شامل ہیں۔ زراعت قلیل تھی کیوں کہ پانی کی قلت تھی۔ اس کے اطراف میں رومی اور ایرانی سلطنتیں تھیں لیکن جزیرہ عرب نے ان سلطنتوں کے اثرات قبول نہیں کیے تھے۔ سرحدی علاقوں میں کچھ اثرات تھے مگر وہ بھی ناقابلِ اعتبار۔ جزیرہ کی معاشرت کے دو حصے تھی۔

(۱) بدوی (صحرائی) (۲) حضری (شہری)

بدوی:

صحرا اور پہاڑی علاقوں میں بدوی قبائل آباد تھے۔ جن کا اپنا نظام تھا۔ ہر قبیلہ ایک مستقل وحدت تھا اور اپنے اندرونی معاملات کا فیصلہ خود کرتا تھا۔ دوسرے قبائل سے معاملات میں قوت و غیرت اور شجاعت وحمیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اکثر اوقات اپنے قبیلے کے لیے ناجائز امور اور ظلم میں تعاون پر تیار رہتے تھے۔ مکانوں کے لیے خیمے ساز وسامان میں تیر، تلوار، اونٹ، بھیڑ اور بکری کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کی اجتماعیت کی صورت صرف قبیلہ یا اس کے خلیف کی تھی۔ اکثر اوقات قبائل میں باہمی جنگ رہتی اور وہ کئی کئی سالوں تک جاری رہتی تھی۔ ان کے اپنے اصول وقوانین اور اپنے ہی طریق ہائے صلح و جنگ تھے۔

حضری:

اس وسیع علاقے میں دو چار مشہور شہر تھے، مثلاً مکہ، یثرب، طائف وغیرہ، یہ شہر تجارتی مرکز تھے۔ مختلف علاقوں کا مال یہاں آتا اور یہاں سے دوسرے علاقوں میں جاتا تھا۔ ان شہروں میں اجتماعیت کی وہ صورتیں تھیں جو شہری معاشروں میں ہوتی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ان پر خصوصی رنگ غالب تھا۔ بدویانہ اخلاق کی جھلکیاں یہاں بھی پائی جاتی تھیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کا کوئی مشترک معاشرتی نظم نہیں تھا بلکہ وہ مختلف اجزا تھے جو مختلف صورتوں میں اجتماع پذیر تھے۔ زندگی سادہ اور مقاصدِ حیات محدود تھے اس لیے اس مختصر اجتماعی نظم و پیچیدگی نہیں تھی۔

عرب معاشرت کی خصوصیات:

عرب معاشرہ اپنی ساخت اور تنظیم کے لحاظ سے بعض خصوصیات کا حامل تھا۔ ذیل میں ہم عرب معاشرت کی بعض اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) خاندان کے بڑے آدمی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور وہ اپنے فیصلوں کے نفاذ میں خود مختار ہوتا تھا۔

(۲) خاندان کی بنیاد اکثر اوقات شادی بیاہ ہی ہوتی۔ لیکن نسب کے لیے صرف نکاح ہی شرط نہیں تھا۔ سفاح سے بھی نسب ثابت ہو جاتا۔ اس لیے نکاح اور سفاح کی اولاد میں بعض اوقات کینہ و منافرت کی صورتیں پیدا ہوتی تھیں۔ منہ بولی اولاد کو بھی حقیقی اولاد کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔

(۳) نکاح کی کوئی حد نہ تھی کوئی آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر لیتا، بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس دس سے زائد بیویاں تھیں۔ بیوی کو خاندان میں کوئی مقام حاصل نہ تھا، حتیٰ کہ باپ کی موت پر بیٹے باپ کی بیویوں یعنی سوتیلی ماں کے وارث بنتے تھے۔

(۴) عرب معاشرے میں عورت کو معزز مقام حاصل نہ تھا حتیٰ کہ بعض قبائل تو اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ صرف چند بڑے خاندانوں میں بعض عورتوں کو اچھا مرتبہ حاصل

تھا جیسے خدیجہؓ بنت خولید یا ہندؓ زوجہ ابی سفیانؓ وغیرہ۔

(۵) اخلاقی اعتبار سے ان میں شجاعت وحمیت کے ساتھ ظلم اور سنگ دلی کے رجحانات عام تھے اس لیے وہ اجتماعیت کے لیے بعض اوقات مضر ثابت ہوتے تھے۔ لڑائی اور لوٹ مار کی وجہ سے وہ اجتماعی احساس کی باریکیوں سے محروم تھے حتیٰ کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی عمدہ سلوک نہیں کرتے تھے اس لیے قرآن وسنت نے صلہ رحمی پر خاص توجہ دی۔

(۶) غلامی کا رواج عام تھا، رنگ ونسل اور زبان کی بنیاد پر امتیاز اور تفریق عرب معاشرے کی خصوصیت تھی۔ کم زور لوگوں اور غلاموں کے ساتھ حیوانی سلوک کیا جاتا تھا اور انھیں وہ حقوق حاصل نہ تھے جو ایک آزاد انسان کو ملنے چاہییں۔

عرب معاشرت دراصل اجتماعیت کی ان ابتدائی منزلوں میں تھی جن سے آگے ترقی تو ممکن تھی لیکن اس حالت میں اس سے کسی مفید معاشرتی نتیجے کی توقع نہ تھی۔

دور اوّل:

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ وجلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا مؤرخین اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آلِ نابت سے تھا یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتاتے ہیں، اور بعض قیدار کی، مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلۂ نسب قیدار سے ملتا ہے چناں چہ مؤرخ ابوالفداء نے اس سے اختلاف کو لکھ کی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (ابوالفداء، جلد۱، صفحہ ۱۰۶) قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نام آور تھا اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے حتیٰ کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسی کی نسل میں پیدا ہوئے، الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحبِ سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے چناں چہ سیعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوندِ اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا (السیعیاہ باب ۲۱، آیۃ ۱۷،۱۶)۔

اس عظمت و شجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں کی بستیاں آباد تھیں چناں چہ سیعیاہ نبی فرماتے ہیں ''قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی۔'' (سیعیاہ باب ۲۴، آیۃ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے بلکہ ان کی بستیاں منظّم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لیے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے جو لوگوں کو منظّم اور منضبط رکھ سکے ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہوسکتی چناں چہ آلِ اسمٰعیل میں بھی اگر چہ باقاعدہ حکومت نہ تھی، تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، اور بنو اسمٰعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے چناں چہ بنو جرہم ہمیشہ آلِ اسمٰعیل کے اطاعت گزار رہے (یعقوبی جلد ا، صفحہ ۲۵۴)۔
آلِ قیدار کی زندگی اگر چہ بدویانہ تھی اور ان کا تمدن سادہ تھا تاہم بالکل بدوی نہ تھے بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دارومدار نہ تھا اس سے ترقی کر کے وہ تجارت بھی کرتے تھے چناں چہ خرقیال نبی فرماتے ہیں، ''عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے وہ برّے اور مینڈھے اور بکری لے کر تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے۔'' (خرقیال باب ۲۷، آیۃ ۲۱) اسماعیلی قبائل نے تجارت کو اس قدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیا لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے چناں چہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا اسماعیلی تھا اور بہ غرضِ تجارت مصر جارہا تھا چناں چہ توارت میں ہے کہ ''" جب حضرت یوسف علیہ السلام نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ علباد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مراونٹوں پر لادے ہوئے ہے کہ انھیں مصر کو لے جائے۔ (پیدائش باب ۳۷، آیۃ ۲۵) اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ آن تھا چناں چہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا۔ توراۃ میں ایک موقعے پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے۔ ''جدعون نے انھیں کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لیے کہ وہ اسماعیلی تھے۔ (قضاہ باب ۱۸، آیۃ ۲۴)۔

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسماعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور میں نہ تھے بلکہ اس سے نکل کی تمدنی شاہراہ اختیار کر لی تھی یعنی ان میں دنیاوی شان وشوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں۔

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں اور ان سے بھی ان کی عزت واحترام کا پتا چلتا ہے بنو اسمٰعیل کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے اس لیے ہم بھی خانہ کعبہ ہی کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں خانہ کعبہ کی تولیت آلِ اسمٰعیل میں بڑی عزت کی چیز تھی کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مترادف تھی، حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلَام کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا مگر حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلَام کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا کیوں کہ جب حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلَام کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی اور ارضِ حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف وجوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لیے رہ گئے مگر یہ سب صغیر السن تھے اور اس صغیر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہیں ادا کر سکتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلَام کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا اور مضماض جرہمی اس پر فائز ہوا چناں چہ حارث جرہمی کہتا ہے (ابوالفط، جلد ا، صفحہ ۱۰۵)

دکنا ولاۃ البیت من نعد نابت
نطوف بذاک البیت والامر ظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا اور مضماض جرہمی سے آمادۂ جنگ ہو گیا۔ مگر شکست کھائی اور جرہم میں کئی پشتوں تک یہ منصب قائم رہا مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زعم میں ظلم وستم اور فسق وفجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور سب سے زیادہ نفرت انگیز اور قابلِ مذمت حرکت یہ کی کہ حرمتِ کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا اور حجاج پر زیادتیاں

کرنے لگے حرم کا چڑھاوا کھا جاتے، لوگوں کو طرح طرح سے ستاتے، غرضے ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ آلِ اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتوں کو دیکھتے تھے مگر اوّل تو عزیز داری کے پاس سے کچھ نہیں بولتے تھے دوسرے حرم میں کشت وخون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج میں خونریزی کو ہونا یقینی تھا آخر کار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھ کر بنو بکر اور عیشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لیے ان کی نجاستوں سے پاک کر دیا یہ شکست خوردہ تو تھے ہی انھوں نے چلتے چلتے حجرِ اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہِ زم زم میں پھینک کر کنویں کو پاٹ دیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، صفحہ ۲۵، ۲۴)۔

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آلِ اسمٰعیل میں لوٹ آئی اور چند پشتوں کے بعد عدنان تک پہنچی ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربوں کی قوتیں ٹوٹ گئیں، سارا عرب ویران ہوگیا اور تمام ملک میں خاک اُڑنے لگی عدنان اسی حملہ میں مارا گیا مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیا نبی نے بچا لیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی (ابنِ خلدون، جلد ۲، صفحہ ۲۹۹، ۲۳۹)۔

دور دوئم:

پہلے دور میں حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلام سے لے کر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، دوسرے دور میں عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہوگی کیوں کہ مہاجرین کا سلسلۂ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے عدنان کا سلسلۂ نسب باتفاقِ نسابین حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلام تک پہنچتا ہے لیکن درمیانی پشتوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے کہ عبری سے عربی میں منتقل ہوئے ہیں اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان میں جاتے ہیں تو لامحالہ کچھ لب ولہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہیں رہتی اس لیے یہ اختلاف قابلِ توجہ نہیں ہے البتہ درمیانی کڑیوں کی تعداد کا اختلاف ضرور قابلِ لحاظ ہے بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیل عَلَیہِ السَّلام تک صرف آٹھ دس پشتیں بتاتے ہیں اور بعضوں کے

نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہنچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے کیوں کہ اگر صرف نو دس پشتیں مانی جائیں تو عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے چناں چہ علامہ سہیلی روضۃ الانف میں لکھتے ہیں کہ ''عادتاً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان چار یا سات پشتیں یا دس بیس پشتیں ہوں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے۔'' (روضۃ الانف، صفحہ ۷، جلد ۱، مطبوعہ مصر)۔

یہ تو قیاس عقلی ہے اس کے علاوہ بہت سے علما عرب میں ایسے تھے جن کو چالیسوں پشتیں برزبان یاد تھیں چناں چہ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ ''مجھ سے بعض عرب نصابوں نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علمائے عرب کو جانتے ہیں جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک چالیس پشتیں نام بہ نام حفظ تھیں اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نصابوں نے علما کے محفوظ ناموں کا اہلِ کتاب کے بتائے ہوئے ناموں سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے ناموں میں اختلاف ہو گیا تھا۔ (طبری، صفحہ ۱۱۱۸)۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک چوں کہ عدنان کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا یقینی تھا اس لیے انھوں نے صرف مشہور لوگوں کے نام یاد رکھنے اور پورا سلسلہ محفوظ نہیں رکھا لیکن بہر حال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں تھیں۔

قبائل عدنان:

(قبائل کی تفصیل ابنِ خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے)۔ عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصیٰ اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوعِ سخن کے لیے زیادہ کارآمد بھی نہیں ہے، اس لیے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کر ان کا تذکرہ کریں گے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا۔ اس سے قبائلِ عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا اور آئندہ جہاں جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے وہاں اس کے سمجھنے میں دقت

نہ ہوگی۔

عدنان کے دولڑکے تھے، عک اور معد، مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے، جن کو تاریخِ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر، ان میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد، دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔

ربیعہ بن نزار کی متعدد اولادیں ہوئیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا اور حکومتیں قائم کیں، ان کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں، بنو جدیلہ، نہب بن افصے (خاندانِ حضرت صہیبؓ) بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس بنو تغلب وغیرہ، پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں۔

قضاعہ کو عام مؤرخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں، مگر از روئے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم، ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے۔

بنو عمرو کے مشہور بطون عبدان، بلی (حضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ، سہل بن رافع، ابو بردہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرآ (حضرت مقداد بن اسودؓ کا خاندان)۔

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہنیہ اور نہد ہیں۔

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو سلیم، بنو ضجعم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں پھر ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سیکڑوں بطون نکلے۔

مضر بن نزار بطون و قبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے مضر کے دولڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔

بطون خندف بن الیاس بن مضر الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طانجہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے اس لیے یہ اسی کی طرف

منسوب ہوئے اوران کے تمام بطون خندف کہلائے۔

قمعہ کے مشہور قبائل بنوخزاعہ اور بنو افصے ہیں۔ بنوخزاعہ سے بنومصطلق، بنوکعب (حضرت عمران بن حسینؓ کا خاندان) بنوعدی (اُم المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنوجہنیہ وغیرہ نکلے ہیں اور بنوافصے سے بنو مالک اور بنواسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے یہ قبائل مرظہران اوراس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے۔

طانجہ کے مشہور بطون وقبائل ضبہ، رباب، تمیم اورمزنیہ (بجیروکعبؓ مداح رسول اکرم ﷺ ومعقل ابن لسارؓ کا خاندان) ہیں چھوٹے بطون میں صوفہ اورمحارب وغیرہ کا شمار ہے، پھرتمیم کی شاخیں، بنوحارث بنوآسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اورحنظلہ بن ربیعؓ کاتبِ نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنوسعد وغیرہ ہیں اور یہ سب عراق اورنجد میں آباد ہیں۔

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد، اورکنانہ ہیں پھر بنواسد سے بنوکاہل، بنوغنم (اذم المومنین حضرت زینبؓ اورعکاشہ بن محصن کا خاندان) بنوثعلبہ وغیرہ نکلے یہ بھی اضلاعِ نجد میں آباد تھے کنانہ سے بنوعبد، مناۃ بنو مالک اور بنونضر تھے، بنوعبدمناۃ سے بنوبکر، بنومرہ، بنو حارث، اور بنو عامر تھے، بنوبکر سے بنولیث (ابوواقد اورقیس بن شداخ کا خاندان) بنوسعد (عبدہ بن سعد کا خاندان) بنوجزع وغیرہ پیدا ہوئے۔

بطون قیس عیلان بنوخندف کی طرح بنوقیس سے بھی بطون وشعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا، قیس عیلان کے تین لڑکے تھے۔ عمرو، کعب اورخفصّہ، ان تینوں سے الگ سلسلے چلے۔

بنوعمرو کے بطون، بنوفہم، بنوعدوان وغیرہ ہیں ان دونوں کی اولادیں طائف اورنجد میں بستی تھیں۔

بنوسعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان کی بنوعبس، بنوذبیان، بنو اشجع (خاندان حضرت معقل بن سنانؓ) پھر بنوعبس سے بنوحارث (خاندان حضرت حذیفہ بن یمانؓ) اورذبیان سے بنوثعلبہ، بنوفزارہ، بنومرہ (خاندانِ حضرت سمرہ بن جندبؓ)۔

بنوخفصہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنوسلیم اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے بنو مازن (خاندانِ عتبہ بن غزوان) بھی بنوخفصہ کا ایک بطن تھا مگراس کی مستقل ہستی نہ تھی

بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا۔

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرواسؓ) بنو تعلبہ، بنو بھر (خاندان حضرت حجاج بن علاطؓ) بنو زغبہ، بنو عوف، بنو سلیم، ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصے میں آباد تھے کچھ خیبر کے اطراف میں، اس کے علاوہ افریقا میں ان کی بڑی تعداد تھی۔

بنو ہوازن کے مشہور قبائل: بنو معاویہ، بنو نبہ، بنو سعد (آنحضرت ﷺ کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا) پھر بنو نبہ سے بنو ثقیف، بنو جہم، بنو سعد وغیرہ ہیں یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نصر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے۔ ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے قبائل کی تقسیم میں بعض خانوادوں کی کسی قدر تفصیل کر دی گئی ہے اور بعض میں صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخوں کو منسوب کر دیا گیا ہے، اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

عدنان کی حکومتیں:

بنی عدنان نجد، حجاز، اور تہامہ میں آباد تھے اور ابتداً سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہاں شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے وہیں خیمہ زن ہو جاتے، اونٹ اور بکریوں کے گلے ان کا ذریعہ معاش تھے ایک عرصے تک اسی حالت میں رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد میں اس قدر کثرت ہوئی کہ قدیم اقامت گاہیں ان کے لیے کافی نہ ہوسکیں چناں چہ عدنان کی پانچوں شاخیں اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف میں پھیل گئیں ان میں سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا۔ متعدد بڑی بڑی حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں جو صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے چلتی رہیں، چناں چہ بنو قضاعہ کی حکومتیں حجاز سے لے کر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھیں (ابنِ خلدون، جلد۲، صفحہ ۲۴۹) اور ان کے حکمران قبائل میں تنوح اور سلیم نے بڑا جاہ وجلال حاصل کیا اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تحتِ حکومت پر بیٹھے (ابنِ خلدون، جلد۲، صفحہ ۲۴۹) شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومتہ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں (ابنِ خلدون، جلد۲، صفحہ ۲۴۹) بنو قضاعہ کی طرح

اگر چہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی تاہم ان کی سیادت اوران کا اقتدار تمام قبائل میں مسلّم تھا۔ چناں چہ یہ اظہارِ سیادت اور تفوق کے لیے اپنا ایک شعار مخصوص کر لیتے تھے جو تمام قبائل کے لیے واجب التسلیم ہوتا تھا اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، حتیٰ کہ اس کی ادنیٰ مخالفت ہی اعلانِ جنگ تصور کی جاتی تھی (ابنِ اثیر، جلد ۱، صفحہ ۳۸۴) آلِ مضر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں اور بنو عامر کی حکومت عراق میں تھی (ابنِ خلدون، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰) ان کے علاوہ نجد میں کندہ نے بڑی شان دار حکومت قائم کی اگر چہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہیں مگر قیاسات وقرائن کی رو سے نسبتاً وہ عدنانی ہیں اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مشہور شاعر امراء القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی بانی شاعری کرتا تھا۔ اوراس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا چناں چہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے۔ (ارض القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۰۸)

حمیر معد حسبا ونائلا
وجر ھم تد علمو شمائلا

دوسرے موقعے پر اپنی مدح میں کہتا ہے:

وانا الذی عرفت معد فضلہ

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی کا دعویٰ نہیں کیا۔

عدنان کی تجارت:

اگر چہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا مقامی خرید وفروخت کے علاوہ ملکوں ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے چناں چہ بخت نصر کے مشہور حملے کے وقت جس میں عدنان کام آیا عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت میں موجود تھے اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا۔ (ابنِ خلدون، جلد ۲، صفحہ ۲۳۷)۔

آلِ عدنان کا مذہب:

دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دینِ حنیف پیش کیا تھا جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا اور خانہ کعبہ کی بنیاد توحیدِ خالص پر رکھی تھی تا کہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کی عتبۂ توحید پر ناصیہ سائی کریں۔

ترجمہ: اور جب ہم نے خانہ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا دیا تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرا نہ اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں نماز میں کھڑے ہونے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک وصاف کرنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے وہ میرے پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہو جانے والی سواریوں پر دور دراز راستے سے آئیں گے۔

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دینِ ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا اور اس نسل میں عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی اور خانہ کعبہ میں متعدد بت لا کر نصب کیے (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۴۷) چوں کہ خانہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکنافِ عرب کے لوگ یہاں موسمِ حج میں جمع ہوتے تھے اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلبِ توحید میں نصب کیے تھے اس لیے بہت جلد آلِ عدنان نے بت پرستی قبول کر لی اور چند ہی دنوں میں یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی بت پرستی کے علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا چناں چہ قضاعہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے (طبقات الامم اندلسی، صفحہ ۴۳) کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حدِ الحاد تک پرواز کر چکے تھے اُن ہی کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی ہماری دنیاوی زندگی

ہے اور ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے۔

اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آلِ عدنان میں پایا جاتا تھا مگر خال خال، ورنہ ان کا عام مذہب بگڑا ہوا دینِ ابراہیمی تھا۔

ایام عدنان:

آلِ عدنان میں صدہا خونریز جنگیں ہوئیں اور ادنیٰ سی باتوں پر صدیوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اگر اسلام نے آکر ان میں اخوت اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی تو عجب نہیں کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے ختم ہو جاتی یہ لڑائیاں ایامِ عرب کے نام سے مشہور ہیں اور دو قسم کی ہیں ایک وہ لڑائیاں ہیں جو آلِ عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنانیوں کی خانہ جنگیاں ہیں۔

آلِ عدنان کی لڑائیاں:

عدنانیوں میں خانہ جنگیوں کے علاوہ دوسری متعدد جنگیں بھی ہوئیں جن میں یومِ بیفا، یومِ خزار، یومِ صفقہ، یا یومِ مشقر، یومِ کلاب ثانی، یومِ ذی قار، زیادہ مشہور ہیں یومِ بیضا بنو ندحج یمنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس میں یمن والوں نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی جنگ خزار بھی بنو سعد عدنانی اور یمنیوں کے درمیان ہوئی اس میں بھی عدنانی غالب رہے جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی میں ہوئی اس میں اہلِ فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کر ڈالے، جنگِ کلاب ثانی بنو ندحج اور تمیم کے درمیان ہوئی اس میں تمیم غالب رہے، یومِ ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی اس میں عجمیوں نے بہت بری طرح شکست کھائی اسی جنگ کے متعلق عربوں میں یہ مثل مشہور ہے کہ **هذااول یوم انتصرت العرب علی العجم**، یعنی پہلا دن تھا جس میں عرب عجم پر غالب ہوئے۔(ابنِ اثیر ایامِ عرب)۔

عدنانیوں کی خانہ جنگیاں:

عدنانی قبائل میں بے شمار خانہ جنگیاں ہوئیں جن کا استقصیٰ مشکل اور بے سود بھی ہے

اس لیے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیوں کے مختصراً تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایامِ بکر وتغلب:

ایامِ عرب میں بکر وتغلب کی لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں اس کی ابتدا ایک معمولی واقعے سے ہوئی اور چالیس سال تک اس کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ یہ لڑائیاں حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہیں اس میں پانچ لڑائیاں بہت شہرت رکھتی ہیں یومِ عنیزہ، یومِ واردات، یومِ حنو، یومِ قصیبات، یومِ قضہ پہلی میں طرفین برابر رہے، دوسری میں تغلب پر بنوبکر غالب رہے، تیسری میں بکر تغلب پر فتح یاب ہوئے چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی اس کے علاوہ جنگِ نقیع، جنگِ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ (ابنِ اثیر، صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۷)

یوم عبس وذبیان:

عبس وذبیان کی لڑائیاں واحس وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں واحس اور غبرا دو گھوڑے تھے ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں یومِ عراعر، یومِ ہباہ، یومِ بوار، یومِ جراجر، یومِ عزق وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ (ابنِ اثیر، صفحہ ۴۲۰ تا ۴۳۴)

ایامِ ربیعہ ومضر:

بنوتمیم مضری اور بنوبکر ربیعی میں بہت لڑائیاں ہوئیں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں یومِ بناج، یومِ دثنیل، یومِ ذی طلوح، یومِ جدود، یومِ آباد، یومِ غبیط، یومِ شقیقہ، ان لڑائیوں میں بنوبکر بنوتمیم پر غالب رہے یومِ فلج، یومِ قیط، یومِ زویرین، یومِ نعف، یومِ قشاوہ، یومِ مبائض، یومِ شیطین، ان میں بنوبکر نے شکست کھائی اور بنوتمیم فتح یاب ہوئے ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں یومِ ذی قار، یومِ ساہوق، یومِ آہباد، یومِ لقیعہ وغیرہ ہوئیں۔ (ایامِ عرب ابنِ اثیر، جلد ا)

ایامِ بنو عامر:

بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا اور قبائلِ عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں یومِ شعب جبلہ، یومِ ذی نجب، یومِ نسار، یومِ جفار، یومِ مروت، یومِ رقم، یومِ شعب جبلہ اور ذی نجب بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی پہلی میں عامر غالب رہے اور دوسری میں تمیم (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۳۵) یومِ نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دنوں میں ہوا اس میں بنو عامر اگر چہ ثابت قدم رہے تاہم ان کا بہت نقصان ہوا۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۶۳) یومِ مروت معمولی جھڑپ تھی جنگِ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی اور غطفان غالب رہے۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۸۲)

دیگر ایامِ مشہورہ:

یومِ اباغ منذر بن ماء السما تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۳۹۸) یومِ کلاب اوّل ایامِ عرب میں بہت مشہور ہے یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۳۰۶) یومِ رحرحان اس جنگ میں بنو تمیم بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۰۹) یومِ اُوارۃ الاوّل بنو منذر بن امرو القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۰۸)۔

دورِ سوئم قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے کیوں کہ ان کی بڑی تعداد اسی نسل سے تھی۔ اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے ''قریش'' فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا مگر چوں کہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا اس لیے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے بنو نضر تجارت پیشہ تھے اور ''تقرش'' تجارت کے معنوں میں آتا ہے اس لیے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا اس کے علاوہ قریش

ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے، لہٰذا قوت وغلبہ کے اظہار کے لیے اپنے کو قریش کہنے لگے۔ (ابنِ خلدون، جلد۲، صفحہ۳۲۴، وروض الانف جلد ا، صفحہ ۷۰)

قبائلِ قریش اوران کے مشاہیر:

(قبائل قریش کی تقسیم ابنِ خلدون، جلد۲، از صفحہ ۳۲۴ تا ۳۳۰ سے ماخوذ ہے)۔ قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہیے، قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب فہر کی نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے، محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور نام ورانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چناں چہ ضحاک بن قیس، ضرار بن خطاب کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے۔

عشرہ مبشرہ میں، ابوعبیدہ بن جراحؓ ان کے علاوہ عقبہ بن نافع، فاتحِ افریقا بانیِ شہر قیروان اور عبدالملک بن قطبی والیِ اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دسوں خانوادے اس کی نسل سے تھے، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبدالدار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح، بنو سلیم۔

○○○

قریش کی جنگیں اور سیاسی خودمختاری

جنگیں:

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے بات بات پر تلواریں نکل آتی تھیں، ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں۔

یومِ فجار اوّل:

یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کی ایک کنانی بنو نضر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا مگر تنگ دستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا نضری قرض خواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لے کر آیا اور کنانی کو ذلیل کرنے کے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خریدتا ہے اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گزر رہا تھا اس نے سن لیا اور غصے میں بندر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور آپس میں صلح ہوگئی یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے مگر نتیجہ سب کا صلح ہے۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۳۹)۔

یومِ فجار ثانی:

حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی اس کا واقعہ یہ ہے کہ براض قبیلہ کنانہ کا ایک شخص تھا اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بہ غرضِ فروخت بھیجا کرتا تھا عکاظ کے میلے کا زمانہ آیا تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا یہ شخص سلاطین اور امرا کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا نعمان نے کہا میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آ گئی مگر چوں کہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا اس لیے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لے کر نکلا تو براض بھی بدلہ لینے کے لیے اس کے پیچھے ہو لیا اور موقع پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو قبیلہ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے بنو قیس اس کا بدلہ ضرور لیں گے، اس لیے پہلے سے تیار رہنا چاہیے، امیہ کو یہ پیغام عکاظ میں ملا اس نے تمام رؤسائے قریش کو خبر کر دی اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردارِ قریش کے پاس ایک وفدِ مصالحت بھیجا ابھی طرفین میں صلح کی گفت وشنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کو کچھ لوگوں کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنو قیس میں جنگ ہوا چاہتی ہے قریش یہ سن کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا اس لیے ایک جماعت لے کر قریش کا تعاقب کیا مکہ کے قریب مقابلہ ہوا قریش کے پاؤں اکھڑنے ہی کو تھے کہ بڑھ کر حرم میں داخل ہو گئے اور بنو قیس واپس ہو گئے مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آئندہ سال عکاظ میں ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا۔ چناں چہ سال بھر میں دونوں نے پھر تیاری کی اور حسبِ وعدہ عکاظ میں سخت مقابلہ ہوا ابتداً قریش پسپا ہو رہے تھے لیکن ان کے عزم وثبات نے جنگ کا رُخ بدل دیا اور بنو قیس

نے سخت ہزیمت اٹھائی آخر میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کیے جائیں جس کے زیادہ ہوں بقدرِ زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے اس جنگ میں آنخضرت ﷺ بھی شریک تھے اور آپ ﷺ کا سنِ مبارک بیس سال کا تھا۔ (ابنِ اثیر، جلد ا، صفحہ ۴۴۰ تا ۴۴۴)

واقعہ فیل:

اصحابِ فیل کا واقعہ آنخضرت ﷺ کی پیدائش کے چالیس سال قبل ہوا اس موقع پر بھی بڑی ہول ناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن میں ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا اور نجاشی اور قیصرِ روم کو لکھا کہ میں نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لوں عربوں نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے اور اسی حالتِ غضب میں ایک کنانی نے کنیسہ میں نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی تو اس کے بدلہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی لیے چلا، مکہ کے پاس پہنچ کر لوٹ مار شروع کردی قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے اس لیے ابرہہ نے اپنے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہیں اگر تم اس میں کسی قسم کا تعرض نہ کرو تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے عبدالمطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تمھارا مقابلہ کرسکیں خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا تو خود ہی بچا لے گا چناں چہ اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب واپس آئے اور قریش کو محفوظ مقامات میں بھیج دیا اور خود مع چند قریش کے خانہ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائیں مانگیں اور چلے گئے جب ابرہہ نے حملہ کیا تو خدا نے اپنے گھر کو اس شر سے بچا لیا (سیرۃ ابنِ ہشام، صفحہ ۳۰ تا ۳۵) اور اس کی فوج پر آفت آئی سپاہیوں میں چیچک کی بیماری پھیلی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیجا۔

ایک جنگ:

قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ میں تولیتِ حرم کے بارہ میں دو لڑائیاں ہوئیں تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ میں آیا تو حرم کے متولی بنوصوفہ تھے قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا اور بنوصوفہ سے کہا کہ تولیتِ حرم کے ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں مگر انھوں نے انکار کر دیا جس پر طرفین میں جنگ ہوئی اور بنوصوفہ نے شکست کھائی، بنوخزاعہ نے جب یہ دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا اس لیے بنوبکر کو لے کر قصی سے علاحدہ ہو گئے اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دیں، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے غرضے کہ دونوں میں سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے جب دونوں خوب لڑ کر تھک گئے تو معمر بن عوف کنانی کو حاکم بنایا اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے اور بنوبکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے اس پر طرفین راضی ہو گئے۔ (طبری، صفحہ ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۷)

یومِ ذات نکیف:

چوں کہ قصی بنوبکر کو خانہ کعبہ کی تولیت سے بے دخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا اس لیے قبیلہ بنوبکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی مگر کوئی موقع نہ ملا آخر کار عبدالمطلب کے زمانہ میں دفعتاً یہ آگ بھڑک گئی چناں چہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں ادھر قریش بھی مقابلے کے لیے آمادہ ہو گئے عبدالمطلب نے بنوہون، بنوحارث اور بنومصطلق کو جمع کر لیا اور ذاتِ نکیف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنوبکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ (ابنِ اثیر، جلد ۱، صفحہ ۴۳۸)۔

خانہ کعبہ کی مرمت:

خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعے پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی اس کا واقعہ یہ

ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت امتدادِ زمانہ سے بہت کم زور ہو گئی تھے، دیواریں پست تھیں چھت گر گئی تھی اس لیے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس قدر اہتمام کیا تھا ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجرِ اسود نصب کیا جائے تو قبائلِ قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو۔ یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا چار دن اسی کش مکش میں گزر رے، آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو اس کا حکم مانا جائے، حسنِ اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت ﷺ داخل ہوئے، سب نے با اتفاق آپ ﷺ کو حاکم مان لیا ابھی تک آنحضرت ﷺ اس سے بے خبر تھے آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے رفعِ شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کے حجرِ اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونا پکڑ کر اٹھائے، غرضے کہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ عظیم رک گیا۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)۔

سیاسی خودمختاری:

مکہ چوں کہ حجاز میں تھا اس لیے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا تھا اور اسی اہمیت کی وجہ سے قدرتاً آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس طرف اٹھتی تھیں چناں چہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجۂ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ ''تبکک سے'' مشتق ہے جس کے معنی ہیں نخوت اور غرور توڑنا اور سرکشوں کی گردن جھکانا چوں کہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں اس لیے اس کو بکہ کہنے لگے۔ (معجم البلدان، جلد ۸، صفحہ ۱۳۴)۔ بہرحال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچتا رہا حتیٰ کہ وہاں عربوں کی حکومت بھی قائم نہ ہو سکی اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظامِ حکومت قائم نہ تھا بلکہ غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا کوئی نظام اجتماعی نہ تھا البتہ

ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے چناں چہ آئندہ چل کر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی اس کا دارومدار اسی خانہ کعبہ پر تھا قبائل کے آزاد پسند طبائع اگر چہ کسی کے تابعِ فرمان ہونا عار سمجھتے تھے تاہم متولیِ کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بہ حیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا۔

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع:

وحشت اور تمدن کی بھی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے چناں چہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا اور تمدن کی بنیاد پڑی اگر چہ شہرِ مکہ کے قریش ضرور کچھ نہ کچھ متمدن تھے لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی قصی ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی، قصی کی بھی نشو و نما وہیں ہوئی جوان ہوا تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارہ نہ کیا ماں کی زبانی اپنی خاندانی وجاہت وعظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رُخ کیا ددھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن حبشیہ خزاعی کے ہاتھ میں تھی قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کر لی جب حلیل مر گیا تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنوخزاعہ کو ولایتِ حرم کا کیا حق ہے چناں چہ اس نے قریش و کنانہ کو آمادہ کر کے بنوخزاعہ کو لڑ کر حرم سے نکال دیا چوں کہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لیے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہیں کوئی پہاڑوں پر بسا ہے کوئی خانہ بدوش ہے نہ ان میں کوئی نظام ہے اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے چناں چہ اس نے سب کو پہاڑوں اور صحراؤں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ آباد کیا، اسی لیے اس کو مجمع بھی کہتے ہیں اب اس اجتماعی زندگی کے لیے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی جو اس کو منتظم صورت میں قائم رکھ سکے اس لیے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی جو باہمی مشورے سے چلتی تھی اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور

شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا جب کہ قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے جس کی اطاعت تمام قبائلِ قریش نے قبول کی اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا۔ (طبری، صفحہ ۱۰۹۷، سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ۱، صفحہ ۶۹)۔

اسلام کا ظہور:

قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ دفعتاً افقِ مکہ پر برقِ تجلی چمکی اور نورِ حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا ابھی آفتابِ رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لاسکیں اور ہر چار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نورِ حق کی روشنی کو تاریکی میں چھپا دیں یعنی آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے مگر سیلِ صداقت برابر پھیلتا گیا یہاں تک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو ابتداً مشرکین نے آپ ﷺ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی مگر رفتہ رفتہ جب اس کا حلقہ وسیع ہونے لگا اور لوگ برابر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی اور اس کے استحصال کی تمام امکانی کوششیں شروع کر دیں وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذاہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے پہلے تو آنحضرت کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے مگر جب آپ ﷺ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی تو مجبوراً ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا کہ وہ آپ ﷺ کے کفیل تھے چناں چہ عمائدِ قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے ہمارے سمجھ دار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گم راہ بتاتا ہے اس لیے یا تو تم اس کو روکو ورنہ ہمارے حوالے کر دو، اس وقت ابوطالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ رفع دفع کر دیا مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت ﷺ پر نہ پڑا اور آپ ﷺ کے سابقہ طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ

ابو طالب کے پاس آئے اس مرتبہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بہت سمجھایا کہ بیٹا چچا پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ڈالو اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی اس سے آپ ﷺ بہت متأثر ہوئے مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضے کو چھوڑ دوں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس میں، میں ہلاک ہو جاؤں یا کامیاب ہوں اس جواب سے ابو طالب بہت متأثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا جاؤ جو جی میں آئے کرو میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۱۳۹، ۱۴۰)۔ جب قریش کو ابو طالب کے اس فیصلے کی اطلاع ہوئی تو تیسری مرتبہ پھر آئے مگر اس مرتبہ انھوں نے صاف جواب دے دیا جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کو جاہ و ثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائیں چناں چہ ابو الولید نے رؤسائے قریش کے مشورے سے متعدد دنیاوی دلفریبیاں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لیے اس قدر مال جمع کر دیں کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند بن جاؤ اور اگر سرداری کو خواہش ہے تو تم کو اپنا سردار بنا لیں اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔

جب تمام ترغیبات ابو الولید دے چکا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میری بھی کچھ سنو، یہ کہ کر آپ ﷺ نے سورۂ حم سجدہ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، عتبہ نہایت خاموشی اور تأثر سے سنتا رہا جب سن چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے۔

عتبہ جب یہاں سے اپنے ساتھیوں میں گیا تو وہ لوگ اس کا بدلہ ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہیں معلوم ہوتے جو یہاں سے بھیجے گئے تھے۔ سبھوں نے ماجرا پوچھا، انھوں نے کہا، میں نے عجیب و غریب کلام سنا ہے خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سنا! واللہ نہ وہ جادو ہے نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ کہانت ہے میری رائے ہے کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہیں کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو بالفرض

اگروہ کامیاب بھی ہوگیا تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت ہے اور اس کی عزت تمھاری عزت ہےاوراگروہ ناکام رہاتو عربوں کی کامیابی بھی تمھاری کامیابی ہےعتبہ کے یہ خیالات سن کرلوگوں نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہوعتبہ نے جواب دیا کہ جوکچھ بھی ہومگر یہ میری رائے ہے آئندہ تم لوگ جو چاہو کرو۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵)

غرض جب ترغیب وترتیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت ﷺ کسی طرح اپنے فریضے سے دست کش نہ ہوئے بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی اور قبائلِ قریش میں مسلمانوں کا روزافزوں اضافہ ہوتا گیا اکابرِ قریش میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف بااسلام ہو چکے تو مشرکین کا جنون اور تیز ہوگیا اور شانِ نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں کوئی آپ ﷺ پر خاک ڈالتا کوئی آپ ﷺ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا کوئی آپ ﷺ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی مغیط آپ ﷺ کی گردن پر سوار ہوگیا اوراس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹتے گھٹتے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمعے سے نکل کر آپ ﷺ کی چادر سے آپ ﷺ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا حضرت ابوبکرؓ موجود تھے یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے اور روکر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۱۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب سبعث النبی میں یہی واقعہ تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے)۔

آنحضرت ﷺ کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا اس لیے ان مخالفتوں کے باوجود آپ ﷺ کے بہت سے حامی موجود تھے آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے اکابر قریش جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے اس لیے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا جن کا کوئی یارومددگار نہ تھا اور کفار کے بس میں جو

کچھ بھی تھا بھوک پیاس مار پیٹ ہر طرح سے ان غریب وخستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے ان کی درندگی کی داستان صرف مار پیٹ پر ختم نہیں ہوتی بلکہ مار پیٹ کے علاوہ نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے تھے۔

اُمیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح تپتی ہوتی، گرم ریت پر لٹاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرسکیں اور کہتا کہ محمد سے توبہ کر کے لات وعزیٰ کی پرستش کا اقرار کرو ورنہ یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے مگر اس وقت بھی اس شیدائے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۱۷۰، واسد الغابہ، جلد ا، صفحہ ۲۰۶)۔

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یارومددگار تھے اس لیے قریش کا دستِ ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگاروں پر لٹاتے، پانی میں غوطہ دیتے مگر زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگاروں پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس طرف سے گزرے اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًاوَّسَلًا مَا عَلیٰ عَمَار کَمَا کُنْتِ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ، اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے۔ (طبقات ابنِ سعد جزو ثالث قسم اوّل، صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸)۔

حضرت جناب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دھکاتے اور مجھ کو پیٹھ کے بل لٹاتے اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کے جنبش نہ کرنے دیتا اور اس عذاب میں اس وقت تک مبتلا رہتا جب تک کہ خود میرے زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی۔ (طبقات ابنِ سعد جزو ثالث قسم اوّل، صفحہ ۱۱۷)۔

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بے کس لوگوں میں تھے جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہاں افلاس وفقر کی حالت میں آیا تھا یہاں رہ کر دولت مند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لے کر نکل جائے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا انھوں نے فرمایا اگر میں سب مال ومتاع تم کو دے دوں تو مجھے جانے دو گے انھوں نے

کہا ہاں، انھوں نے سارا مال حوالے کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا، ''صہیب نفع مند رہے صہیب نفع مند رہے۔'' (طبقات ابنِ سعد جز و ثالث قسم اوّل صفحہ ۱۶۳)۔

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقاتِ اسلام میں تھیں ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا حتیٰ کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔ (اصابہ، جلد ۸، صفحہ ۱۱۴)۔

حضرت زنیرہؓ دائرۂ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں ابوجہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے۔ (اصابہ، جلد ۸، صفحہ ۹۱) انھی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفائے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ (اصابہ، جلد ۸، صفحہ ۱۷۹)۔

یہ تمام مہاجرین ضعفائے اسلام میں تھے جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا اس لیے ان پر جو ستم ڈھاتے کم تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحبِ حیثیت لوگ نہ بچ سکے، حضرت ابوبکرؓ زمانہ جاہلیت میں خاصی عمر کے تھے اور اپنے قبیلے میں معزز تھے تاہم کسی مشرک نے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد ۱، صفحہ ۱۵۳)۔

حضرت عثمانؓ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھتے اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو چھوڑو گے۔ (طبقاتِ جز و اوّل قسم ثالث صفحہ ۳۸)

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔

○○○

فلسفۂ ہجرت تاریخِ اسلام کے آئینے میں

قوموں کی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب وہ ہجرت پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ہجرت انسانی زندگی کا ایک الم ناک باب ہوتا ہے لیکن جب ہجرت کا مرحلہ آتا ہے تو اس کے لیے وہی لوگ تیار ہو سکتے ہیں جو زمین، علاقہ، مال واسباب اور رشتہ داروں سے زیادہ مقصد اور نصب العین سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ مقصدی اور نظریاتی زندگی ہی ہجرت جیسے مشکلات سے گزر سکتی ہے۔ جو لوگ ہجرت کی مشکلات کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ زندگی کو متاعِ امانت سمجھتے ہوئے اسے اپنے مقصد کے راستے میں نچھاور کر سکیں۔ زندگی کو نچھاور کرنے کی قوت ہجرت ہی فراہم کرتی ہے۔

غیب سے امداد حاصل کرنے میں بے وطنی اور بے سروسامانی بھی بہت کارگر ہوتی ہے۔ جب مومن اپنے بنے بنائے خوب صورت گھر، آباد بستی اور وطن سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ کا مہمان بن جاتا ہے اور صرف اسی پر تکیہ کرنے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اسی کے در کا درویش اور اسی کے راستے کا قلندر ہو جاتا ہے۔ جب وہ سارے سروسامان سے دست بردار ہو کر صرف مالک کے غیبی سروسامان پر تکیہ کر لیتا ہے تو مالک کی غیبی امداد جوق در جوق اور فوج در فوج آتی ہے اور اپنے لڑکھڑاتے ہوئے بندے کو تھام کر اس کے سر پر عزیمت، استقامت کا سایہ تان دیتی ہے۔ دراصل ہجرت مالک کے رستے کی فقیری ہے۔ یہ لامکان کے مسلک کی پیروی اور

اس کی منشا کی تکمیل ہے۔ اس میں استغنیٰ توانائی پیدا کرتا ہے۔ توکل، اعتمادِ ربانی اور صبر قوتِ روحانی پیدا کرتا ہے۔ الغرض ہجرت دعوتِ اسلامی کی منازلِ مقررہ میں سے ایک دائمی اور حقیقی منزل ہے۔ یہ نفسِ امارہ سے للّٰہیت کی طرف۔ بے صبری اور اشتعال سے صبر وحکمت کی طرف، غیر اللہ پر توقعات سے توکل علی اللہ کی طرف ہجرت ہے۔

اسلام کی پہلی ہجرت (حبشہ)

مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے نہ وہ کفار کے خوف سے کہیں چل پھر سکتے تھے اور نہ عبادت کر سکتے تھے اس لیے ان کو ایسی جائے پناہ کی تلاش تھی جہاں وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کر سکیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال حبشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے وہ تم کو آرام سے رکھے گا اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہِ خدا میں غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھا، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھا۔

مرد	عورتیں
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا
حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	حضرت لیلیٰ بنتِ ابی جشمہ رضی اللہ عنہا
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	

حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

اس قافلے کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے یہاں تک کہ حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہوگئی اور بہت آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے مگر قریش مسلمانوں کا آرام وآسائش کو کب گوارا کر سکتے تھے۔

حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی کوشش:

اس لیے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایہ وتحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانوں کو وہاں سے نکال دے اس وفد کے ارکان میں عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے یہ دونوں حبشہ پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضری سے قبل پہلے درباری بطریقون سے ملے اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دے کر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کے ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جو ہمارے اور تمھارے دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت میں پناہ گزین ہوئے ہیں ہم ان کو پکڑنے آئے ہیں اس لیے آپ لوگوں کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور میں عرض گزار ہوں تو برائے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائیں اور ان کو مشورہ دیں کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کر دیے جائیں اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں باریاب ہوکر ہدیہ پیش کیے اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور آپ دونوں کے مذہب سے مختلف ہے اس لیے ہم عرض گزار ہیں کہ ان کو ہمارے حوالے کر دینے کا حکم صادر فرمایا جائے، بطارقہ کو پہلے ہی ہم وار کر لیا تھا اس لیے انھوں نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بے شک یہ لوگ ان لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہیں اس لیے ان کا حوالہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

نجاشی کا جواب:

نجاشی یہ درخواست سن کر بہت برہم ہوا اور کہا کہ جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر خود تحقیقات نہ کرلوں گا اس وقت تک میں اپنے مہمان اور پناہ گزینوں کو ہرگز حوالے نہیں کرسکتا، البتہ اگر وہ تمھارے بیان کے مطابق ہیں تو مجھے حوالے کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہیں لے جا سکتے اور وہ جب تک ہماری پناہ میں رہیں گے آزادی سے رہ سکیں گے۔

نجاشی کا مسلمانوں کو تحقیق کے لیے طلب کرنا:

چناں چہ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا چوں کہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لیے بالکل نیا تھا اس لیے بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ کیا جواب دینا چاہیے، مگر آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردیں گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو، جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا کہ تمھارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور وہ تمھارا جدید مذہب ہم سب لوگوں کے مذہب سے نرالا ہے اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر میں دیا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر:

ایہا الملک ہم ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے مردار خوار تھے فواحش میں مبتلا تھے قطعِ رحم کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ برابر برتاؤ رکھتے تھے ہمارا زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہیں اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دیں اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو

شریک نہ کریں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ پھر ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد۱، صفحہ۱۸۱، ۱۸۲)۔

نجاشی کا آیاتِ قرآنی سے متأثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف:

نجاشی نے کہا کہ خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں، نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھٰیٰعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا، جس کو سُن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متأثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ اور عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔

وفد مشرکین کی ایک چال:

اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہؓ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ یہ لوگ کسی طرح تمھارے حوالے نہیں کیے جا سکتے جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے تو ایک دوسری تدبیر سوچی وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں اور مسلمان عبداللہ بتائیں گے ان کے اس عقیدے کا اثر نجاشی پر بُرا پڑے گا غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام کے متعلق مذکور ہے وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے۔

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور مشرکین کی ناکامی:

غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام کے متعلق کیا

عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کے رو سے وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰ عَلَیہِ السَّلام اس تنکے سے ذرہ برابر بھی —— زیادہ نہیں تھے اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبین ہوئے اور قریش کی سفارت ناکام رہی۔ (یہ واقعات سیرۃ ابنِ ہشام جلد ا، مسند احمد بن حنبل، جلد ا، صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں۔)

مہاجرینِ حبش کی واپسی:

ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے کہ ان کو اہلِ مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی اس خبر سے فطرتاً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اب یہ لوگ بڑی کش مکش میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہوگئے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دو دن ٹھہر کے واپس چلے گئے۔

حبشہ کو دوسری ہجرت:

مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہوگئے مگر مشرکینِ مکہ ان کو کب چین لینے دیتے بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربارِ حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اس لیے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کر دی اس لیے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ چلا جانا دشوار تھا۔ کفار نے سخت مزاحمت کی، طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں تاہم تراسی مرد اور بیس عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبشہ روانہ ہوگیا۔ (طبقاتِ ابنِ سعد جز و اوّل قسم اوّل صفحہ ۱۳۸)

اکثر کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

1	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	35	حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
2	حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ	36	حضرت اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ

3 حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
4 حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ
5 حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
6 حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ
7 حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
8 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
9 حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
10 حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
11 حضرت معتب بن عوف رضی اللہ عنہ
12 حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
13 حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
14 حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
15 حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
16 حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
17 حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
18 حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
19 حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
20 حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
21 حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ
22 حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ
23 حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ
24 حضرت عباس بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ
25 حضرت ہاشم بن ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

37 حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ
38 حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
39 حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
40 حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
41 حضرت عیاض بن زبیر رضی اللہ عنہ
42 حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
43 حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ
44 حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ
45 حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ
46 حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ
47 حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ
48 حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ
49 حضرت ابوالروم بن عمیر رضی اللہ عنہ
50 حضرت خراس بن نضر رضی اللہ عنہ
51 حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ
52 حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ
53 حضرت مطلب بن ازہر رضی اللہ عنہ
54 حضرت تمیم بن حارث رضی اللہ عنہ
55 حضرت سعید بن حارث رضی اللہ عنہ
56 حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ
57 حضرت محمیہ بن جزا رضی اللہ عنہ
58 حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ
59 حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ

26	حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ عنہ	60	حضرت سفیان بن معمر رضی اللہ عنہ
27	حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ	61	حضرت خالد بن سفیان رضی اللہ عنہ
28	حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	62	حضرت جنادہ بن سفیان رضی اللہ عنہ
29	حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ	63	حضرت نبیہہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
30	حضرت قیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	64	حضرت سلبط بن عمرو رضی اللہ عنہ
31	حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	65	حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ
32	حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ	66	حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ
33	حضرت سائب بن حارث رضی اللہ عنہ	67	حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ
34	حضرت حجاج بن حارث رضی اللہ عنہ	68	حضرت عثمان بن عبد غنم رضی اللہ عنہ
1	حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا	11	حضرت حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ عنہا
2	حضرت فاطمہ بنتِ علقمہ رضی اللہ عنہا	12	حضرت ام سلمہ بنتِ ابی امیہ رضی اللہ عنہا
3	حضرت عمیرہ بنتِ سعدی رضی اللہ عنہا	13	حضرت ربط بنتِ حارث رضی اللہ عنہا
4	حضرت حسنہ ام شرجیل رضی اللہ عنہا	14	حضرت رملہ بنتِ ابی عوف رضی اللہ عنہا
5	حضرت لیلیٰ بنتِ ابی حتمہ رضی اللہ عنہا	15	حضرت ام حرملہ رضی اللہ عنہا
6	حضرت سہلہ بنتِ سہیل رضی اللہ عنہا	16	حضرت فاطمہ بنتِ مجلل رضی اللہ عنہا
7	حضرت ام کلثوم اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا	17	حضرت فکیہہ بنتِ یسار رضی اللہ عنہا
8	حضرت فاطمہ بنتِ صفوان رضی اللہ عنہا	18	حضرت برکہ بنتِ یسار رضی اللہ عنہا
9	حضرت امینہ بنتِ خلف رضی اللہ عنہا	19	حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا
10	حضرت خزیمہ بنتِ جہم رضی اللہ عنہا		

غریب مسلمانوں کو خانماں برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتشِ غضب نہ ٹھنڈی ہوئی چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا اور ایک معاہدہ مرتب کیا جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیے گئے اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے اور تین سال تک

قید و بند میں گزارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بے کسی پر رحم آیا اور انھوں نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا اور ہاشمیوں کی قید تنہائی سے نجات ملی۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۵)۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا انتقال:

اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور چہیتے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد اُم المومنین حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے بھی داغِ مفارقت دیا اور دو ڈھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں محافظ اٹھ گئے۔

قریش کی ایذا رسانی:

اب قریش کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابو طالب علیہ السلام کی حمایت اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے اس لیے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا اور انھوں نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا ان میں اکثر واقعات اوپر گزر چکے ہیں ایک مرتبہ ایک گستاخ نے مٹی لا کر فرقِ مبارک پر جھونک دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں گھر تشریف لائے ایک صاحب زادی نے اس حالت میں دیکھا تو زار و قطار رونے لگیں سر سے مٹی دھوتی جاتی تھیں اور آنسو بہتے جاتے تھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر رومت خدا تمھارے باپ کو کفار کی دراز دستیوں سے روکنے والا ہے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب علیہ السلام کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۲۲۷)۔

تبلیغِ اسلام اور طائف کا سفر:

ابو طالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد مشرکینِ مکہ کے جو روستم نے سرزمینِ حرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تنگ کر دی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن

حارثہؓ کی معیت میں طائف کا رُخ کیا کہ شاید وہاں کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہیں چناں چہ طائف پہنچ کر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمھارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہیں ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہیں کرسکتے کیوں کہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمھارا خیال ہے تو تم سے گفتگو کرنے میں بڑا خطرہ ہے۔ اور اگر جھوٹے ہو تو قابلِ التفات نہیں۔ (سیرۃ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۲۳۹) آپ ﷺ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہو گئے تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلہ ثقیف کے ایک ایک سر برآوردہ شخص سے ملے لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہمارے یہاں سے نکل جاؤ اور جہاں تمھاری آواز سننے والے ہوں وہاں جاؤ صرف اس جواب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کچھ اوباشوں کو لگا دیا جنھوں نے ذاتِ اقدس ﷺ پر سنگ باری شروع کر دی اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زخموں سے چور ہو گئے، زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کو بچاتے تھے اس مدافعت میں وہ بھی زخمی ہوئے۔ (حضرت زید بن حارثہؓ کا نام طبقات میں ہے۔)

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان:

غرض اس طرح آپ ﷺ وہاں سے مغموم و ناکام واپس ہوئے راستے میں زید ابنِ حارثہؓ نے گزارش کی کہ مکہ میں ہم کس طرح رہ سکتے ہیں جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کرے گا چناں چہ خدا نے آپ ﷺ کی حفاظت کا سامان کیا اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لے کر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی اس لیے کوئی آپ ﷺ کو ستانے کا ارادہ نہ کرے اور آپ ﷺ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے۔ (ابنِ سعد حصہ سیرۃ، صفحہ ۱۴۲)

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغِ اسلام:

اسلام اور بانیِ اسلام ﷺ کے خلاف غیظ و غضب کا جو طوفان اٹھا تھا وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا لیکن آنحضرت ﷺ اس سے مطلق خوف زدہ اور

مایوس نہ ہوئے بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعتِ اسلام فرماتے رہے اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر بالخصوص عکاظ، مجنہ اور ذوالعکاظ کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یک جا ہوتے وہاں آپ ﷺ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ ﷺ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تن دہی کے ساتھ ادا کرتے تھے جن قبائل میں آپ ﷺ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہنچایا ان کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔ (زرقانی، جلد ا، صفحہ ٣٥٩)۔

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مر، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نفر، بکا، کندہ، کعب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے یعنی جب قریش نے تمھاری دعوت کو مسترد کر دیا تو دوسرے کیوں قبول کریں گے۔

تبلیغ کا قبائل پر اثر:

اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوسِ صالحہ موجود تھے جن کی فطرت سلیمہ دعوتِ حق سننے پر مستعد تھی اور ان کے قلبِ سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا چناں چہ کفر وضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی بلکہ بہتیرے قبائل میں اسلام کا خاصا پر تو پڑا ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ ہجرت کے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ
	حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ
	حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

موالیِ بنو ہاشم	حضرت آنسہ رضی اللہ عنہ مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
	حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
	حضرت زید بن حارثہ مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ
	حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
	حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ
	حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ
	حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ
	حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ
بنو نوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ
بنو اسد بن عبد العزی	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
بنو اسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ
بنو عبد دار	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ
بنع عبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
	حضرت طلیب بن ازہر رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ الاصفر رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن شہاب رضی اللہ عنہ

	حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
	حضرت مطلب بن ازہر رضی اللہ عنہ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
	حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ
	حضرت جناب بن ارت رضی اللہ عنہ
	حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ
	حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
	حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ
بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
	حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عامر بن فہیرہ خادمِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
	حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ
	حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ
بنومخزوم بن یقظہ	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ
	حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ
	حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ
	حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ
	حضرت ہاشم بن ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ
	حضرت ہبار بن سفیان رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ
بنومخزوم کے حلیف	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
	حضرت معتب بن عوف رضی اللہ عنہ

بنو عدی	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
	حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ
	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
	حضرت عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ
	حضرت نعم النجام بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
	حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عدی بن فضلہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عروہ بن ابی اثاثہ رضی اللہ عنہ
	حضرت مسعود بن سوید رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ
حلیف بنو عدی	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عاقل بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت ایاس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ
	حضرت خولی بن ابی خولی رضی اللہ عنہ
	حضرت مہج بن صالح غلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
بنو سہم	حضرت خنیس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن حزیفہ رضی اللہ عنہ
	حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ
	حضرت ابو قیس بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ

	حضرت سائب بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت حجاج بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت تمیم بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت سعید بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
	حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ
	حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ
	حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت خطاب بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت سفیان بن معمر رضی اللہ عنہ
	حضرت خالد بن سفیان رضی اللہ عنہ
	حضرت جنادہ بن سفیان رضی اللہ عنہ
	حضرت نبیہہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
بنو عامر بن لوئی	حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ
	حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ
	حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ
	حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ عنہ
	حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ
	حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
	حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ

	حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ
بنوفہر بن مالک	حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
	حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ
	حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ
	حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ
	حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ
	حضرت عثمان بن عبد غنم رضی اللہ عنہ
بنواسد بن عبدالعزی	حضرت سعید بن عبد قیس رضی اللہ عنہ
	حضرت خالد بن خرام رضی اللہ عنہ
	حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ
	حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ
	حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ
بنوعبددار بن قصی	حضرت ابوالروم بن عمیر رضی اللہ عنہ
	حضرت فراس بن نفر رضی اللہ عنہ
	حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ
بنوعبد بن قصی کے حلیف	حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ
قبیلہ دوس	حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ
	حضرت طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ دوس کی خواہش:

جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا۔ اس وقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور امداد

پر آمادہ تھے چناں چہ قبیلہ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا اس کے سردار طفیل بن عمروؓ نے خواہش کی آنحضرت ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ (مسلم، جلد ۱، باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر) اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ ﷺ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی۔ (مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۶۱۳) لیکن آپ ﷺ بغیر حکم الٰہی کے مجبور تھے۔

حضور ﷺ کی مدینہ کو ہجرت:

بالآخر جس چیز کا انتظار تھا آنحضرت ﷺ کو عالمِ رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا اور آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں اس سے آپ ﷺ یمامہ یا ہجر سمجھے لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی۔ (بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۵۱)۔

اہلِ مدینہ کا قبولِ اسلام:

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغِ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلے میں آپ ﷺ کو چند خزرجی اشخاص ملے آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینۂ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اُٹھا البتہ ان کی تعداد اور اوّلیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے ان کی تعداد با اختلافِ روایت دو، چھ اور آٹھ ہے لیکن چھ کی روایت مرجح ہے اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو موسمِ حج میں بنو نجار کے کچھ آدمی ملے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو، انھوں نے اثبات میں جواب دیا آپ ﷺ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں اور وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ
حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ　　　حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

انصار رضی اللہ عنہ کی پہلی بیعت:

دوسرے سال موسمِ حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی، یہ بیعتِ جہاد نہ تھی بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا، یعنی شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور بہتان سے احتراز اور امر بالمعروف میں اطاعت، یہ لوگ جب بیعت کر کے واپس جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیمِ قرآن کے لیے ساتھ کر دیا یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے۔ (ابنِ سعد حصہ سیرۃ، صفحہ ۱۴۷)

انصار رضی اللہ عنہ کی دوسری بیعت:

تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے اور ان سبھوں نے بیعت کی مگر یہ بیعت آسان نہ تھی اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنانِ اسلام کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۳۳۷)

مدینہ کو عام ہجرت:

انصارؓ کی بیعت اور اذنِ ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی۔ (سیرۃِ ابنِ ہشام، جلد ا، صفحہ ۲۴۳) اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے ان کی فہرست بہت طویل ہے اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	محمد بن عبداللہ بن جحشؓ	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	**مستورات**
ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	کنانہ بن حصین رضی اللہ عنہ	زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا
عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	آنسہ رضی اللہ عنہ	ام حبیب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	ابو کبشہ رضی اللہ عنہ	جذامہ بنتِ جندل رضی اللہ عنہا
عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ	عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ	ام قیس بنتِ محصن رضی اللہ عنہا
اربد بن حمیرہ رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	ام حبیب بنتِ ثمامہ رضی اللہ عنہا
منقذ بن نباتہ رضی اللہ عنہ	خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	حصین بن حارث رضی اللہ عنہ	آمنہ بنتِ رقیش رضی اللہ عنہا
یزید بن رقیش رضی اللہ عنہ	سعید بن زید رضی اللہ عنہ	مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	سنجرہ بنتِ تمیم رضی اللہ عنہا
سعید بن رقیش رضی اللہ عنہ	عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	سویبط بن سعد رضی اللہ عنہ	حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا
محرز بن فضلہ رضی اللہ عنہ	واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	ام سلمہ رضی اللہ عنہا
قیس بن جابر رضی اللہ عنہ	خولی بن ابی خولی رضی اللہ عنہ	جناب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	
عمرو بن محصن رضی اللہ عنہ	مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہ	زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	
مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ	ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ	ابو سبرہ رضی اللہ عنہ	
صفوان بن عمرو رضی اللہ عنہ	عامر بن بکیر رضی اللہ عنہ	مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	
ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ	عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ	
ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ	خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ	سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ	
زبیر بن عبیدہ رضی اللہ عنہ	طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	
تمام بن عبیدہ رضی اللہ عنہ	صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	
سنجرہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ	حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ		

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے:

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہوگئی تھی تاہم ہجرتِ عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے اوّل یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجۂ ظلم میں اسیر تھے جب جب ان کی گلوخلاصی ہوتی گئی مدینہ آتے گئے دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لیے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر تھے اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لیے ضروری انتظامات کر

سکیں تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی حفاظت کر سکے جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے اور ان کا سب سے بڑا قلعہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔ اس لیے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا جب تک خانہ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہوگیا اور ہجرتِ عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے چناں چہ غزوۂ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا قابلِ ذکر اشخاص میں حضرت سعید بن عامرؓ بن خدیمؓ، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعیؓ آئے پھر عین غزوۂ خیبر کے موقعے پر مہاجرینِ حبش کا پورا قافلہ مدینہ آ گیا ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں پھر فتحِ مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی جن میں ذیل کے اشخاص قابلِ ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہ دوسیؓ، عبداللہ بن ابی اوفیؓ، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ، سلیمان بن صردؓ، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ **لا هجرة بعد الفتح الا جهادو نيه** (بخاری کتاب الجہاد باب التفسیر و ما یجیب من الجہاد) فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے کیوں کہ اب اسلام کو کل عرب میں امن و امان حاصل ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی۔

○○○

سادات کی ہجرت

اسلام میں سادات، یا ساداتِ کرام، وہ افراد ہیں جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ الزہرا علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کے بیٹوں حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں خاص طور پر ۶۸۰ء میں کربلا کے سانحے کے بعد سادات کو سیاسی اور مذہبی مظالم کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے وہ مختلف خطوں میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان ہی ہجرتوں کے نتیجے میں شیعہ مسلمانوں کے مختلف فرقے، جیسے امامیہ (اثنا عشریہ)، اسماعیلی اور بوہری وجود میں آئے، آج کی دنیا میں ان سب کی الگ الگ تاریخی اور ثقافتی پہچان ہے۔

ابتدائی ہجرتیں:

حضرت علی علیہ السلام کی مسجدِ کوفہ میں شہادت کے بعد بنو اُمیہ کے دورِ حکومت میں سادات حکمرانوں کے ظلم و جبر اور بے جا پابندیوں کی وجہ سے اپنے آبائی شہروں اور ممالک سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد عباسی خلفا نے ابتدا میں اہلِ بیت کے نام پر حکومت حاصل کی، لیکن جلد ہی وہی حکمران سادات کے دشمن بن گئے۔ ان مظالم کے باعث سادات نے عرب علاقوں سے فارس، وسط ایشیا، برِصغیر، یمن، اور مشرقی افریقا کی جانب ہجرت کی۔

فارس موجودہ ایران میں، خصوصاً بویہی اور صفوی دور میں، شیعہ اثنا عشری کو ریاستی

سرپرستی حاصل ہوئی۔ مگر سنی حکمرانوں کے ادوار، جیسے اموی، عباسی اور بعد میں عثمانی دور میں، سادات کو اکثر مظالم کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے ان کی ہجرتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

امامیہ (اثناعشریہ) سادات کی ہجرت:

امامیہ شیعہ وہ مسلمان ہیں جو بارہ آئمہؑ پر ایمان رکھتے ہیں امام مہدی عَلَیہِ السَّلام کے غیبت کبریٰ میں جانے کے بعد امامیہ سادات نے ایران، عراق اور پھر برصغیر کی طرف ہجرت کی تاکہ اپنے عقائد اور جانوں کو بچایا جا سکے اور اس خطے کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیا جا سکے۔

برِصغیر کی طرف ہجرت:

آٹھویں صدی سے سادات کی برِصغیر آمد شروع ہوئی۔ ان میں نیشاپور، ترمز، ہرات اور بخارا کے سادات شامل تھے، ان سے کچھ منگول حملوں سے بھی بچنے کے لیے آئے۔ میرے اجداد سیّد کمال الدین شاہ ترمذی شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ موجودہ ہندوستان کی ہریانہ ریاست میں کرنال اور پھر کیتھل تشریف لائے۔ پہلے پرتھوی راج کے فوجی دستوں سے زبردست جنگ کی۔ شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد یہاں اسلام کی تبلیغ کے لیے رہنے کو ترجیح دی۔ مغلیہ دور میں خاص طور پر اکبر اور شاہ جہان کے زمانے میں شیعہ سادات کو اعلیٰ عہدے اور سرپرستی حاصل ہوئی۔

لکھنؤ، اودھ، حیدرآباد اور کشمیر میں شیعہ سادات آباد ہوئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد:

۱۹۴۷ء میں قیامِ پاکستان کے وقت بہت سے امامیہ سادات نے لکھنؤ، دہلی، حیدرآباد، ہریانہ اور پنجاب سے ہجرت کر کے کراچی، حیدرآباد، میرپور میرس، لاہور، راول پنڈی، خانیوال، سرگودھا، گلگت بلتستان اور پاکستان کے دیگر شہروں میں سکونت اختیار کی۔ یہاں انھوں نے مذہبی ادارے، مدارس اور عزاداری کے مراکز قائم کیے۔

اسماعیلی سادات کی ہجرت:

اسماعیلی شیعہ فرقہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل کو امام مانتا ہے۔ اسماعیلی تاریخ ایک طرف فاطمی خلافت کے عروج سے جڑی ہے اور دوسری طرف مختلف تحریکوں اور ہجرتوں سے۔

فاطمی خلافت:

۹۰۹ء میں قائم ہونے والی فاطمی خلافت (مصر، شمالی افریقا) اسماعیلی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ قاہرہ میں جامعہ الازہر کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر بعد میں ایوبی اور عباسی حکمرانوں نے ان کا سختی سے قلع قمع کیا۔ فاطمی خلافت کے بعد اسماعیلی دو بڑے فرقوں میں بٹ گئے:

نزاری: (آغا خانی)، جن کے روحانی پیشوا آج بھی آغا خان ہیں۔

مستعلی: جن سے بوہری فرقہ وجود میں آیا۔

نزاری اسماعیلیوں نے حسن بن صباح کی قیادت میں ایران میں قلعہ الموت میں ایک مضبوط مرکز قائم کیا۔ منگولوں کے حملے کے بعد نزاری اسماعیلی ایران، شام اور ہندوستان کی طرف چلے گئے۔

ہندوستان کی طرف ہجرت:

انیسویں صدی میں ایران کے قاجار حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آ کر آغا خان اوّل نے برٹش انڈیا میں ہجرت کی اور بمبئی میں قیام کیا۔ یہاں گجرات کے خوجہ مسلمانوں کی اکثریت نے آغا خان کو اپنا روحانی پیشوا مانا۔ آج نزاری اسماعیلی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں پاکستان، انڈیا، کینیڈا، برطانیہ اور دیگر ممالک شامل ہیں۔

اہلِ بیت کی وسطی ایشیا، ایران اور برِصغیر آمد اور اس کے ان علاقوں کے معاشروں پر اثرات:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور واقعۂ کربلا (۶۸۰ء) کے بعد اہلِ بیتِ اطہار کو سخت سیاسی دباؤ اور ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجے میں اہلِ بیت کے افراد اور ان کی

اولاد اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں ہجرت پر مجبور ہوئے، جن میں ایران، وسطی ایشیا (خصوصاً خراسان، بخارا، ترمز، سمرقند) اور برِصغیر شامل ہیں۔

۱۔آمد اور قیام

واقعۂ کربلا کے بعد اہلِ بیت کے افراد نے عباسی اور اموی مظالم سے بچنے کے لیے مختلف علاقوں میں پناہ لی۔

ایران میں امام علی رضا علیہ السلام کی خراسان آمد ایک اہم واقعہ تھا، جہاں ان کے مزار نے بعد میں روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کی۔

وسطی ایشیا اور برِصغیر میں کئی سادات خاندان آباد ہوئے، جنھوں نے دینِ اسلام کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

۲۔ایران پر اثرات

صفوی سلطنت (سولھویں صدی) کے دور میں ایران نے اثنا عشری شیعہ مذہب کو ریاستی مذہب قرار دے دیا۔

مشہد میں امام رضا علیہ السلام کا مزار علم، روحانیت اور زیارت کا مرکز بنا۔

ایران کے معروف صوفی شعرا جیسے رومی، سعدی، حافظ کی شاعری میں اہلِ بیت سے محبت واضح نظر آتی ہے۔

۳۔وسطی ایشیا میں اثرات

بخارا، سمرقند اور خراسان جیسے شہروں میں اہلِ بیت کے سادات نے روحانی و تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔

انھوں نے صوفیا کے طور پر معاشرے کی اصلاح، تعلیم اور روحانی تربیت میں کردار ادا کیا۔

اسلامی تہذیب، اخلاقیات، اور علمی روایتوں کی مضبوطی میں ان کا اہم حصہ رہا۔

۴۔ برِصغیر میں اثرات

سادات نے سندھ، پنجاب، کشمیر، دکن اور اودھ جیسے علاقوں میں قیام کیا۔

ان کی آمد کے اثرات:

اسلام کا فروغ، خاص طور پر تصوف کے ذریعے جو اہلِ بیت سے محبت، رواداری اور اخلاق پر مبنی تھا۔

خانقاہوں اور مدارس کا قیام:

شیعہ مسلمانوں کی بنیاد، خصوصاً لکھنؤ، حیدرآباد اور ملتان جیسے شہروں میں۔

اہلِ بیت کے فضائل و مصائب پر مبنی شاعری، خاص طور پر میر انیس اور میرزا دبیر کی مرثیہ نگاری نے اسلامی ادب کو نیا رنگ دیا۔

۵۔ معاشرتی وثقافتی اثرات

معاشرت میں عدل، مساوات اور حریت کے اصول رائج کیے۔

تعلیمی و روحانی ادارے قائم کیے اور علم کی روشنی عام کی۔

فنِ تعمیر، خطاطی، اور شاعری میں نئی روح پھونکی، بالخصوص مزارات کی تعمیر اور زیارت کے کلچر کو فروغ دیا۔

نتیجہ

اہلِ بیت کی وسطی ایشیا، ایران اور برِصغیر میں آمد نے نہ صرف ان معاشروں کی مذہبی و روحانی فضا کو بدل دیا بلکہ ان میں ثقافتی ہم آہنگی، اخلاقی بیداری، اور عدل و انصاف کی روح بھی پھونکی۔ ان کی تعلیمات آج بھی لاکھوں افراد کے دلوں میں زندہ ہیں۔

مہاجرین رضی اللہ عنہم کی خصوصیات اور انعامات اسلام کی نظر میں

انسان کے لیے تھوڑے عرصے تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں ہے، کچھ دنوں کے لیے وہ مالی نقصان اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کرسکتا ہے بلکہ بعض حالات میں جان بھی دے سکتا ہے مگر جیتے جی ہمیشہ کے لیے گھر بار، عزیز واقارب، اہل وعیال اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلاوطنی کے مصائب برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سب سے بڑا ایثار، سب سے بڑی قربانی اورسب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور اپنے مال و جائیداد سب کو چھوڑ کر در بہ در ہوئے اور ایسے مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کیے جس کی مثال مذاہبِ عالم کے تاریخی صفحوں میں نہیں مل سکتی جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے تو ان کے جیب و دامن، مال و دولت کے زخارف سے خالی تھے کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، نہ غلہ تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت اور خدمتِ اسلام کی دولت سے معمور تھے اسی جذبے نے ان کو تمام خرافاتِ دینوی سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان کی اسی قربانی کو اللہ تعالیٰ نے بے حد پسند فرمایا اور قرآن مجید میں کئی

مقامات پر ان کے متعلق یوں ارشاد ہوا چناں چہ سورۃ حج اور حشر میں مہاجرینؓ کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ (سورۃ حج، پارہ ۱۷، آیات ۴۰، ۴۱)

ترجمہ: وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے گرا دیے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم ان کو حکومت دے کر زمین پر قادر کر دیں تو یہ نمازیں پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کے لیے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کے لیے ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً

وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِکَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۞

(سورۃ حشر، پارہ ۲۸، آیت ۸)

ترجمہ: (مالِ غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائیداد و دولت سے محروم کر دیے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہ ہیں راست باز لوگ۔

مہاجرین کی قربانیوں کے صلے میں دنیا اور آخرت کی سب سے گراں بانعمت ان کو عطا کی گئی، یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت درجات اور مراتب کے اعتبار سے وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے۔ چناں چہ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا۔

الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَاللّهِ وَأُوْلَئِکَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۞ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۞ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ۞

(سورۃ التوبہ، پارہ ۱۰، آیات ۲۰ تا ۲۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوش خبری دیتا ہے جن میں انکو دائمی آسائش ہے اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں لٹائے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لیے بلکہ

مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۞

(سورۃ التوبہ، پارہ ۱۱، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے خلوصِ قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کرائے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ رحمتِ الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے اس لیے مہاجرین ہمیشہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے تھے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ أُوْلَـئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّهِ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ (سورۃ البقرہ، پارہ ۲، آیت ۲۱۸)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس امیدِ رحمت کو اس طرح پورا کریں گے کہ ان کے تمام گناہوں سے درگزر ہوگا اور ان کی خطائیں ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دی جائیں گی۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ

فِیْ سَبِیْلِیْ وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ☼

(سورۃ العمران، پارہ۴، آیت ۱۹۵)

ترجمہ: پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم ان کی برائیوں کو مٹا دیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلے میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا اور آخرت میں بھی سرفراز فرمائے گا۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُواْ فِیْ اللّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُواْ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلأَجْرُ الآخِرَةِ أَکْبَرُ لَوْ کَانُواْ یَعْلَمُونَ ☼ (سورۃ نحل، پارہ۱۴، آیت ۴۱)

ترجمہ: اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے۔

مہاجرین نے راہِ خدا میں بے شمار مصائب اٹھائے جلاوطن ہوئے ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ اس طرح عنایت فرمایا۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُواْ مِن بَعْدِ مَا فُتِنُواْ ثُمَّ جَاهَدُواْ وَصَبَرُواْ إِنَّ رَبَّکَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِیْمٌ ☼ (سورۃ النحل، پارہ۱۴، آیت ۱۱۰)

ترجمہ:۔ پھر خدا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے

بعد گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور (ان کی تکلیفوں پر) صبر کیا بیشک تمھارا خدا (ان امتحانوں کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ الحج میں ایک موقعے پر اپنے انعام واکرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَيَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا‌ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ۞ لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا يَّرۡضَوۡنَهٗ

(سورۃ الحج، پارہ ۱۷، آیات ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: جن لوگوں نے خدا کی راہ میں ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا مر گئے، ان کو ضرور خدا اچھا رزق دے گا، بے شک خدا ہی روزی دینے والوں میں بہتر روزی دینے والا ہے، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے لوگ خوش ہو جائیں گے۔

تنگ دستی وعسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جاتی ہیں اور احباب کنارہ کش ہو جاتے ہیں، مہاجرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض میں ان پر اپنا یہ فضل کیا۔

قَدْ تَّابَ الله عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ۞

(سورۃ التوبہ، پارہ ۱۱، آیت ۱۱۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار پر اپنا فضل وکرم کیا جنھوں نے عسرت کی گھڑیوں میں نبی کا ساتھ دیا۔

خدا نے صرف اپنے فضل وکرم پر اکتفا نہ کیا بلکہ صاحبِ مقدور مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس کو موجبِ مغفرت قرار دیا۔

وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُوْلِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

(سورۃ النور، پارہ ۱۸، آیت ۲۲)

ترجمہ: تمھارے صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدور لوگ قرابت والوں اور محتاجوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی (مالی) مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالیں بلکہ چاہیے کہ ان کی خطائیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تمھاری مغفرت کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہجرتِ اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین میں امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہیں۔

فَلاَ تَتَّخِذُواْ مِنْهُمْ أَوْلِيَاء حَتَّى يُهَاجِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ ۞ (سورۃ النساء پارہ ۵، آیت ۸۹)

ترجمہ: جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ میں ہجرت نہ کر جائیں اس وقت تک ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔

مسلمانوں میں صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہیں جنھوں نے راہِ خدا میں گھر چھوڑے اور اس کے راستے میں جانی و مالی جہاد کیا یا جنھوں نے مہاجرین کی امداد کی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَـئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُواْ

وَلَمْ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلاَيَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا ۞ (سورۃ انفال، پارہ۱۰، آیت۷۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

وراثت کے لیے تنہا ایمان کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے ورنہ وارث مورث کی وراثت نہیں پا سکتا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں۔

ایمان کی پختگی کا دار و مدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۞

(سورۃ انفال پارہ۱۰، آیت۷۴)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور خدا کے راستے میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ:

قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے چناں چہ آنحضرت ﷺ ایک موقعے پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں۔

ترجمہ: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ (صحیح بخاری، باب بنیاں لکعبہ، باب ہجرتِ النبی)۔

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ مومنین کے لیے اس وقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لیے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری، باب بنیاں لکعبہ، باب ہجرتِ النبی)۔

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں جو اپنے ایمان واعتقاد میں نہایت سخت ہوں۔

ترجمہ: ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر ہجرت کے بارے میں سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے ہجرت بہت ہی سخت ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۵۵۳)

ہجرت کا ثمر نیت پر ہے۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے پس جس کی نیت ہجرتِ دنیا کے لیے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی تو یہ ان ہی چیزوں کے لیے ہوگی اور جو ہجرت اللہ و رسول کے لیے ہوگی اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا۔ (صحیح بخاری جلد ۱، باب ہجرتِ النبی وصحابہ الی المدینہ)۔

اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لیے نہ تھی بلکہ جس چیز کے لیے تھی اس کو خود حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خالصتاً وجہ اللہ ہجرت کی تھی اس لیے ہم اجر کے مستحق ہو گئے۔ (صحیح بخاری جلد ۱، باب

ہجرت النبی وصحابہ الی المدینہ)۔

چوں کہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصتاً وجہ اللہ چھوڑتے تھے اس لیے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے، حالت جازک ہوئی تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے آنحضرت ﷺ بھی اس کو ناپسند فرماتے تھی چناں چہ آپ خود بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میری عیادت کو مکہ تشریف لائے اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے جہاں سے ہجرت کی گئی ہو۔ (صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۳۸۳)

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت ﷺ سے دعائے صحت کی درخواست کی تا کہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے۔

ترجمہ: حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا اور آنحضرت ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے میں نے درخواست کی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے۔ (صحیح بخاری، جلد۱، صفحہ۳۸۳)

اس درخواست پر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

ترجمہ: خدایا میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا۔ (صحیح بخاری، باب ہجرۃ الحبشہ)۔ اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتے تھے چناں چہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرماتے تھے کہ **ھاجرت الھجرتین اوالتین** (صحیح بخاری، باب ہجرۃ الحبشہ)

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ طلوعِ آفتاب کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل ہو گا ہم لوگوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے فرمایا فقرا مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لیے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں یہ لوگ مختلف اقطاعِ عالم سے اٹھائے جائیں گے۔ (کنز العمال، جلد صفحہ ۱۳۳)

مہاجرین کے لیے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرہ کے لوگوں کو جانتے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا وہ فقرا، مہاجرین ہوں گے قیامت کے روز وہ جنت کے دروازے پر آ کر بابِ جنت کھلوانا چاہیں گے دربان سوال کریں گے کہ کیا تمھارا حساب ختم ہو چکا وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا خدا کے راستے میں ہماری تلواریں ہمارے زیبِ دوش رہیں اور اسی آن کے ساتھ جان دی اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے (کنز العمال، جلد، صفحہ ۱۳۳)

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے فاقہ پر فاقہ ہوتے مگر ان کی جاں فروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوۂ خندق کے موقعے پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے چناں چہ اسی موقعے پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت ﷺ نکلے تو یہ منظر دیکھا۔

رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کر دے اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی۔

ترجمہ: خدایا اصل عیش آخرت کی عیش ہے مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔ (صحیح بخاری، جلد۲، کتاب المغازی باب غزوہ خندق)

ان فضائل کے علاوہ مہاجرینؓ کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک وصاف تھا۔ اس لیے منافق وہ لوگ تھے جو درپردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے یا وہ تھے جو مال و دولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے اور مہاجرینؓ کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا اس لیے کہ جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا نہ اس کے پاس مال وزر تھا نہ قوت وحکومت تھی بلکہ اس زمانے میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا اس لیے ان کا اسلام خالصتاً اللہ تھا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے اس لیے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے اس لیے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس مدینہ میں انصارؓ کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال وزر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام نے صدمہ پہنچایا تھا وہ درپردہ تو ان کے مخالف تھے مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں میں کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چناں چہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگوں میں تھے اس لیے مکی سورتوں میں کہیں نفاق و منافقت کا تذکرہ نہیں ہے اور مدنی سورتوں میں اس کا بہ کثرت ذکر آتا ہے، سورۂ نساء، سورۂ توبہ، سورۂ انفال، سورۂ احزاب، سورۂ حدید اور سورۂ فتح مدنی سورتیں ہیں اور ان سب میں مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورۂ منافقوں مخصوص طور پر ان کی پردہ دری میں نازل ہوئی ہے سورۂ توبہ میں بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے۔

الأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْراً وَنِفَاقاً وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُواْ حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ

حَكِيمٌ ۞ وَمِنَ الأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَماً وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۞

ترجمہ: دیہاتی بدو کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور یہ اسی لائق ہیں کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے اس کے احکام کو نہ جانیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (سورۃ التوبہ، پارہ ۱۱، آیات ۹۷، ۹۸)

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقعے پر مدینہ کی بھی صراحت کردی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ۞

ترجمہ: اور مسلمانو! تمھارے آس پاس کے دیہاتیوں میں منافق ہیں اور خود مدینہ والوں میں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں ان کو تم نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں عنقریب ہم ان کو دُہرا عذاب دیں گے پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (سورۃ التوبہ، پارہ ۱۱، آیت ۱۱۰)

علامہ ابنِ تمیہ نے منہاج السنہ میں مہاجرینؓ کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''احمد بن حنبل اور دوسرے علما کہتے ہیں کہ مہاجرینؓ میں کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے قبیلوں میں ظاہر ہوا جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا اور اس میں اوس وخزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور

لڑنے پر قادر ہو گئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہو گئے اور اس کے قرب و جوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کے لیے اسلام لائے یہ لوگ منافق تھے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ۞

اسی لیے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے مکی سورتوں میں نہیں ہے کیوں کہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے ان میں کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال و دولت سے زیادہ محبوب تھا۔

○○○

برِصغیر کے نام ور علمائے کرام اور صوفیائے کرام کی ہجرتیں

اللہ تبارک تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی رہنمائی اور فلاح و بہبود کے لیے دنیا میں انبیا کرام کو بھیجا۔ ان انبیا کرام نے اپنے اپنے دور میں اللہ تعالیٰ کے واحدہٗ لاشریک ہونے اور مقصدِ تخلیقِ انسانی کو اجاگر کرنے کے لیے بے شمار صعوبتیں برداشت کیں۔ اللہ تعالیٰ نے چوں کہ نبی کریم ﷺ پر اپنا دین مکمل کر دیا۔ لہٰذا ملتِ اسلامیہ کی راہنمائی اور غیر مسلم حضرات کو دعوتِ راہِ حق دینے کی ذمہ داری ہمارے آئمہ کرام، اولیا کرام اور علمائے کرام نے نبی کریم ﷺ کی حدیث کی روشنی میں (جس کا مفہوم یوں ہے کہ میری امت کے علما انبیا کے وارث ہیں) اپنے ذمہ لے لیں۔ ان تمام بزرگ ہستیوں نے فلاحِ انسانی کے لیے بے شمار ہجرتیں کیں بعض نے حصولِ علم کے لیے کئی کئی عشرے دوسرے ممالک میں گزار دیے تو باقی نے اپنی پوری عمر فروغِ تعلیم اور تبلیغِ دین کے لیے صرف کر دی۔ ممکن ہے بعض لوگوں کی ان میں سے کچھ بزرگان کے ساتھ فروعی اختلاف ہو مگر حقیقت یہ ہی ہے کہ ان تمام بزرگانِ دین کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات اللہ کے بندوں تک پہنچانا اور ان کو راہنمائی فراہم کرنا تھا جو بلاشک و شبہ ایک عظیم کارنامہ ہے ہجرت کرنے والے تمام بزرگانِ دین کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں لہٰذا ان

میں سے چند کا ذکر اس لیے ضروری ہے تا کہ ہماری نوجوان اور آنے والی نسل کو معلوم ہو سکے کہ دنیا میں اسلام پھیلانے اور اس کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے ہمارے آئمہ کرام، اولیائے کرام اور علمائے کرام نے کس طرح اپنا شہر اور وطن چھوڑ کر خدمات انجام دیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ:

آپ کا اسم گرامی معین الدین حسن، القاب عطائے رسولؐ، غریب نواز۔ والد کی طرف سے آپ کا نسب شہید کربلا سیّدنا امام حسینؓ اور والدہ سے امام الہدیٰ سیّدنا حسن مجتبیٰؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی پیدائش سجستان میں (جسے سیستان بھی کہتے ہیں) سادات کے معزز گھرانے میں ہوئی۔ سات سال کی عمر تک آپ کی پرورش خراسان میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اپنے باغ کو سیراب کر رہے تھے۔ وقت کے مشہور مجذوب حضرت ابراہیم قندوزیؒ باغ میں تشریف لائے، حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے نہایت عزت و احترام سے انھیں بٹھایا اور اکرام کیا، خواجہ کے حسنِ سلوک سے ان کا دل خوش ہو گیا۔ انھوں نے اپنی ہتھیلی سے سوکھی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اسے چبا کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو پیش کیا۔ اسے کھاتے ہی دل کی حالت بدل گئی۔ آپ کے دل میں ولولہ عشق اور ذوقِ الٰہی پیدا ہو گیا۔ آ کر طلبِ حق کے لیے مسافرت اختیار کی، بخارا اور سمرقند میں علوم کی تکمیل کی۔ آپ کی زندگی کا بیشتر وقت سفر میں گزرا۔ اس درمیان میں کئی ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک قیام بھی ثابت ہے۔ روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے فرمان عالی کے بموجب حضرت خواجہ غریب نوازؒ لاہور سے براہ دہلی اجمیر شریف پہنچے، آپ کے چالیس درویشوں کی جماعت تھی۔ آپ کا مزار پرانوار بھارت کے شہر اجمیر میں واقع ہے۔

امام اوزاعیؒ:

امام عبدالرحمٰن اوزاعی ائمہ تبع تابعین میں بلند مقام رکھتے تھے۔ امام اوزاعی کا اسم گرامی عبدالرحمٰن اور کنیت ابوعمرو ہے فقیہ شام کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے تھے ان کے والد ماجد کا نام عمرو بن محمد تھا۔ امام اوزاعی کا تعلق ہندی اسیرانِ جنگ کے ایک خاندان سے تھا وہ ترکِ وطن

کر کے اوزاع میں سکونت پذیر ہوئے اور اوزاعی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ابوزرعہ کا یہ بیان اس اعتبار سے بہت وزن رکھتا ہے کہ وہ بھی دمشق کے باشندہ تھے اور ایک صدی قبل اوزاعی بھی اسی شہر میں رہتے تھے۔ غالباً اسی بنا پر محدث ومؤرخ ذہبی نے ابوزرعہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ اوزاعی کے ہندی نژاد ہونے کا ایک ثبوت ان کے دادا کے نام سے بھی ملتا ہے۔ ان کا نام یحمد تھا جو برہمدا یا برہمند کا مماثل معلوم ہوتا ہے۔ عربوں نے جب امیر المومنین حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہند پر حملہ کیا تو غالباً اس وقت یحمد کو جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا۔ امام اوزاعی دمشق کے رہنے والے تھے لیکن دراصل ہندی نژاد تھے ان کا تعلق موجودہ پاکستان کے صوبہ سندھ سے تھا۔ آپ کی قبر بیروت کی ایک مضافاتی بستی میں ہے جو بابِ بیروت پر واقع ہے۔

ابوموسیٰ اسرائیل بصریؒ:

ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری نزیل ہند دوسری صدی ہجری کے نام ور محدث اور ثقہ راوی تھے۔ انھیں تبع وتابعی ہونے کے علاوہ امام حسن بصریؒ کے شاگردِ رشید ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کا پورا نام ونسب یوں ہے، اسرائیل ابنِ موسیٰ بصری نزیل ہند اور کنیت ابوموسیٰ تھی۔ چوں کہ بصرہ سے نقلِ وطن کر کے سندھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے ''نزیل سندھ'' کہلائے۔ بعض مؤرخین نے ''نزیل ہند'' لکھا ہے۔ مولانا عبدالحئی حسنی ''نزہتہ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں کہ اسرائیل بن موسیٰ بن ابوموسیٰ بصری، نزیل ہند، تبع تابعین میں سے تھے۔ انھوں نے امام حسن بصری، ابوحازم اشجعی، محمد ابن سیرین اور وہب بن منبہ سے روایت کی اور ان سے امام سفیان ثوری، ابن عینیہ، حسین بن جعفی اور یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کی۔ روایتِ حدیث میں ان کے درجہ کے بارے میں صاحبِ نزہتہ الخواطر نے لکھا ہے کہ ناقدین میں سے ابوحاتم نے ان کی توثیق کی۔ امام بخاری نے ان کی ایک حدیث کو چار ابواب میں بیان کیا ہے۔ وہ طبقہ سادسہ میں سے ثقہ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ اسرائیل کو امام یحییٰ بن معین اور ابوحاتم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ نیز ابوحاتم نے انھیں ''لا باس بہ'' کہا ہے جس کا علم حدیث میں مطلب یہ ہے کہ یہ ثقہ راوی ہیں۔ امام نسائی نے بھی

ان کے بارے میں یہی لکھا ہے۔ ابنِ حیان نے ابو موسیٰ اسرائیل بصری کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ہندوستان جایا کرتے تھے۔ محدث ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری نزیل ہند نے ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

ربیع بن صبیح:

امام ربیع بن صبیح کا شمار دوسری صدی ہجری کے منفرد و ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ مؤرخین اور اہلِ علم نے اپنی کتبِ تاریخ و تذکرہ اور طبقات میں ربیع بن صبیح کا ذکر شان دار الفاظ میں کیا ہے اور علمِ حدیث بالخصوص جمع و تدوینِ حدیث کے باب میں ان کی قابلِ قدر خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ محدث ربیع کے والد کا نام مختلف طریقوں سے لکھا گیا ہے۔ ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ میں ان کا نام ابراہیم لکھا ہے۔ سیّد عبدالحیٔ حسنی نے ''نزہتہ الخواطر'' میں ان کے احوال طبقۂ ثانیہ میں بیان کیے ہیں اور ان کا تعارف ان شان دار الفاظ میں کرایا ہے۔ الربیع بن صبیح السعدی بصری ثم سندھی بصرہ کے باشندے تھے بڑے عابد و زاہد تھے سعد بن مناۃ قبیلہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ سیّد عبدالحیٔ حسنی نے ''نزہتہ الخواطر'' میں ''مغنی'' کے حوالے سے محدث ربیع بن صبیح کا سنِ وفات ۱۲۰ھ تحریر کیا ہے لیکن مقامِ وفات اور جائے مدفن کا ذکر نہیں کیا۔ طبقات ابنِ سعد نے بھی ان کا سنِ وفات ۱۲۰ھ ہی لکھا ہے لیکن ابنِ سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ ربیع سندھ کے قریب ایک جزیرہ میں مدفون ہوئے۔

ابو عطا مولٰی بنو اسد:

ابو عطا سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور علما اور ممتاز ترین شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ علوم عربیہ کے ماہر اور عربی زبان کے فاضل اجل تھے۔ انھوں نے عربی شعر و ادب میں شان دار اور نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ سیّد ابوظفر ندوی نے ''تاریخِ سندھ'' میں ابوعطا کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''ابو العطا سندی کا نام افلح بن یسار تھا، باپ بیٹے دونوں سندھ سے بنو اسد کے ذریعے غلاموں کے زمرہ میں کوفہ پہنچے۔ ابو العطا کو ادب اور شعر و

شاعری کا بڑا ذوق تھا چناں چہ اس نے اس میں کمال پیدا کیا۔"

ابومعشر سندھی:

امام ابومعشر کا پورا نام ابومعشر نجیح بن عبد الرحمٰن السندھی المدنی ہے۔ ابومعشر اپنے زمانے کے نام ور علما میں شمار ہوتے تھے۔ مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے سرزمینِ سندھ کے علاوہ مدینہ منورہ اور دارالخلافہ بغداد میں قابلِ قدر دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ مخدوم امیر احمد سابق پرنسپل اورینٹل کالج نے اپنے مضمون "سرزمینِ سندھ میں علمِ حدیث" مطبوعہ ماہنامہ "الرحیم" حیدرآباد، سندھ اشاعت جولائی ۱۹۶۳ء میں امام ابومعشر کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔ "ابومعشر حدیث کے مشہور راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے والد سندھ سے گرفتار ہوکر عرب پہنچے اور بنو ہاشم کے گھرانے کے غلام رہے۔ ابومعشر عرب میں پیدا ہوئے۔ غلامی کی حالت میں تحصیلِ علم کی اور ممتاز علما میں شمار ہونے لگے۔ آپ کی روایتیں حدیث کی مشہور کتابوں "صحاح ستہ میں سے ترمذی شریف میں موجود ہیں۔ مؤرخ طبری نے توریت اور انجیل سے متعلق تاریخ، نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور تاریخی وقائع کے بارے میں معلومات میں ابومعشر سندھی سے استفادہ کیا ہے۔ علامہ ابنِ الندیم اور حافظ ذہبی کے بیانات کے مطابق امام ابومعشر نے ماہِ رمضان ۱۷۰ھ میں دارالخلافہ بغداد میں وفات پائی۔ ابونعیم کی کتاب "حلیۃ الاولیا" کے مطابق صاحب المغازی حافظ حدیث ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی کی نمازِ جنازہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے پڑھائی اور انھیں دارالخلافہ بغداد کے مقبرہ کبیرہ میں دفن کیا گیا۔

محمد بن ابومعشر سندھی:

محمد بن ابومعشر سندھی اپنے زمانے کے بلند مرتبت علما اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا پورا نام محمد بن عبد الرحمٰن ابومعشر سندھی اور کنیت ابوعبدالملک ہے۔ مشہور محدث اور صاحب المغازی امام ابومعشر نجیح عبد الرحمٰن سندھی کے بیٹے ہیں۔ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی ولادت ہوئی اور اسی مبارک شہر میں انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مگر وہ زیادہ عرصے

تک مدینہ منورہ میں قیام نہ کر سکے۔ کیوں کہ انھیں اپنی نوجوانی ہی میں اپنے والد کے ساتھ دارالخلافہ بغداد جانا پڑا اس کی تفصیل حافظ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں دی ہے اور لکھا ہے کہ ۱۶۰ھ میں عباسی خلیفہ مہدی جب مکہ معظّمہ آیا تو ابومعشر کو ایک ہزار دینار پیش کیے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا اور انھیں دعوت دی کہ وہ بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لیں اور شہزادوں کو تعلیم دیں جب کہ حافظ ذہبی نے ''تذکرہ الحفاظ'' میں یہ لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی ان کو اپنے ساتھ عراق لے گئے۔

محمد بن ابی جعفر دیبلی:

محمد بن ابی جعفر چوتھی ہجری کے معروف محدث اور نام ور عالمِ دین تھے، سندھ کے مشہور شہر دیبل میں پیدا ہوئے، اس نسبت سے محمد بن ابی جعفر دیبلی کہلائے۔ ان کا پورا نام محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی مکی ہے اور ابوجعفر ان کی کنیت تھی۔ محمد بن ابی جعفر دیبلی نے علمِ حدیث کی تحصیل و تکمیل میں غیر معمولی ذوق وشوق اور محنت و جاں فشانی کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے علمِ حدیث میں درجہ کمال حاصل کرنے کے لیے دور دراز علاقوں کے سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور دنیائے اسلام کے بڑے اور اہم دینی و علمی مراکز میں قیام کر کے معروف وممتاز علما اور محدثین کے صحبت اختیار کی اور ان سے حدیث کا درس لینے کے علاوہ دیگر علم بھی سیکھے۔ محدث ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی نے مکہ مکرمہ میں ماہ جمادی الاوّل ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

صوفی جعفر خضداری:

صوفی جعفر خضداری اپنے زمانے کے نام ور محدث، معروف عالم، بلند پایہ فقیہ اور عارف باللہ تھے۔ ان کا پورا نام ونسب صوفی جعفر بن الخطاب خضداری اور کنیت ابومحمد ہے وہ اپنی کنیت ابومحمد سے مشہور ہوئے۔ صوفی ابومحمد جعفر بن الخطاب اسلامی دورِ حکومت کے اہم اور مشہور تجارتی شہر خضدار کے باشندے تھے۔ خضدار کو قزدار بھی کہا جاتا تھا مگر اب اس کا نام خضدر یا خضدار ہے جو پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں واقع ہے۔ صوفی ابومحمد جعفر بن الخطاب کے احوال بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اسحاق نے اپنی تحقیقی کتاب ''علمِ حدیث میں پاک و ہند کا

حصہ'' میں یہ لکھا ہے کہ جعفر معروف بہ ابو محمد، خضدار کے باشندہ تھے اور بلخ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہ فقیہ بھی تھے اور صوفی بھی۔ انھوں نے عبدالصمد بن محمد العاصی سے حدیث کا درس لیا تھا۔ محدث صوفی ابو محمد جعفر بن الخطاب خضداری نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ:

حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ کا شمار مشاہیرِ اسلام میں ہوتا ہے۔ انھوں نے برِعظیم پاکستان و ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں شان دار اور نا قابلِ فراموش کردار ادا کیا۔ آپ کی شہرۂ آفاق اور راہنما کتاب ''کشف المحجوب'' فی الحقیقت ایک ایمان افروز، دل گداز اور تاریخ ساز کتاب ثابت ہوئی۔ حضرت مخدوم کا اسمِ گرامی علی بن عثمان، کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے دو محلے تھے جہاں ان کی رہائش رہی، اس نسبت سے ہجویری اور جلابی اور وطن کی نسبت سے غزنوی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب امام حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا میں شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کے نام سے مشہور ہیں، جب کہ دنیائے اسلام کے دیگر ممالک بالخصوص ایران، عراق، شام، مصر، ترکی، حجاز اور وسط ایشیا کے ملکوں میں شیخ علی لاہوری کے نام نامی سے جانے جاتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے۔ ''خداوند بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانے میں پیدا کیا ہے جب لوگوں نے حرص اور لالچ کا نام شریعت اور تکبر و جاہ و اقتدار کی طلب کا نام عزت اور علم، ریا کاری کا نام خوفِ خدا اور کینہ پروری کا نام حلم، لڑائی جھگڑے کا نام بحث مباحثہ، ہذیان طبع کا نام معرفت، نفس پرستی کا نام محبت، راہِ راست سے انحراف اور بے دین ہونے کا نام فقر، حق تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فنا فی اللہ اور ترکِ شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔'' حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ نے ۴۶۹ھ میں وفات پائی۔ ہمارے نزدیک یہی سنِ وفات درست ہے، تاہم حضرت داتا گنج بخشؒ کے سنِ وفات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پروفیسر اینالڈ اے نکلسن نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ کتب تاریخ و تذکرہ میں ۴۶۵ھ ہی آپ کا سنِ وصال ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے شیخ ابو

القاسم قشیری کی وفات کے بعد، جو ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے، وفات پائی ہو۔ صاحبِ ''نزہتہ الخواطر'' کی تحقیق کے مطابق حضرت داتا گنج بخشؒ نے ماہ ربیع الاوّل ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ حدائق الحنفیہ میں بھی آپ کا سنِ وصال ۴۶۵ھ ہی درج ہے سنِ وصال کا مادہ ''جلوہ نور الصمد'' ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ کا مزار پر انوار لاہور میں مرجع خلائق و زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

بہاء الدین زکریا ملتانیؒ:

بہاء الدین زکریاؒ ۲۷ر رمضان المبارک ۵۶۶ھ کو کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم کوٹ کروڑ میں اپنے والد شیخ وجیہ الدین محمد غوث سے حاصل کی اور مولانا نصیر الدین بلخی کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیا۔ اور ساتوں قرائتوں کے ساتھ قرآن حکیم حفظ کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے اسلامی علوم وفنون کے مراکز کا رُخ کیا اور پندرہ سال تک مسلسل بخارا اور خراسان کے مختلف شہروں میں انتہائی ذوق وشوق اور محنت کے ساتھ مصروف تعلیم رہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۲ء کو واصل بحق ہوئے۔ مزار پُر انوار ملتان میں مرجع خلائق ہے۔

نور الدین محمد عوفی:

مولانا عوفی کا نام محمد اور لقب نور الدین اور دوسرا لقب سدید الدین ہے۔ عظیم المرتبت صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اولاد ہونے کی نسبت سے عوفی کہلائے۔ مولانا عوفی بخارا میں پیدا ہوئے اور اپنی ابتدائی تعلیم وتربیت بھی اپنے آبائی شہر میں حاصل کی۔ کئی سالوں تک مختلف ممالک میں گھومنے پھرنے کے بعد سندھ پہنچے اور ناصر الدین قباچہ کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ بعد ازاں التمش کے دربار میں بھی رہے۔

شمس الدین خوارزمی:

مولانا شمس الدین خوارزمی کا شمار برِصغیر کی ممتاز دینی وعلمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ

ساتویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فتنۂ مغول کے باعث اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ علما فقہا اور اساتذہ میں سر برآوردہ روزگار اور اپنے عہد کے ممتاز صوفی بزرگ تھے۔ ۶۰۶ھ میں جب سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲۔۶۰۷ھ) سلطنت دہلی کو مضبوط و مستحکم کرنے میں مصروف تھا مولانا شمس الدین خوارزم میں پیدا ہوئے۔ کتب تاریخ وتذکرہ کے اندرجات سے یہ امر ظاہر وثابت ہے کہ برِصغیر پاکستان و ہند میں وارد ہونے کے بعد مولانا شمس الدین نے دارالسلطنت دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور وہیں وعظ و ارشاد اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا شمس الدین خوارزمی کا علم وتقویٰ اور فضل وکمال کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن بھی مولانا خوارزمی نے علم وفضل کا قائل اور ان کی روحانی شخصیت کا بہت مداح تھا۔ چناں چہ سلطان نے مولانا کے علمی کمالات اور شخصی خصوصیات کے پیشِ نظر انھیں شمس الدین کا خطاب عطا کر کے اپنی سلطنت کا مستوفی مما لک یعنی محتسب اعلیٰ بنا دیا۔ مولانا شمس الدین خوارزمی کے جب یہ اعزاز اور عہدہ ملا تو اس زمانے کے ممتاز ترین شاعر تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

شما کنوں بکال دل دوستان شدی
مستوفی ممالک ہندوستان شدی

ترجمہ: اے شمس! اب آپ دوستوں کی دلی خواہش کے مطابق بلا دِند کی
سربراہ مقرر ہو گئے ہیں۔

مولانا شمس الدین خوارزمی اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے اور اپنی مذاقی اور لطافتِ طبع کے لیے بھی مشہور تھے۔ عارف باللہ، استاذ الاساتذہ، صدرالافضل، یگانہ عصر، شمس الملک مستوفی مما لک مولانا شمس الدین خوارزمی نے ۶۷۹ھ میں وفات پائی۔

برہان الدین بلخی:

مولانا برہان الدین بلخی اپنے عہد کے بلند پایہ محدث اور جلیل القدر فقیہ تھے۔ انھوں نے شہرۂ آفاق آئمہ فقہا اور نام ور محدثین سے اکتساب علم کیا۔ ان کا پورا نام مولانا برہان الدین محمود

بلخی ہے ان کے والدِ ماجد کا اسم گرامی شیخ ابوالخیر اسعد بلخی ہے۔ مولانا برہان الدین بلخ میں پیدا ہوئے اس لیے بلخی کہلائے۔ مولانا برہان الدین بلخی کی شہرت سلطنت دہلی کے ابتدائی دور کے سب سے بڑے عالم کی حیثیت سے ایک عرصے تک قائم رہی۔ ڈاکٹر محمد اسحاق نے مولانا برہان الدین محمود کا سنِ وفات ۶۷۶ھ تحقیق کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ انھوں نے ۶۸۷ھ میں وفات پائی۔ ''محدث فہیم'' تاریخِ وفات ہے۔ دہلی میں ان کا مزار حوض شمسی کے کنارے ایک پُر فضا مقام پر واقع ہے۔

خواجہ محمد گیسو دراز:

حضرت خواجہ محمد گیسو دراز برِصغیر پاکستان و ہند کے اکابر علما و مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی اصلاح و تربیت کے باب میں شان دار اور نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ سیّد محمد گیسو دراز ۷۲۱ھ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی وفات سے چار سال پیشتر بہ مقام دہلی پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے تھے کہ والدین کے ہم راہ دولت آباد چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنے والد اور دادا سے علوم متداولہ کی تحصیل کا آغاز کیا اور پھر سولہ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور ایک بھائی حسین بن یوسف کے ہم راہ دہلی میں وارد ہوئے۔ خواجہ محمد گیسو دراز نے اس زمانے کے معروف و ممتاز اساتذہ و علما جن میں مولانا سیّد شرف الدین کیتھلی، مولانا تاج الدین المقدم اور فقیہ دوراں علامہ قاضی عبدالمقتدر الکندی خاص طور قابلِ ذکر ہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ شمالی ہندوستان کے مقبول سلسلوں (چشتیہ اور سہروردیہ) کے مشہور بزرگوں میں سب سے پہلے جس ہستی نے تصنیف و تالیف کی طرف پوری توجہ کی وہ حضرت گیسو دراز تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد آپ کی عمر کے سنین کے مطابق ایک سو پانچ بتائی جاتی ہے۔ حضرت گیسو دراز نے ۸۲۵ھ/ ۱۴۲۲ء میں وفات پائی اور آپ گلبرگہ میں دفن ہوئے جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے اور اس شہر کی شہرت کا سبب بھی ہے۔

شہاب الدین دولت آبادی:

قاضی شیخ شہاب الدین حنفی دولت آبادی کا شمار برِعظیم پاکستان و ہند کے نام ورعلما وفقہا میں ہوتا ہے ان کوقوم شیخ، لقب، ملک العلما اورآبائی وطن غزنی تھا۔قاضی صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کی تصنیفات میں سے اک ''شرح کافیہ'' ہے جو لطافت ومتانت میں بے بدل اور ان کی زندگی ہی میں مشہور عالم ہوگئی تھی۔ دوسری کتاب ''ارشاد'' جونحو میں لطیف و بے نظیر ہے۔ تیسری کتاب ''بدیع البیان'' جوعلمِ بلاغت میں لاثانی ہے۔ چوتھی تفسیر قرآن ''بحر مواج'' ہے، پانچویں ''شرح اصول بزدوی تا بحث امر'' چھٹی ایک رسالہ ''تقسیم علوم'' میں، ساتویں ایک رسالہ ''تقسیم صنائع'' میں، آٹھویں ایک رسالہ ''مناقب سادات'' نویں قصیدہ ''بانت سعاد'' علاوہ ازیں انھوں نے متعدد کتب و رسائل تصنیف کیے، قاضی شہاب الدین کی ''الارشاد'' یا ''ارشاد النحو'' ایک نصابی کتاب ہے اور بعض علما کے نزدیک یہ ابنِ حاجب کی مشہور تصنیف ''کافیہ'' پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ ملک العلما شیخ شہاب الدین دولت آبادی ثم جونپوری نے ۸۴۸ھ میں وفات پائی اور جونپور میں مدفون ہوئے۔ ''صدر نشین انجمن'' تاریخ وفات ہے۔

علی متقی جونپوریؒ:

شیخ علی متقی جونپوری کا شمار برِصغیر پاکستان و ہند کی معروف وممتاز دینی وروحانی شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ متبحر عالم، بلند پایہ محدث، جلیل القدر فقیہ اور بے مثال مفسر قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ مقام صوفی اور عارف باللہ بھی تھے۔ ان کا نام ونسب یوں ہے۔ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان متقی جونپوری۔ شیخ علی متقی جونپوری حنفی المذہب تھے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ سے روحانی نسبت رکھتے تھے۔ علاء الدین بن حسام الدین متقی برہان پوری محدث کبیر اس دور کے علما کے واسطۃ العقد تھے۔ شریعت وطریقت میں تربیت پانے کے بعد ملتان پہنچے اور شیخ حسام الدین متقی ملتانی سے ''تفسیر بیضادی'' اور ''عین العم'' پڑھی۔ وہاں سے حجاز گئے۔ علی متقی جونپوری نے ۲/ جمادی الاوّل ۹۷۵ء کو وفات پائی اور مکہ مکرمہ میں جبل کے کنارے واقع جنت المعلیٰ میں حضرت فضل بن عباسؓ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

خواجہ محمد باقی باللہ:

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ ۵/ذی الحجہ ۹۷۱ھ، ۱۵/جولائی ۱۵۶۴ء کو بہ مقام کابل پیدا ہوئے۔ اسم مبارک محمد اور لقب رضی الدین تھا۔ لیکن زیادہ تر باقی باللہ، محمد باقی باللہ اور عبدالباقی کے نام سے دنیائے اسلام میں مشہور ہیں۔ آپ نے عنفوانِ شباب میں ہی کشمیر جا کر شیخ بابا ولی سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ اس طرح سنبھل، لودھیانہ، گڑھ مکتسر، سرہند اور دہلی میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بالآخر شیخ قطب العالم کے مشف کے مطابق بخارا پہنچے اور ماوراء النہر کی معروف وممتاز روحانی شخصیت مولانا خواجگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند روز کی صحبت کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مولانا خواجگی نے نقشبندی سلسلے میں تعلیم دی اور برِصغیر واپسی کا حکم دیا۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نے چالیس برس کی عمر میں ۲۶/ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ ۳۰/دسمبر ۱۶۰۳ء کو وفات پائی۔ ''فخرِ اسلام'' تاریخ وفات ہے۔ حضرت خواجہ کا مزار دہلی میں زیارت گاہِ عام ہے۔

میر معصوم بھکری:

میر معصوم بھکری کا شمار مغلیہ عہد کے نام ور امرا اور قابلِ قدر علما میں ہوتا ہے۔ وہ انتہائی نیک و پارسا، بہادر وشجاع اور صاحب جود وسخا انسان تھے۔ انھوں نے اپنی غیر معمولی فہم و فراست، مضبوط قوتِ ارادی، اور حسنِ کارکردگی کی بدولت بہت جلد ترقی کے مراحل طے کیے اور مغل حکمرانوں کا تقرب و اعتبار حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ میر معصوم کے آباؤ اجداد کا تعلق ترمذ کے مشہور سادات خاندان سے تھا۔ ان کے مورثِ اعلیٰ ترمذ سے ہجرت کر کے قندھار میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اپنے آبائی شہر بھکر کے عوام الناس تک کو دارالسلطنت آگرہ سے تحفے بھیجتے تھے۔ صاحبِ فضل وکمال اکبری عہد کے نامو مؤرخ اور قادر الکلام شاعر امین الملک میر معصوم نامی بھکری نے ۱۰۱۵ھ۔۱۶۰۶ء میں وفات پائی اور سکھر میں دریائے سندھ کے قریب واقع اس نادرِ زمانہ گنبد میں دفن ہوئے جو ''میر معصوم بھکری کا گنبد'' کے نام سے مشہور ہے۔

عیسیٰ جنداللہ:

شیخ عیسیٰ جنداللہ کا شمار گیارھویں صدی ہجری کے ممتاز علما اور اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے علاوہ درس و تدریس اور لوگوں کی اخلاقی و روحانی اصلاح و تربیت کے باب میں شان دار اور قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ ان کا نام و نسب یوں ہے۔ اسم گرامی عیسیٰ ہے۔ مسیح الاولیا اور جنداللہ ان کے القاب ہیں والد ماجد کا نام قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن معروف بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندھی الہندی ہے شیخ عیسیٰ جنداللہ کے آباؤ واجداد ''پات'' کے رہنے والے تھے جو تعلقہ سیہون میں ایک مشہور قصبہ ہے جسے شیخ عیسیٰ کے آباؤ اجداد نے آباد کیا تھا۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے ''تذکرہ صوفیائے سندھ'' میں شیخ عیسیٰ کے احوال و آثار بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''شیخ عیسیٰ ان اولیائے کرام میں سے تھے جو سندھ سے ہجرت کر کے برہان پور آباد ہو گئے تھے۔'' مسیح الاولیا شیخ عیسیٰ جنداللہ قادری شطاری نے ۱۴ر شوال ۱۰۳۱ء کو برہان پور میں وفات پائی اور اپنے حجرۂ عبادت میں مدفون ہوئے۔ عبدالرحیم خان خاناں نے ان کے مزار پر گنبد تعمیر کرایا۔

مرزا غیاث بیگ:

مرزا غیاث بیگ طہرانی مغلیہ عہد کے امرائے سلطنت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے ان کا شمار اکابر علما اور ممتاز اساتذہ میں کیا جاتا تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے علمی مرتبہ و مقام کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب ''جہانگیر نامہ'' کی پہلی دو جلدیں مرتب ہوئیں تو ان کے ملاحظے کے بعد ایک پہلی جلد مرزا غیاث بیگ کو پیش کی گئی صاحبِ علم و فضل ہونے کے علاوہ بڑے خوش اخلاق اور پسندیدہ اطوار کے مالک تھے۔ اپنی خوش گفتاری، نرم مزاجی، نرم روی اور نیک نفسی کیلئے بہت مشہور تھے۔ مرزا غیاث بیگ ایرانی نژاد تھے اور شیعہ مسلک رکھتے تھے ان کے والد کا نام خواجہ محمد شریف تھا جو ہجری تخلص کرتے تھے اور ایران کے حکمران شاہ طہماسپ صفوی کے وزیر تھے۔ انھوں نے ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں وفات پائی اور دو بیٹے یعنی آقا محمد طاہر جو وصلی تخلص کرتے تھے اور مرزا غیاث الدین محمد جو غیاث بیگ کے نام سے مشہور تھے

اور مرزا علاء الدولہ آقا ملا کی بیٹی سے منسوب تھے اپنی نشانی چھوڑے۔ غیاث بیگ اپنے والد کی رحلت کے بعد گردشِ زمانہ کا شکار ہو کر نقلِ وطن پر مجبور ہوئے اور بڑے مشکل حالات میں مغل فرمانروا اکبر کے عہد میں برِصغیر میں وارد ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ راستے میں تمام سامان لٹ گیا اور یہ حالت ہوئی کہ صرف دو سواریاں رہ گئیں جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب قندھار پہنچے تو دوسری بیٹی مہر النساء پیدا ہوئی۔ یہ مہر النساء وہی ہے جو بڑی ہو کر پہلے شیر افگن کی بیوی بنی اور شیر افگن کی افسوس ناک موت کے بعد شہنشاہ جہانگیر کے نکاح میں آ کر اس کی چہیتی بیوی بنی اور نور جہاں کے نام سے ملکہ ہندوستان کہلائی۔ مرزا غیاث بیگ کا مقبرہ آگرہ میں ملکہ نور جہاں نے تعمیر کرایا۔

حضرت میاں میر لاہوری:

حضرت کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد میر جب کہ بعض مؤرخین نے میر محمد اور عرف ''میاں میر'' اور ''شاہ میر'' لکھا ہے۔ لوگ احتراماً ''میاں جیو'' اور ''بالا پیر'' کہا کرتے تھے ''میاں'' کا لفظ ''صاحب'' اور ''جیو'' عزت و تعظیم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء میں ٹھٹھہ کے تاریخی شہر کے قریب واقع قصبہ ''سیوستان'' جسے بعض مؤرخین نے ''سہوان'' بھی لکھا ہے میں پیدا ہوئے۔ عارف کامل، فاضلِ اجل اور عالمِ بے بدل حضرت شیخ میاں میر صاحب نے ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۳ء میں وفات پائی۔ مرقدِ منور غیاث پور میں ہے۔ جو غلہ منڈی عالم گنج لاہور چھاؤنی کے قریب واقع ہے۔

شکر اللہ شیرازی:

ملا شکر اللہ شیرازی مغلیہ عہد کی معروف شخصیات میں سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر اور فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ دولت و امارت بھی عطا فرمائی تھی۔ دینی علوم میں کامل دست گاہ اور علمِ فلکیات، ہندسہ اور ریاضی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بہادر و شجاع سپاہی، کامیاب سپہ سالار، لائق و فائق منتظم، مدبر سیاست دان اور فرض شناس منصب دار تھے۔ ملا شکر اللہ ایران کے مشہور اور خوب صورت شہر شیراز میں

پیدا ہوئے اور وہیں انھوں نے تعلیم وتربیت حاصل کی اور پھر اپنی قسمت آزمانے کے لیے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں سمندری راستے سے سورت کی بندرگاہ پہنچے اور وہاں سے برہانپور میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ چوں کہ صاحبِ فضل وکمال اور ذہانت و فراست و دیانت میں یکتا تھے اور بڑی بڑی مہمات سر کی تھیں۔ ملاشکر اللہ شیرازی نے ۱۲ر رمضان ۱۰۴۸ھ۔ ۷رجنوری ۱۶۳۹ء کو وفات پائی۔ ان کی تاریخ وفات ''زخوبی بردگوئے نیک نامی'' سے نکالی گئی ہے۔ مقبرہ آگرہ میں ہے اور چینی روضہ کے نام سے مشہور ہے۔

محمد اسلم ہروی:

قاضی محمد اسلم ہروی لاہوری کا شمار مغلیہ عہد کی معروف وممتاز دینی وعلمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے دو مغل بادشاہوں یعنی نورالدین جہانگیر اور شاہ جہان کے عہدِ حکومت میں بہ حیثیت قاضی لشکر اور قاضی کابل قابلِ قدر خدمات انجام دیں ہر دو بادشاہ ارا کینِ سلطنت اور عوام وخواص قاضی اسلم کو ان کے فضل وکمال، امانت و دیانت اور تقویٰ و فرض شناسی کی بدولت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

قاضی محمد اسلم کا تعلق ہرات کے ایک بااثر علمی خاندان سے تھا۔ وہ مولانا خواجہ کوہی کی اولاد میں سے تھے۔ خواجہ کوہی کے نواسے مولانا میر کلاں اپنے زمانے کے بلند پایہ عالمِ دین تھے اور میر کلاں محدث کے نام سے مشہور تھے۔

مغل شہنشاہ اکبر میر کلاں محدث کا معتقد تھا اکبر نے ان کو جہانگیر کا استاد مقرر کیا تھا۔ جہانگیر کو تعلیم دینے کے علاوہ میر کلاں محدث نے اور بے شمار لوگوں کو دینی علوم بالخصوص علمِ حدیث کی تعلیم دی۔ آگرہ میں ان کا انتقال ہوا اور وہ آگرہ ہی میں مدفون ہوئے۔

دانش مند خان:

دانش مند خان کا شمار عہدِ مغلیہ کے اکابر امرا اور مشہور علما وفضلاء میں ہوتا ہے۔ مولانا دانش مند ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ وہ علوم متداولہ بالخصوص حدیث، فقہ اور تفسیر کے علاوہ فلکیات اور ہندسہ اور منطق وکلام کے ماہر اور بلند پایہ مناظر، انتہائی نیک نیت، نیک

خصلت، مخلص و متدین اور درویش منش انسان تھے۔ دانش مند خان کا نام ملا شفیعائی یزدی تھا۔ وہ ایران کے رہنے والے تھے اور روزگار کی تلاش میں برِصغیر میں آئے تھے کہ ان کے علم و فضل اور اعلیٰ خصوصیات کی شہرت مغل فرماں روا شاہ جہاں تک پہنچی جو خود بھی عالم و فاضل اور علم دوست حکمران ہونے کے علاوہ علما کا قدردان بھی تھا۔ چناں چہ شاہ جہاں نے انھیں اپنے پاس بلوا کر شاہی دربار سے منسلک کر لیا۔ فخرِ روزگار علامہ دوراں دانش مند خان نے ۱۰؍ ربیع الاوّل ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۸؍ جولائی ۱۶۷۰ کو وفات پائی۔ اور آگرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی:

آپ کا اسمِ گرامی طیغور عیسیٰ ہے اور لقب سلطان العارفین۔ آپ کا شجرۂ نسب کچھ یوں ہے طیغور عیسیٰ بن آدم بن ثروسان۔ آپ کے جدِ امجد آتش پرست تھے اور بسطام کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے آخری عمر میں اسلام قبول کیا۔ خواجہ بایزید بسطامی نے اپنی زندگی میں ایک سو تیرہ مشائخ سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ ان میں امام جعفر صادقؒ، ابو حفصؒ، یحییٰ معاذ رازیؒ اور شفیق بلخیؒ کے اسمائے گرامی قابلِ قدر ہیں۔ جب آپ مدرسے جانے لگے تو ایک دن سورۂ لقمان پڑھتے آپ اس آیت پر پہنچے:

ترجمہ: ''میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر کرو۔''

اس آیت کا آپ پر اتنا اثر ہوا کہ استاد سے اجازت لے کر والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والدہ نے آنے کا سبب پوچھا تو آپ نے مذکورہ بالا آیت سناتے ہوئے عرض کیا کہ میرا دل اس سے بہت متأثر ہوا ہے اور یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ دونوں جگہ کی خدمت ادا کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ یا تو خدا کے حوالے کر دیجیے یا اپنے پاس رکھ لیجیے۔ والدہ نے فرمایا میں اپنا حق معاف کرتی ہوں اور تمھیں خدمتِ خدا کے لیے چھوڑتی ہوں۔ اس کے بعد آپ بسطام سے چلے گئے اور تیس سال تک جنگلوں میں عبادت کرتے رہے۔ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا کہ بایزیدؒ! وہ کتاب طاق سے اٹھا لاؤ۔ پوچھا، حضرت کون سا طاق۔ امام صاحب نے فرمایا تم اتنے عرصہ سے یہاں رہ رہے ہو اور ابھی

تک طاق کا پتا نہیں؟ عرض کیا جب سے یہاں آیا ہوں آپ کے ادب واحترام کی وجہ سے میں نے سر اٹھا کر یہاں کی کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو واپس بسطام چلے جاؤ تمھارا کام ختم ہو چکا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں اللہ تعالیٰ کی جستجو میں مصروف رہا لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ خود اللہ مجھے ڈھونڈ رہا ہے اور میں اس کا مطلوب تھا۔ تیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو تین بار وضو کرتا ہوں۔ آپ کی وفات ۲۶۱ ہجری ۸۷۴ء میں ۵/شعبان کو ہوئی لیکن مولانا جامیؒ نے آپ کی تاریخِ وفات ۲۳۴ ہجری ''طبقات'' سے نقل کی ہے۔ آپ کا مزار بسطام میں ہے۔

سیّد کمال الدین ترمزی عابدی:

سیّد کمال الدین ترمذی امام زین العابدین کے سب سے چھوٹے بیٹے سیّد حسین اصغر کی اولاد سے تھے۔ حسین اصغر اپنے بڑے بھائی حضرت زید شہید کے ساتھ اس جہاد کے حصہ رہے جو حضرت زید شہید نے قاتلانِ حسین اور کربلا میں ظلم کرنے والوں کے خلاف شروع کیا تھا۔ حسین اصغر حضرت زید سے کافی چھوٹے تھے بعض لوگ ان کو حضرت زید کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس لیے بعض کتابوں میں سیّد کمال الدین ترمذی کو زیدی لکھا گیا ہے۔ سیّد حسین اصغر کا مزار ایران میں آج بھی چاہنے والوں کے لیے فیض جاری کر رہا ہے۔

سیّد کمال الدین ترمذی ازبکستان کے شہر ترمذ سے ہندوستان تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں تشریف لائے اور ہریانہ کے مشہور شہر کرنال کے پاس کیتھل میں اس وقت کے راجا کو اسلام کی دعوت دی۔ راجا نے شروع میں مخالفت کی مگر آپ کو تبلیغ سے نہ روکا۔ جب یہاں کی رعایا میر سیّد کمال الدین کی تعلیمات اور کردار سے متاثر ہو کر تیزی سے اسلام قبول کرنے لگی تو بعد میں راجا نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ راجا کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس کے بہ غرض امرا ناخوش ہوئے اور انھوں نے راجا کو قید میں ڈال کر میر سیّد کمال الدین ترمذی کے آستانے پر لشکر کشی کر دی۔ میر سیّد کمال الدین ترمذی اور ان کے بیٹے بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کا مزار آج بھی کیتھل میں موجود ہے۔ سیّد کمال الدین ترمذی کی شہادت کے بعد آپ کی اولاد نے

تبلیغِ اسلام کے مشن کو برِصغیر میں زندہ رکھا آپ کی اولاد کے ایک اور بہادر سپوت میر سیّد غیاث الدین نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جانسی کی رانی کے چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے انگریزوں کے خلاف ایک بڑی جنگ لڑی اور اسی میں شہید ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کی اولاد پاکستان منتقل ہو گئے جن میں سے کچھ میانوالی، سرگودھا، سلانوالی، خانیوال، کہڑور پکا اور شاہ پور شہر میں آباد ہوئے۔ میرے دادا سیّد امتیاز الدین شاہ ترمذی جو انگریز کے دور میں پانی پت کے ایس ایچ او رہے (جن کو اس دور میں داروغہ صاحب کہتے تھے) اپنے خاندان کے ساتھ شاہ پور شہر میں آباد ہوئے میرے والد سیّد اعجاز الدین شاہ ترمذی اور دادا امتیاز الدین شاہ ترمذی مزار شاہ محمد شاہ شیرازی کے قریب شاہ پور شہر ضلع سرگودھا میں مدفون ہیں اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے۔

میر سیّد غیاث الدین ترمذی:

مسلمانوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک برِصغیر پاک و ہند پر حکومت کی۔ اس دوران انھوں نے نہ صرف تمام مذاہب کو مذہبی آزادی بلکہ عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے بھی بے شمار کام انجام دیے۔ اس کے برعکس انگریز سرکار برِصغیر کے عوام کو غلاموں سے بھی بدتر سمجھتی تھی یہی وجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے پوری جاں فشانی سے حصہ لیا۔

جنگِ آزادی کے نمایاں کرداروں میں جھانسی کی رانی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس رانی کی بہادری، انتظامی صلاحیت اور جنگجویانہ صلاحیتوں کے تمام انگریز مؤرخ قائل تھے اور دشمن ہونے کے باوجود اس کا نام احترام سے لیتے تھے۔ جھانسی کی رانی مہاراشٹر کی برہمن فیملی میں ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئی۔ اس کا پیدائشی نام مانیکرنیکا تھا جھانسی کے راجا گنگا دراؤ سے اس کی شادی ۱۸۴۲ء میں ہوئی اور شادی کے بعد راجا نے اسے لکشمی بائی کا نام دیا۔ لکشمی بائی نے ۱۸۵۱ء میں ایک بیٹے کو جنم دیا جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا کوئی اور اولاد نہ ہونے کی وجہ سے راجا گنگا دھر راؤ نے اپنے خاندان کے ایک انند راؤ نامی بچے کو متبنّیٰ بیٹا بنا لیا۔ ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کو

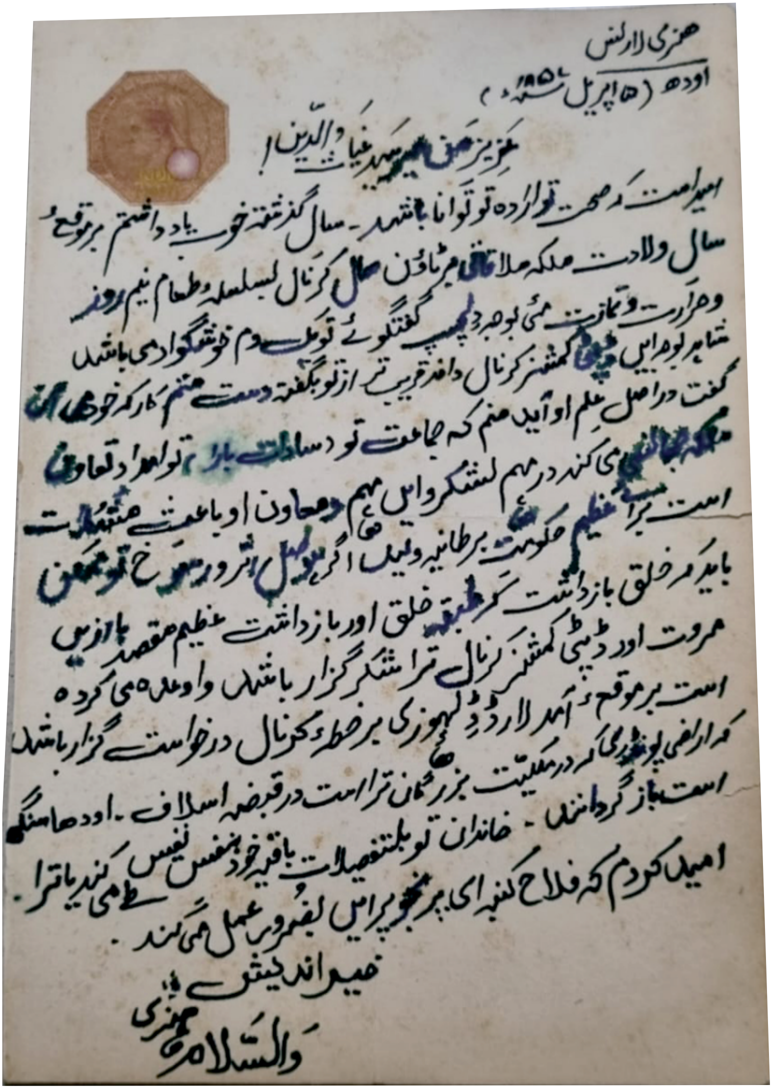
راجا اچانک بیمار ہوا اور دنیا سے چل بسا۔ اس وقت کی انگریز سرکار نے اس کی ریاست کو ہڑپ کرنے کا یہ موقع غنیمت سمجھا اور لارڈ ڈلہوزی وائسرائے ہند نے جھانسی کی ریاست ضبط کر کے ملکہ لکشمی کی پانچ ہزار روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی (۱۸۵۷ء اور آج از احمد سلیم)۔ رانی اس ناانصافی پر تڑپ اٹھی اور اس نے انگریزوں کی ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اس کی جنگ بالآخر ہندوستان کی آزادی کی جنگ ثابت ہوگی۔ اب رانی نے ہندوستان کے آزادی پسند انقلابی راہنماؤں سے رابطے کیے ان میں راجا تانتیا توپے اور اپنے مرحوم شوہر کے دوست ریٹائر پولیس آفیسر میر سیّد غیاث الدین (عابدی) ترمذی قابلِ ذکر ہیں۔ میر سیّد غیاث الدین ترمذی حضرت زین العابدینؑ کی اولاد میں سے تھے اور ان کے بزرگ سیّد کمال الدین ترمذی نے محمود غزنوی کے دہلی پر حملے کے دوران ترمذ (موجودہ ازبکستان کے شہر) سے تشریف لا کر کیتھل ضلع کرنال میں تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا تھا (Imperial Gezetteer of India Vol-XV Page-51)۔ اسی خاندان کے ایک اور بزرگ میر شمس الدین ترمذی امیر تیمور کے وزرا میں شامل رہے اور ان کو پونڈری کی جاگیر عطا کی گئی تھی (تاریخِ ہندوستان مصنف مولوی محمد ذکا اللہ دہلوی جلد دوم صفحہ ۷۰) پونڈری کی اس جاگیر پر ۱۷۶۱ میں بھائی ویسا سنگھ نامی سکھ سردار کی فوج نے زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ (تذکرہ رؤسائے پنجاب از سر لیپل ایچ گرفین۔ کرنل میسی صفحہ ۱۴۱)۔ ۱۸۵۶ء میں میر غیاث الدین ترمذی نے ضلع کرنال سے بہت سے جوانوں کی جن میں اکثریت سیّد نوجوانوں کی تھی۔ رانی لکشمی کی فوج کے لیے بھرتی کیا اور بندھیل کھنڈ کے پہاڑوں میں ان کو ذاتی طور پر جنگی تربیت دینا شروع کی۔ یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سال تک بالکل خفیہ طور پر چلتا رہا۔ آخر ۱۸۵۷ء کے شروع میں انگریزوں کو اس تیاری کی ادھوری سی معلومات موصول ہوئیں ان معلومات کو کنفرم کروانے کے لیے اور میر غیاث الدین کو رانی لکشمی بائی کی مدد سے باز رکھنے کے لیے ڈپٹی کمشنر کرنال نے میر غیاث الدین کے پرانے دوست ہنری لارنس (کمشنر اودھ) سے مدد مانگی ہنری لارنس نے ایک خط کے ذریعے میر غیاث الدین کو جھانسی کی ملکہ کی مدد سے باز رہنے کے بدلے میں ان کو ان کے آباؤ اجداد کی پونڈری والی زمین جو ۱۷۶۱ء میں بھائی ویسا سنگھ نے چھین لی تھی مگر بعد میں انگریزوں نے اودھا

سنگھ کی وفات کے بعد اپنے قبضہ میں لے لی تھی واپس دلانے کا لالچ بھی دیا۔ میر غیاث الدین نے اس خط کا جواب نہ دیا اور بندھیل کنڈ کے پہاڑوں میں اپنے ساتھیوں سمیت روپوش ہو کر اپنی تیاری مزید تیز کر دی اسی دوران ہنری لارنس لکھنؤ پر انقلاب پسندوں کے حملے کے نتیجے میں ۴/ جولائی ۱۸۵۷ء کو قتل ہو گئے اور ان کی جانب سے مزید رابطے کے مواقع ختم ہو گئے۔

۲۳/ مارچ ۱۸۵۸ء کو جنرل سر ہف کی قیادت میں انگریزوں کی بہت بڑی فوج نے جھانسی پر حملہ کر دیا اور نو دن تک مجاہدین اور انگریزوں کے درمیان خونریز جنگ جاری رہی۔ اس دوران میر غیاث الدین کئی مرتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جھانسی کے قلعہ سے باہر نکلے اور چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے انگریزوں کو کافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ نو دن کے محاصرے کے بعد چند لوگوں کی غداری کی وجہ سے انگریزوں نے قلعہ کے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا۔ میر غیاث الدین کے قریبی ساتھی اور بہادر سردار خدا بخش اور غلام غوث اس معرکے میں شہید ہو گئے (۱۸۵۷ء اور آج از احمد سلیم)۔ ملکہ لکشمی بائی اپنے وفادار ساتھیوں (جن میں میر غیاث الدین بھی شامل تھے) کے ساتھ اپنے متبنّیٰ بیٹے کو پیٹھ پر باندھ کر رات کے اندھیرے میں قلعے سے نکل کر کھڑی ہوئی اور دو رات اور ایک دن کی مسافت گھوڑے کی پشت پر طے کر کے ۱۱۰/ میل دور کالپی (Calpi) پہنچ گئی یہاں اس نے اپنے لوگوں کو دوبارہ منظّم کر کے نئی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد انگریز فوج بریگیڈیئر وہٹ لاک کی قیادت میں کالپی سے چالیس میل کے فاصلے پر پہنچ گئی۔ یہاں بھی کئی روز تک انگریزوں اور مجاہدین میں شدید جنگ جاری رہی۔ مجاہدین نے خوب شجاعت کا مظاہرہ کیا مگر انگریزی فوج کے اعلیٰ ساز و سامان اور کثیر تعداد کی وجہ سے شکست کھائی اس دوران میر غیاث الدین نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے رانی لکشمی بائی بھاگ کر گوالیار میں ایک اور جنگجو تانتیا توپے سے جا ملی۔ انگریز فوج ملکہ جھانسی کا تعاقب کرتے ہوئے گوالیار جا پہنچے انگریزوں نے گوالیار پر بھی حملہ کر دیا۔ ۱۷/ جون ۱۸۵۸ء کو ملکہ جھانسی گولی لگنے سے جان بحق ہو گئی ایک دوسری روایت کے مطابق ملکہ زخمی ہونے کے بعد خود سے ستی ہو گئی اس طرح انگریزوں کو ایک جانباز، نڈر اور اعلیٰ فوج صلاحیتوں سے مالا مال ایک آزادی پسند دشمن سے

ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی۔ میر غیاث الدین کے پڑپوتے میر سیّد امتیاز الدین ترمذی جو تقسیمِ ہند کے وقت پانی پت میں پولیس آفیسر تھے اور انھوں نے مجاہدین کی ٹرین پر قتل و غارت کرنے والے سکھوں پر گولی چلانے کا حکم دیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے سکھوں نے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا اور ان کے نوجوان بیٹے میر ایاز الدین کو تین منزلہ گھر کی چھت سے نیچے گلی میں پھینک کر شہید کر دیا اور ان کا تمام سامان لوٹ کر لے گئے۔ میر امتیاز الدین ترمذی قیامِ پاکستان کے بعد اپنے لٹے پٹے خاندان کے ساتھ سرگودھا (شاہ پور) پہنچے اور یہیں پر وفات پائی۔ میر سیّد امتیاز الدین کے دو بیٹے تھے۔ بڑے میر سیّد اعجاز الدین اور چھوٹے میر سیّد ریاض الدین (سیّد سرفراد حسین) تھے۔ میر سیّد اعجاز الدین میرے والد صاحب تھے۔

○○○



هنری لارنس
اودھ (۱۵ اپریل ۱۸۵۵ء)

عزیز من میر سید غیاث الدین!

امید است در صحت و توانائی تو توانا باشید۔ سال گذشتہ خوب یاد داشتم بر موقع
سال ولادت ملکہ ملاقاتی مرتاؤن صاحب کرنال بسلسلہ طعام نیم روز
و حرارت و تمازت می بوجہ دلچسپ گفتگوئے تو مطلب دم خوشگوار می باشد
شاہر بود این ڈپٹی کمشنر کرنال را فرد قریب تر از تو بگفتہ دست منم کار کر خود می این
گفت در اصل علم او آید منم کہ جماعت تو ز سادات بارہ تو اعوا د تعاون
ملکہ جانثاری می کنند در مہم لشکر و این مہم معاون او باعث مستحقات
است برا عظیم حکومت برطانیہ و میل اگر مویل اثر و رسوخ تو ممکن
باید مر خلق باز داشت کہ طبقہ خلق او در باز داشت عظیم مقصد بازیں
مروت او در ڈپٹی کمشنر کرنال ترا شکر گزار باشد و وعدہ می کردہ
است بر موقع آمد لارڈ ڈلہوزی بر خطہ کرنال درخواست گزار باشد
کہ اراضی پونڈری کہ در ملکیت بزرگان ترا است در قبضہ اسلاف اودھا سنگی
است باز گردانند۔ خاندان تو بلتفصیلات باقیہ خود بنفس نفیس
امید کردم کہ فلاح کنبہ ای بر تجویز این بضرور عمل می کنند
سطے می کند یا ترا۔

خیر اندیش
والسلام
هنری

کمشنر اودھ ہنری لارنس کا خط میر سیّد غیاث الدین کے نام۔

Henry Lawrence, Oudh
5th April 1857

Dear Mir Syaid Ghias-ud-Din,

Hope you will be quite fine. I remember that last year on the birthday party of her majesty, the queen in Town Hall Karnal. Our meeting remained very cordial inspite of the scorching heat of May. That is why The Deputy Commissioner Karnal thinks that I am closer to you and asked me to discuss with you that your organization (Saddat Bara) is helpnig Queen of Jhansi in training of Army which is harmful for the Government of Great Britain. The Deputy Commissioner desires that you may use your influence and ask your comments for not doing the same. He has promised that on the arrival of Lord Dilhozy in Karnal he will request him that land of your ancesstors located in Pundary and snatched by elders of Odha Singh will be returned to you. The details may be settled personally by him I hope that you will consider this advice in the better interest of your family.

Your's Henary

هنری لارنس

اودھ

۱۵ اپریل ۱۸۵۷

مائی ڈیر میر سید غیاث الدین!

امید ہے آپ کی صحت اور احوال توانا ہوگا۔ مجھے پچھلے سال ملکہ کی سالگرہ کے سلسلے میں ٹاؤن ہال کرنال میں منعقدہ شام کے کھانے پر آپ کی ملاقات خوب یاد ہے۔ مئی کی گرمی آپ کی دلچسپ گفتگو کے باعث ایک دم خوشگوار ہوگئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے ڈپٹی کمشنر کرنال مجھے آپکے زیادہ قریب سمجھتا ہے۔ اور مجھے ایک ایسا کام بتایا ہے جو وہ خود بھی آپ سے کہہ سکتا تھا۔ اصل میں اس کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کی جماعت (سادات بارہ) جھانسی کی رانی کو فوج کی تیاری میں مدد دے رہی ہے۔ جو حکومت عظیم برطانیہ کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ اگر آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اپنے طبقے کے لوگوں کو اس سے روک سکیں تو ڈپٹی کمشنر کرنال نہ صرف آپ کا شکر گزار ہوگا بلکہ اس نے وعدہ بھی کیا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی کرنال آمد پر اس سے درخواست کرے گا کہ آپ کے بزرگوں کی پونڈری والی اراضی جو اودھا سنگھ کے بڑوں نے چھین لی تھی آپ کے خاندان کو واپس دے دی جائے۔ باقی تفصیلات وہ خود آپ سے طے کرے گا مجھے امید ہے آپ اپنے خاندن کی بھلائی کیلئے اس تجویز پر غور ضرور کریں گے۔

خیر اندیش

ھنری

Lt Col 9/12/08
AAG 1 Corps

ھنری لارنس کے خط کا اردو اور انگریزی ترجمہ

کشمیر میں سادات کی آمد

برِصغیر میں اسلام کی آمد اوراس کے تیزی سے پھیلنے میں سادات نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔سب سے پہلے حضرت بابا بلبل شاہ کہ تاریخوں میں شاہ بلبل اور شاہ بلاول بھی ان کو لکھا گیا ہے کشمیر میں اشاعتِ اسلام کی غرض سے آئے۔ یہ واقعہ ۷۲۵ ہجری کا ہے ۷۲۷ ہجری میں آپ سری نگر ہی میں وفات پا گئے۔کشمیر میں سب سے پہلی مسجد آپ ہی نے تعمیر کرائی۔ جو عرصے تک ضبطِ سرکار رہنے کے بعد ۱۹۳۱ء میں واگزار ہوئی ہے۔محلّہ میل لنگر میں آپ کا مزار ہے۔آپ کے بعد دوسرے بزرگ سیّد جو کشمیر میں وارد ہوئے۔ وہ سیّد سمنانی تھے جن کا مزار کولگام میں ہے۔سب سے بڑی تعداد سادات کرام کی حضرت امیر کبیر سیّد علی ثانی عرف حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ بہ عہدِ سلطان قطب الدین ۷۸۱ ہجری میں وارد ہوئی۔ ہمدان وسمنان کے علاوہ کشمیر میں ممالک ذیل کے سادات بھی تشریف لائے اور آخر وہ کشمیر ہی کی خاک میں دفن ہو گئے۔ سیستان، خراسان، خوارزم، مدینہ، کرمان، ختلان، مکہ، کاسان، (نزد مورالنہر) شیراز، سرخاب (متصل تبریز) بغداد، روم، شام، اندراب، ترکستان، بخارا، بلخ، تم (ایران)، بیہق، ہرات، بصرہ وغیرہ وغیرہ۔سادات دوارکی، سیّد داؤد دوارکی اور سادات ہمدانیہ جو پیرزادہ بھی کہلاتے ہیں۔حضرت امیر کبیر علی ہمدانی کے برادرزادہ سیّد تاج الدین اوران کے قرابت داروں کی اولاد سے ہیں۔

سادات منطقی و بیہقی:

اس سلسلے کو بزرگ حق شناس سیّد حسین منطقی سے نسبت پیوست ہے۔ آپ شہر بیہق ملک خراسان سے سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کے عہد میں اپنے وطنِ قدیم سے کشمیر میں رونق بخش ہوئے۔ چوں کہ علمِ منطق میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا اس لیے نہ صرف آپ بلکہ آپ کی اولاد بھی منطقی ہی کہلائی جانے لگی

سادات اندرابیہ:

حضرت سیّدنا امام حسین علیہ السلام جگر گوشہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی چودھویں پشت میں سیّد مسلم نام کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جنھوں نے بعض وجوہات سے سرزمین حجاز کو خیر باد کہہ کر اندراب کا رُخ کیا جو کابل اور بلخ کے درمیان ایک مشہور قصبہ ہے۔ سیّد مسلم کی اولاد نو پشت تک اندراب میں رہی۔ دسویں پشت سے سیّد احمد اندرابی جو سیادت پناہ امیر کبیر حضرت میر سیّد علی ہمدانی کے خواہرزادے تھے حضرت کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے کشمیر میں تشریف لائے۔

ساداتِ نقشبندیہ:

نقشبندیہ خاندان کشمیر میں دو ہیں۔ ایک خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی عطاری ہیں۔ جہانگیر کے عہد میں ہندوستان اور کشمیر میں تشریف لائے۔ ان کے بانی حضرت خواجہ عبد الرحیم نقشبندی احراری المعروف بہ شیخ کمان ہیں جو محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ میں کشمیر میں تشریف لائے تھے۔

○○○

قیامِ پاکستان کی تحریکیں

چند سال بیشتر ۲۳/ مارچ کی حسین صبح کو کچھ طلبا نے (جو میرے بیٹے کے ہم جماعت تھے) مجھ سے فرمائش کی کہ میں قراردادِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے پس منظر اور مقاصد پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میرے لیے یہ بات باعثِ صد مسرت تھی کہ آج کے نوجوان اپنے ملک کی تاریخ میں بہت زیادہ دل چسپی لے رہے تھے۔ میں اس طویل نشست کے دوران جو گفتگو کی اس کا لب لِباب یوں ہے:

اس سے پہلے کہ میں قراردادِ پاکستان کے مقاصد پر روشنی ڈالوں ہم سب اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں خوب صورت نظاروں اور قدرتی وسائل سے مالا مال ایک آزاد ملک نصیب فرمایا۔ اس موقع پر میں تحریکِ پاکستان کے کارکنان کے لیے یہ شعر پڑھنا چاہوں گا:

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

اس کا مطلب ہے کہ ہمیں آج سب سے پہلے اپنے محسنوں کو یاد کر کے تحریکِ پاکستان کے تمام کارکنوں کے لیے عموماً اور علامہ اقبالؒ، قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ، چوہدری خلیق الزماں اور مولانا ظفر علی خان کے لیے خصوصاً دعائے مغفرت کرنی چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے

درجات بلند فرمائیں۔ جنھوں نے سخت جدوجہد کے بعد ہمارے لیے آزاد ملک کا حصول ممکن بنایا۔ دعائے مغفرت کے بعد میں قراردادِ پاکستان کا پس منظر بیان کرنا چاہوں گا۔

پس منظر:

بہ قول قائدِاعظم پاکستان اسی دن معرضِ وجود میں آ گیا تھا جب برِصغیر پاک و ہند کے کسی بھی شخص نے سب سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا اس طرح یہ بیان اپنی وقعت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے نہایت اہم ہے کیوں کہ جب پاک و ہند کے پہلے ہندو نے اسلام قبول کرلیا تو اس کا رشتہ اس کے پرانے ہندو مذہب سے یکسر کٹ گیا تھا اور وہ ایک دوسرے دین یعنی اسلام کا ایک باعزت فرد بن گیا تھا۔ اسی شخص نے جب اپنے رہن سہن بود و باش، تعلیماتِ اسلامی، رسم و رواج، عبادات اور اقدار وضوابط کو ہندوؤں سے جداگانہ اور مختلف پایا تو اسے یہ احساس ہونے لگ کہ وہ اب اپنی اس سابقہ جاتی کا فرد نہیں رہا۔ اسی پس منظر میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (جو دسمبر ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں منعقد ہوا) کی صدارت کرتے ہوئے حضرت علامہ اقبالؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ ''ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان کی سیاست، ثقافت، تمدن، معاشرت، سب الگ الگ ہیں۔ ان میں ہم آہنگی پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے برِعظیم پاک و ہند کے مسائل کا راست حل یہی ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک جداگانہ اور علاحدہ مملکت ہو۔ اسی اجلاس میں قائدِاعظم محمد علی جناحؒ نے مسلمانوں کی منزلِ مقصود کے بارے میں فرمایا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری منزلِ مقصود کون سی ہے؟ اس سوال کا جواب نہایت واضح ہے کہ ہم برطانیہ کو اور گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے یعنی ہم خودمختار آزادی چاہتے ہیں۔

قراردادِ پاکستان:

مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس ۲۲/ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) لاہور میں پورے جوش و خروش سے شروع ہوا۔ پنڈال کو رنگین جھنڈیوں اور علامہ اقبالؒ کے اشعار سے خوب سجایا گیا تھا۔ اجلاس میں قائدِاعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر کے دوران

حاضرین سے کہا، ''اسلام کے خادم بن کر میدان میں آئے۔ لوگوں کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی طور پر منظّم کیجیے۔ اگلے روز بھی ۲۳؍ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان کھلا جلسہ جو اس کا ستائیسواں سالانہ اجلاس تھا منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں حاضرین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ بنگال کے وزیرِ اعلیٰ شیر بنگال مولوی فضل الحق نے قرار داد برائے منظوری پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت فیڈ ریشن کی جو اسکیم پیش کی گئی ہے، وہ موجودہ صورتِ حال میں نا قابلِ عمل ہونے کے باعث مسلمانانِ ہند کے لیے قطعی طور پر نا قابلِ قبول ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تاریخی قرارداد نواب زادہ لیاقت علی خان نے پیش کی تھی، جو بھی صورت جو بہر حال سب سے پہلے اس قرار داد کی تائید و حمایت چودھری خلیق الزماں نے کی۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں میں مولانا ظفر علی خاں، سردار اورنگزیب خاں، حاجی سر عبداللہ ہارون، نواب اسماعیل خاں، قاضی محمد عیسیٰ اور آئی آئی چندریگر نے اپنی اپنی حمایت کا اعلان کیا۔

حاصلِ قرارداد:

اس قرار داد کا مقصد ایک خود مختار اور آزاد ملک کا قیام تھا جہاں مسلمان اور دیگر اقلیتیں اپنے اپنے عقائد کے مطابق ایک بھرپور زندگی گزار سکیں اور الحمدللہ ہمارے بزرگوں نے بے شمار قربانیوں اور اَن تھک جدوجہد کے بعد ہمارے لیے ایک خوب صورت اور عظیم ملک حاصل کر لیا۔ اس ملک میں قدرت کی عطا کردہ بے شمار نعمتیں ہیں۔ زراعت اور بجلی پیدا کرنے کے لیے دریاؤں کی شکل میں ڈھیر سارا پانی، قدرتی معدنیات، تیل، گیس، شیر دل جوان، محبت کے پیکر بوڑھے اور دنیا بھر سے تجارت کے لیے گرم پانی والا سمندر۔ ہم پروردگار کا جس قدر بھی شکر ادا کریں وہ اس کی عطا کردہ نعمت کے مقابلے میں کم ہوگا۔ دورانِ گفتگو اچانک ایک نوجوان نے سوال کیا انکل اس ملک کا مستقبل کیا ہے؟ میں نے کہا انشاء اللہ نہایت شان دار۔ اگر آپ کی موجودہ نسل اسی طرح خلوصِ نیت کے ساتھ علم حاصل کر کے محنت کرتی رہی تو بہت جلد یہ ملک ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا ہوگا اور یوں اس روز کی محفل برخواست ہوگئی۔ جاتے ہوئے

جوانوں کے چہرے سے سکون اور اعتماد جھلک رہا تھا جو میرے لیے نہایت تقویت کا باعث تھا۔

موجودہ حالات اور مستقبل:

دو روز پہلے میرے بیٹے کے ایک دوست کا فون آیا۔ نوجوان بہت پریشان لگ رہا تھا بولا، انکل آپ تو کہہ رہے تھے کہ پاکستان کا مستقبل نہایت تاب ناک ہے مگر لا اینڈ آرڈر کی ابتری کے ساتھ ساتھ سرمایہ کار بھاگ رہے ہیں اور ملک میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ میں نے اسے جواب دیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آج ہم پھر بے شمار مسائل اور دیکھے اَن دیکھے دشمنوں میں گھرے ہوئے مگر میں اب بھی کہوں گا کہ پاکستان کا مستقبل نہایت شان دار ہے۔ مشکل وقت قوموں پر آتے رہتے ہیں یہ بے چینی، مسائل وقتی ہیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو آنے والے سنہرے مستقبل کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ ایسے میں علامہ اقبالؒ کا یہ شعر یاد رکھنا چاہیے:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرائے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

میرا آج کے تمام جوانوں کے لیے بھی یہی پیغام ہے کہ اپنے اندر اعتماد کو بحال رکھیں، آپس میں محبتیں بانٹیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنوں سے ناراض نہ ہوں اور تفرقہ نہ ڈالیں، مذہبی، دنیاوی، فنی اور سائنسی علوم حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور ثابت قدم رہیں پاکستان انشاء اللہ خوب ترقی کرے گا۔ ہمارے آنے والی نسلیں، ہمارے وسائل (Potential) اور اپنی محنت کی وجہ سے خود کہیں گی کہ پاکستان اللہ تبارک تعالیٰ کا ایک بیش قیمت تحفہ ہے اور ایسا ملک کرۂ ارض پر اور کوئی نہیں:

نہیں اقبالؔ ناامید اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقیؔ

○○○

آزادی اور مسلمان مہاجرین کی قربانیاں

۱۹۴۷ء میں قائدِاعظم اور ان کے ساتھیوں کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان بننے کے اعلان سے پہلے ہی ہندو اور سکھ ملی بھگت کر کے مسلمانوں کے قتلِ عام کی پوری پوری تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ سکھوں نے ''اکال سینا'' کے نام سے ایک بڑی رضا کار فوج تیار کی۔ سکھوں کی ریاستوں پٹیالہ، نابھہ، کپورتھلہ اور فرید کوٹ وغیرہ میں دھڑا دھڑ اسلحہ سازی کا کام شروع ہو گیا اور اسے پنجاب کے کونے کونے میں سکھوں میں تقسیم کیا گیا اس کے علاوہ مہاراجا پٹیالہ نے ۱۹۴۶ء میں اعلان کیا کہ ریاستی ذخائر سے بھاری تعداد میں اسلحہ چوری ہو گیا ہے حقیقت میں یہ ایک سوچی سمجھی سکیم تھی کیوں کہ ہتھیار خفیہ رضا کاروں میں تقسیم کر دیے گئے تھے اور اشارہ ملتے ہی مسلمانوں کو قتل کرنے کی سکیم بنالی گئی تھی اس کام میں ماسٹر تارا سنگھ، سردار سورن سنگھ، ایشر سنگھ، مجھیل، جھتیدار موہن سنگھ اور اودھم سنگھ ناگو کے نے خاص سرگرمیاں دکھائیں۔ دوسری طرف ہندوؤں کے خفیہ رضا کار فوجی ''راشٹریہ سیوا یام سیوک سنگھ'' ایک عرصے سے خفیہ فوجی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی اور ہتھیار جمع کر رہے تھے اور لڑنے کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ آخری تیاریوں کے سلسلے میں ان کے گردشری کول والکر نے نومبر ۱۹۴۶ء کے دوران پنجاب کا خفیہ دورہ کیا۔ وہ دورے کے دوران ہوشیار پور بھی آئے بند کمروں میں اعلیٰ رضا کار لیڈروں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جنگ کے نقشوں پر غور کیا گیا۔ مسلم آبادیوں کی تباہی کے لیے آخری احکامات جاری کیے گئے اور خون کی ندیاں بہانے کے لیے مزید ہتھیار تقسیم

کیے گئے۔ اس کے بعد پانچ سیوک سنگھی مسلمانوں کا روپ دھار کر بڑے بڑے شہروں میں مسلم لیگ اور نیشنل گارڈ کے دفتروں میں گئے اور اپنے آپ کو سالار اعلیٰ مسلم نیشنل گارڈ پنجاب کی طرف سے بھیجے گئے خفیہ نمائندے ظاہر کر کے ہندوؤں اور سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف بڑی تیاریوں کا سرسری ذکر کر کے مسلمانوں کے جوابی حملے کی سکیموں پر صلاح ومشورہ کرتے رہے اور ہر جگہ بہت سے ہتھیار جلد مسلم نیشنل گارڈ کو بھجوانے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ یہ ہندو جاسوس اس بہانے ہر شہر کے مسلمانوں کے پاس ہتھیاروں کا جائزہ لینے آئے تھے۔ ان پانچ اشخاص میں تین ہندو پٹھان تھے۔ یہ اس لیے کہ پٹھانوں کو تو فوراً مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور ہوا بھی ایسا ہی کسی کو ان پر شبہ نہ ہوا اور یہ لوگ اپنے مقصد میں بہت کامیاب رہے۔ جنوری ۱۹۴۷ء تک پنجاب میں تقریباً پچاس ہزار ہندو سیوک سنگھی کیل کانٹے سے لیس مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کرنے کے لیے آخری حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ ہندو سیوک سنگھی اور سکھوں کی اکال سینا کے رضا کاروں کے درمیان تال میل اور رابطہ کی ہدایات ہندو کانگرس کے ایک بڑے ستون اور اس وقت مرکزی حکومت ہند کے وزیرِ داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل بنفسِ نفیس خود کر رہے تھے۔ فروری ۱۹۴۷ء میں سردار پٹیل کی طرف سے کانگریس کے ایک اور مشہور لیڈر دیوان چمن لال ایک خفیہ خط دہلی سے لے کر لاہور پہنچے۔ اس خط کی آخری ہدایات سنا دی گئیں۔

پنجاب میں ایک عرصے سے خفیہ خضر وزارت بننے کے بعد کھلم کھلا مسلمانوں کے قتلِ عام کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مگر مسلمانوں کا غدار خضر حیات خان اور اس کے ساتھ دوسرے اہم وزیر سر مظفر علی قزلباش وغیرہ انگریز اور ہندو کو خوش رکھنے کے لئے مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کے لیے اپنی اپنی کرسی پر مست تھے۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جو بیانات جاری ہو رہے تھے ان میں سکھوں کی اکال سینا اور ہندوؤں کی راشٹریہ سیوک سنگھ کے مسلمانوں کے خلاف خطرناک عزائم کو اجاگر کرنے کی مطلق کوئی کوشش نہ کی گئی اور مسلم عوام کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ نہ کیا گیا اور محض انگریز کے قانون کے اندر رہتے ہوئے قانونی ذرائع سے پرامن طور طریقے سے پاکستان کے حصول کی تلقین کی جاتی رہی۔ ادھر ہندوؤں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمان گھرانوں میں طرح طرح کے وظیفے وضائف کا کثرت سے ورد ہونا شروع ہو گیا اور ان علاقوں میں جن کا پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونا ابھی غیر یقینی تھا وہاں عام مسلمانوں

نے ان علاقوں میں شامل کرانے کے لیے مسجدوں میں کئی قسم کے وظیفے شروع کر دیے۔

۱۶/اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ نے انگریزوں سے ناراضگی کے طور پر ''یومِ راست اقدام'' منایا تھا۔ اس اقدام کی وجہ کی تفصیلات ''کابینہ منصوبہ'' کے باب میں درج ہیں۔ اس دن ہندوؤں نے کلکتہ میں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ بیشتر مسلمان مرد جب احتجاجی جلسوں میں اپنے گھروں سے باہر گئے ہوئے تھے تو ہندوؤں نے مسلمان گھروں پر حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ایک ہفتے تک شہر میں دست بہ دست لڑائیوں میں تقریباً پانچ ہزار انسان قتل ہو گئے۔ ان میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اس کے بعد اکتوبر ۱۹۴۶ء میں بنگال کے دو اضلاع نواکھالی اور تری پورہ میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ دو ہفتوں کے اندر اندر ان پر قابو پا لیا گیا۔ ان فسادات میں کل تین سو افراد مارے گئے۔ نواکھالی میں مرنے والے زیادہ تر ہندو تھے۔ اس پر ہندوؤں نے پورے ہندوستان میں احتجاجی جلسے کیے اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کے سب سے بڑے لیڈر مہاتما گاندھی بھی نواکھالی گئے اور ہندوؤں کو دلاسا دیا اور حکومت نے فوری طور پر غیر معمولی حفاظتی اقدامات کر کے ہندوؤں کی جان و مال کو محفوظ بنا دیا۔ ہندوؤں کی اشتعال انگیزیوں نے پہلے سے تیار شدہ پروگرام کے تحت صوبہ بہار میں مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ۲۷/ستمبر ۱۹۴۶ء کو ضلع مظفر پور کے گاؤں بنیاباد میں مسلمانوں کے گھروں کو جلا دیا اور ۱۴/ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ صوبہ بہار کی کانگرسی وزارت نے نواکھالی کے ہندوؤں سے ہم دردی کے اظہار کے لیے ۲۵/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ''یوم نواکھالی'' منایا۔ تمام صوبے میں جلسے جلوس منعقد ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ اس موقعے پر صوبے کے دارالحکومت پٹنہ میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ ضلع چھپرا میں بھی یہی عمل کیا گیا۔ پھر ۲۸/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو بھاگل پور اور مونگھیر کے شہروں میں مسلم کش فسادات ہوئے اور ایک دو روز کے اندر مسلم کشی کی یہ لہر شہروں سے نکل کر چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں پھیل گئی۔

۲۶/اکتوبر ۱۹۴۶ء کے دن شہر چھپرا میں فساد کی آگ بھڑکائی گئی۔ ۲۷/اکتوبر کو صوبہ بہار کا کانگریسی وزیرِ اعلیٰ مسٹر سنہا چھپرا پہنچا۔ مسلمانوں نے سمجھا اب چھپرا میں امن و امان ہو جائے گا مگر اس شخص نے ہندوؤں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا، ''لوگوں کو فساد سے

باز رہنا چاہیے اور حکومت کا حکم ماننا چاہیے کیوں کہ یہ حکومت جو ان کی اپنی حکومت ہے فسادیوں کو پہلی غیر ملکی سرکار کی طرح بندوق کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنا سکتی۔'' مسٹر سنہا کے اس اعلان کے بعد چھپرا میں پھر فساد پھوٹ پڑا اور ۳۱ / اکتوبر تک چھپرا کے بازار اور راستے مسلمانوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ شہر پٹنہ کے مقتدر مسلمانوں کا ایک وفد نومبر کے آغاز میں بہار کے وزیرِ اعلیٰ مسٹر سہنا کے پاس گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ صوبے کے دیہات میں مسلمانوں کو بچانے کے لیے فوج بھیجنا ضروری ہے اس پر وزیرِ اعظم نے جواب دیا کہ ''میں صوبے میں امن قائم کرنے کے لیے فوج کی مدد حاصل کرنے کے خلاف ہوں۔ میں تو پرارتھنا (دعا) اور پرچار (تبلیغ) سے فساد روکنے کی کوشش کروں گا۔'' اس طرح کانگرس کی حکومت کی سرپرستی میں مسلمان اقلیت کا منظّم طور پر جو قتلِ عام شروع ہوا وہ ۷ / نومبر ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ آتش زنی، لوٹ مار، قتل و غارت گری کی بے شمار وارداتیں ہوئیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے آٹھ دن کے اندر کم از کم تیس ہزار مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ کم و بیش دس ہزار مکانات تباہ و برباد کیے گئے۔ بہت سے دیہاتوں میں مسلمانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر پناہ گزین کیمپوں میں مقیم ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی صوبہ یو پی میں مسلم کش فسادات شروع کیے گئے۔ ۶ / نومبر ۱۹۴۶ء کی شام کو ضلع میرٹھ میں دریائے گنگا کے کنارے واقع قصبہ گڑھ کمیستر میں ایک میلے کے اندر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے روز یعنی ۷ / نومبر کو ہندوؤں نے قصبہ گڑھ کمیشتر پر حملہ بول دیا اور تمام مسلمان عورتوں، بچوں اور مردوں کو قتل کر دیا۔ پھر ہندوؤں کے ہجوم نے ہسپتال پر حملہ بول دیا اور تمام مسلمان مریضوں کو قتل کر دیا ایک مسلمان ڈاکٹر کو قتل کر کے اس کی بیوی کی آبروریزی کی گئی اور اس کے بعد فاتحانہ انداز سے اسے شہر بھر میں برہنہ پھرایا گیا۔ اس کے بعد ہندوؤں نے غازی آباد کے نواح میں ہرسن نامی دیہات میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتلِ عام کیا۔ اس فساد میں ضلع میرٹھ میں تقریباً دو ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا صوبہ بہار اور صوبہ یو پی کے علاقوں کا المیہ قدرت کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک زبردست انتباہ تھا لیکن مسلمانوں کے اربابِ قیادت اس انتباہ سے متنبہ ہونے سے قاصر رہ گئے۔

بے چارے آرام کرسی کے سیاست دان سوائے خالی خولی بیانیات اور قانونی موشگافیوں کے اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ اب کانگرسی مسلمانوں نے ہندوؤں کے لیڈر مہاتما گاندھی پر زور دیا کہ صوبہ بنگال کے ضلع نواکھالی میں دو تین سو ہندوؤں کے مارے جانے پر انھوں نے اتنا شور مچایا تھا اور خود بنفسِ نفیس وہاں تشریف لے گئے تھے اور ہندوؤں کو دلاسا دیا تھا اور صوبائی حکومت کو ہندوؤں کے حفاظتی انتظامات سخت کر دینے پر مجبور کر دیا تھا اب صوبہ بہار میں جہاں تقریباً تیس ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا ہے وہ کیوں کوئی قدم نہیں اٹھا رہے۔ اس پر مہاتما گاندھی جی نے مجبوراً مسلمانوں کو دکھلاوے کے طور پر صوبہ بہار کے فساد زدہ علاقوں میں جانے کا اعلان کیا اور وہاں اپنے ساتھ اس دورے میں وہ سرحدی گاندھی جناب عبدالغفار خان صاحب کو بھی ساتھ لے گئے۔ بہار کے ایک دیہات میں جب اصلی گاندھی اور سرحدی گاندھی صاحبان کو ایک کنواں دکھایا گیا جس کو مسلمانوں کی لاشوں سے بھر دیا گیا تھا تو اصلی گاندھی نے تو مکاری سے ''رام۔ رام'' کہا مگر سرحدی گاندھی جی نے جو کچھ ارشاد کیا اس کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے، ''ان تمام ہلاکتوں کی ذمہ داری مسلم لیگ پر عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ ہندوستان سے علاحدہ ریاست پاکستان کا مطالبہ کر کے مسلمانوں کو گم راہ نہ کرتی تو یہ فسادات کبھی نہ ہوتے۔'' جناب غفار خان صاحب نے ملک کی آزادی کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں اور پٹھانوں کو غاصب انگریزوں کے خلاف منظّم کیا تھا اس لیے کچھ خوش فہم مسلمانوں کا خیال تھا کہ ہندوؤں کی سفاکی اور دشمنی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر شاید سرحدی گاندھی پر کانگرس کا طلسم ٹوٹ جائے اور وہ مسلمانوں کے نظریۂ پاکستان پر ایمان لے آئیں مگر ''اے بسا ارزو کہ خاک شدہ۔''

ہندو مسلم فسادات اگرچہ ۱۹۴۶ء کے آخیر سے لے کر ۱۹۴۷ء کے شروع ہی سے ہر جگہ شروع ہو چکے تھے مگر ۱۴ر اگست سے پہلے یعنی ہندوستان اور پاکستان کی آزادی سے پہلے ہر جگہ غیر منظّم اور غیر مسلح مسلمانوں نے نہایت منظّم اور مسلح ہندوؤں اور سکھوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر آزادی ملنے کے بعد جب ہندو پولیس اور فوج بھی مسلمانوں پر حملوں میں پیش پیش ہو گئی تو حالات یکسر بدل گئے اور تمام مشرقی پنجاب سے مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کے پاکستان کی طرف بھاگنے لگے۔ ان روح فرسا واقعات سے پہلے آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ ہندوستان کی سیکولر حکومت

نے کس طرح ۱۴/اگست کو آزادی کو خوش آمدید کہا۔ سیکولر کا مطلب ہے وہ حکومت جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جی ہاں، منافق ہندو حکومت پہلے دن ہی سے مکاری اور فریب کاری میں مصروف ہوگئی۔ ہندوستان کے آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جب ۴/جون ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس کے دوران انتقالِ اقتدار کے لیے ۱۵/اگست کی تاریخ کا اعلان کیا تھا تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہندو نجومیوں کو اس تاریخ پر اعتراض ہوگا۔ اس تاریخ کے اعلان ہوتے ہوئے پورے ہندوستان کے نجومیوں نے زائچے تیار کرنے شروع کر دیے۔ بنارس اور جنوبی ہند کے نجومیوں نے فوری طور پر اعلان کیا کہ ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء اتنا منحوس دن ہے کہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہنے سے بہتر ہوگا کہ ہندوستان مزید ایک دن برطانوی راج کی عمل داری میں گزارے۔ کلکتہ کے سوامی مدمانند نے مؤقف اختیار کیا کہ ۱۵/اگست برج جدی میں آرہا ہے جس کی خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ یہ مرکز گریز قوتوں یعنی بٹوارے کے رجحانات کو ہوا دیتا ہے چناں چہ اس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ خدا کے لیے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی مت دیں۔ اگر آئندہ سیلاب آئے۔ خشک سالی ہوئی، قحط پڑا، خونریزی ہوئی تو یہ محض اس لیے ہوگا کہ ہندوستان ایسی تاریخ کو آزاد ہوا جو ستاروں کے نزدیک ایک منحوس دن تھا۔'' ماؤنٹ بیٹن اور ہندو رہنماؤں کے لیے مسئلہ بن گیا کہ اب کیا کریں۔ بالآخر نجومیوں کی ایک جماعت نے ہندو رہنماؤں کو سمجھایا کہ ۱۵/اگست تو نئی قومی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے بڑا ہی منحوس دن ہے لیکن ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ستاروں کا ملاپ خاصا موافق ہے۔ چناں چہ ہندو رہنماؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ درمیانی راہ تجویز کی کہ انتقالِ اقتدار ۱۴/اور ۱۵/اگست کی درمیانی شب رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر کر دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اس تجویز کے بارے میں خود ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کے نام ۸/اگست ۱۹۴۷ء کو ارسال کردہ ہفتہ وار رپورٹ میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے۔

''مجھے اس بارے میں پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے انتقالِ اقتدار کی تاریخ کا تعین کرتے وقت ہندو نجومیوں سے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اب یہ معاملہ یوں طے ہو گیا ہے کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس نصف شب سے پہلے یعنی ۱۴/اگست کو نیک گھڑی

کے اندر اندر ہو جائے گا جب کہ انتقالِ اقتدار کی رسم عین نصف شب کو ہو گی کیوں کہ یہ بھی تقریباً نیک گھڑی ہو گی۔''

۱۴/اگست کو رات کی تقریب سے پہلے دو معتبر سنیاسیوں نے مذہبی طریقے کے مطابق ہندوستان کے وزیرِاعظم پنڈت نہرو کو راج سنبھالنے کے لیے تیار کیا۔ انھوں نے اس کے اوپر جنوب کے دریائے تنجور کا مقدس پانی چھڑکا۔ اس کی پیشانی پر مقدس راکھ ملی۔ ایک پانچ ٹانگوں والا بت اس کے بازوؤں پر رکھا اور پھر بھگوان کی مقدس چادر پتامبر کو اس کے گرد لپیٹا گیا۔

ادھر ہندوستان آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر بابو راجندر پرشاد کے باغ میں آگ کا الاؤ روشن کیا گیا جس میں سیکڑوں من گھی جلایا جا رہا تھا اور برہمن مہنت اس کے گرد بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے۔ وہ مرد اور خواتین جو تھوڑی دیر میں ہندوستان کے پہلے وزیر بننے والے تھے ایک قطار کی صورت میں اس آگ کے گرد پھیرے لگا رہے تھے۔ ایک برہمن ان کے اوپر متبرک پانی چھڑکتا جاتا تھا۔ پھر وہ ایک عورت کے قریب رکتے جو اُن کے ماتھے پر سرخ رنگ کا تلک لگا دیتی تھی۔

ان رسومات کے بعد ''سیکولر'' ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا اور پھر بارہ بج کر دو منٹ پر انگریزوں کا جھنڈا یونین جیک اتار کر ہندو کانگرس کا تین رنگ والا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ ہندوؤں کی چال بازی ملاحظہ ہو کہ وہ ہر بات میں عملی طور پر یہ ثابت کرتی تھی کہ وہ کٹر ہندو حکومت ہے مگر دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے پہلے دن ہی سے جھوٹ بولا جا رہا ہے کہ وہ ''سیکولر'' حکومت ہے یعنی حکومت کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ منافقت ہی منافقت پنڈت چانکیہ کے چیلوں کا اصلی رعپ ہے۔ ان مکار اور عیار لوگوں کا اصلی روپ ۱۴/ اگست کے بعد پوری طرح بے نقاب ہو گیا مگر یہ لوگ پوری بے شرمی سے ابھی تک اپنی حکومت کو سیکولر کہتے ہیں یعنی جس حکومت کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بھارت کی حکومتوں کا مقصد ہندو کلچر کو فروغ دینا ہے۔ ان کی مجالس کا آغاز دِیے جلانے اور ناریل توڑنے سے ہوتا ہے۔ ان کی فوج کی مختلف پلٹنوں کے نعرے بھی خالص مذہبی ہیں۔ اوّل تو مسلمان فوج میں بھرتی ہی نہیں کیے جاتے اور اگر کہیں آٹے میں نمک کہیں نظر بھی آ جائے تو وہ کبھی ایسے نعرے لگانے کے

لیے تیار نہ ہوں گے۔ بھارت کی پنجاب رجمنٹ حملہ کرتے وقت ''جوالا مائی کی جے'' کا نعرہ لگاتی ہے۔راجپوتانہ رائفلز کا نعرہ ہے ''راجا رام چندر کی جے'' ڈوگرر جمنٹ ''درگا ماتا کی جے'' کا نعرہ لگاتی ہے۔کماؤں رجمنٹ ''کالکا مائی کی جے'' کا نعرہ لگاتی ہے۔ بہار رجمنٹ ''بجرنگ بلی کی جے'' کی آواز بلند کرتی ہے اور گڑھوالی ''بدری وشال کی جے'' کی صدا لگاتے ہیں۔ بھارت ہرگز سیکولر حکومت نہیں ہے بلکہ یہ تو کٹر ہندومت کو فروغ دینے والے ہیں یہ تو مذہبی جنونیوں کا ملک ہے جنھیں آج کل بنیاد پرست (Fundamentalist) کہا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سیکولرسٹ، عدم تشدد اور جمہوریت کا دل دادہ بتانے والے جھوٹے، مکار، اور منافق لوگوں کے کالے کرتوت ان کے سفاکانہ قتلِ عام اور بہیمانہ جرائم کے کچھ اور واقعات بیان کرتا ہوں۔

سکھوں نے امرتسر کے اندر اور اردگرد بڑے بڑے مسلح جتھے تیار کیے تھے جو اچھی طرح منظّم تھے یہ جتھے ایک ایک رات میں چار چار حملے کرتے تھے۔ ان دستوں میں گھڑسوار بھی ہوتے تھے جو ہراوّل دستوں کا کام دیتے تھے۔امرتسر شہر میں سکھوں کے حملے اس وقت شدت اختیار کر گئے جب نئے ہندو سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پولیس کے تمام مسلمان اہل کاروں سے ہتھیار لے لیے۔ چناں چہ سکھ دستوں نے فوری طور پر بے شمار مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ یہ اطلاع گورنر تک پہنچی تو اس نے اس متعصب ہندو ایس پی کو فوراً بدل دیا اور ہتھیار لینے والا حکم بھی واپس لے لیا مگر اس سے جو بے گناہ افراد مارے جا چکے تھے وہ تو دوبارہ زندہ نہ ہو سکتے تھے اور نہ ہی حکومت پر عوام کا اعتماد بحال ہوسکتا تھا۔

سکھوں اور ان کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے مسلمان بچوں، بوڑھوں اور خاص طور پر عورتوں پر جو مظالم ڈھائے انسان کو ان کی تفاصیل بیان کرنے کا حوصلہ نہیں ہوسکتا۔۱۹۷۶ء میں آزادیِ ہند کے بارے میں دو یورپی مصنّفین کی لکھی ہوئی کتاب (فریڈم ایٹ مڈنائٹ) میں ۱۵/اگست سے پہلے کے فسادات کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''پنجاب میں فسادات شروع ہو چکے تھے۔ ہندوستان کے بہترین نظم ونسق والے صوبے کی سڑکیں اور ریل کی پٹڑیاں غیر محفوظ تھیں۔سکھ جتھے دیہات میں ریڈ انڈینز کے جتھوں کی طرح پھرتے اور مسلمان دیہات یا مسلمان پڑوسیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ان کے قتل اور

خون ریزی کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ مسلمان مردوں کے مختون مردانہ اعضا کاٹ کر ان کے منہوں یا مقتول مسلم خواتین کے منہوں میں ٹھونس دیے جاتے تھے لاہور میں ایک شام ایک سائیکل سوار تیزی سے ایک گلی سے نکل کر ایک پُرہجوم کافی شاپ کے قریب آیا جہاں بدنام مسلمان بدمعاش اپنی منڈلی لگایا کرتے تھے اس نے پیتل کا ایک بڑا بند برتن اندر پھینکا جس سے کافی شاپ کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ اپنی اپنی جان بچانے کے لیے چھپنے کو بھاگے۔ جب وہ بم نما چیز نہ پھٹی تو ایک ویٹر نے اسے کھولا، برتن میں سکھ بدمعاشوں کی طرف سے مسلمان حریفوں کے لیے ایک تحفہ تھا۔ درجنوں مختون مردانہ اعضا۔'' (فریڈم ایٹ مڈنائٹ۔ کولنز اینڈ لا پائر۔ ص ۴۵۱) امرتسر میں فسادات کے متعلق یہی مصنّفین لکھتے ہیں:

''امرتسر میں صورتِ حال اس سے بھی بدتر تھی اس کے بازاروں اور گلیوں میں قتل وخون ریزی کھلے بندوں اجابت کی طرح روزمرہ کی بات تھی۔ شہر کے ہندوؤں نے ایک ظالمانہ طریقہ ہی ایجاد کیا تھا کہ کسی شبہ نہ کرنے والے مسلمان کے قریب کوئی ہندو چلا جاتا اور اچانک اس کے چہرے پر نمک یا گندھک کے تیزاب کی پچکاری کر دیتا۔'' (ایضاً۔ ص ۲۵۲)

۱۵/اگست کے دن امرتسر میں جو حال تھا اس کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس وقت امرتسر کے نئے حکام پُرانے مغل قلعے میں نہایت باقاعدگی سے آزادی کی رسوم ادا کر رہے تھے سکھوں کا ایک غضب ناک جتھہ تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک مسلمان محلے میں تباہی مچا رہا تھا۔ انھوں نے تمام مردوں کو کسی قسم کے رحم اور کسی ایک کو بھی چھوڑے بغیر قتل کر دیا۔ عورتوں کو برہنہ کر دیا گیا۔ بار بار ان کی بے آبروئی کی گئی اور پھر ان کانپتی ہوئی خوف زدہ (زندہ لاشوں کو) شہر میں پھرا کر سنہری گوردوارہ (دربار صاحب) لے جایا گیا جہاں ان میں بیشتر کی گردنیں ماری گئیں۔'' (ایضاً۔ ص ۳۰۹) اسی طرح کے واقعات مختلف یورپین اہلِ قلم نے لکھے ہیں اور مختلف شہروں کے حوالے دیے ہیں۔ شملہ میں جو حکومتِ ہند کا گرمائی دارالحکومت تھا اور وہاں لوگوں کی حفاظت کے بہتر انتظامات تھے یہ حال تھا کہ سائیکل سوار سکھ کرپانیں لہراتے ہوئے مسلمانوں کا تعاقب اس طرح کر رہے تھے جس طرح شکاری جنگلی جانوروں کا تعاقب کرتے ہیں۔

۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو جب پارٹیشن کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا اور ماؤنٹ بیٹن اس کی صدارت کر رہا تھا پنجاب کا ایک انگریز ڈی آئی جی وہاں پہنچا۔ اس نے ماؤنٹ بیٹن کو پیغام بھجوایا جو میٹنگ سے اٹھ کر آیا اور اس کی رپورٹ سنی۔ پھر میٹنگ میں واپس گیا جو تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ جب شرکائے محفل جانے لگے تو اس نے قائدِاعظم، مسٹر لیاقت علی خان اور سردار پٹیل کو وہیں روک لیا اور پھر انگریز ڈی آئی جی کو بلوایا جس نے ان رہنماؤں کے سامنے اپنی رپورٹ دُہرائی۔ مسٹر سیویج (ڈی آئی جی) نے بتایا کہ پنجاب میں مظاہروں میں گرفتار کیے جانے والے لوگوں کے بیانات میں دوسرے لوگوں کے علاوہ ماسٹر تارا سنگھ پر بم تیار کرانے اور فسادات کے منصوبے بنانے کا الزام تھا۔ اکالی لیڈروں اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے ہندو لیڈروں میں یہ طے ہوا تھا کہ تقسیم کے وقت دہلی سے پاکستان جانے والے مسلمان ملازمین کی گاڑیوں اور سرکاری ریکارڈ کی گاڑیوں کو سکھ تباہ کریں گے اور ان گاڑیوں میں مسلمانوں کا قتلِ عام کریں گے جب کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے رضا کار مسلمان مہاجرین میں مل کر کراچی جائیں گے اور وہاں مسٹر جناح پر بم پھینک کر شورش برپا کریں گے۔

قائدِاعظم اور مسٹر لیاقت علی خان نے ماسٹر تارا سنگھ اور دوسرے فساد کرانے والے سکھ لیڈروں کو گرفتار کر لینے کا مطالبہ کیا مگر سردار پٹیل نے مخالفت کی کہ اس طرح حالات زیادہ خراب ہو جائیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن بھی سکھ لیڈروں کو گرفتار کرنے کے حق میں تھا بشرطے کہ صوبائی انتظامیہ خصوصاً گورنر کا مشورہ بھی ہو۔

تاہم قائدِاعظم اور لیاقت علی خان کے مشورے پر عمل نہ ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ اور ہندو متعصب رہنماؤں کی مشاورت میں فسادات کے جو منصوبے تیار کیے گئے تھے ان پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے ۱۵؍اگست کی تاریخ قریب آتی گئی فسادات کی شدت بڑھتی گئی۔ دہلی سے مسلمان جن گاڑیوں میں سوار ہو کر پاکستان جا رہے تھے ان پر مشرقی پنجاب کے علاقے میں حملے کر کے مسلمان مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کیا جا رہا تھا۔ مشرقی پنجاب کے شہری اور دیہاتی علاقوں میں مسلمانوں کی آبادیوں پر شدید حملے شروع کر دیے گئے۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ ان کی جائیدادیں اور املاک چھین لی گئیں اور

انھیں مجبور کر دیا گیا کہ وہ پناہ لینے کے لیے پاکستان کی طرف چلے جائیں۔ چناں چہ مسلمانوں کے بہت بڑے بڑے قافلے بیل گاڑیوں پر اپنے معمولی اثاثے لادے ہوئے اور خود عورتوں اور بچوں سمیت پیدل سفر کرتے ہوئے پاکستان کی طرف روانہ ہونے لگے۔ راستے میں منظّم اور مسلح فسادی جتھے ان پر حملے کرتے تھے جو تھوڑا بہت اثاثہ کسی کے پاس ہوتا تھا وہ چھین لیتے تھے۔ مزاحمت کرنے والے جوانوں کو قتل کر دیتے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کو بھگا لے جاتے اور بچوں کو برچھوں کا نشانہ بناتے تھے۔

اگست کا سارا مہینہ مشرقی پنجاب میں ایک قیامت برپا رہی۔ حال یہ تھا کہ بعض ایسی ریل گاڑیاں بھی لاہور پہنچی تھیں جن میں لاشوں کے سوا اگر کوئی زندہ انسان بھی تھا تو وہ تھا جو قتل و خون ریزی کے دوران لاشوں کے نیچے دب کر بچ گیا تھا۔ اس کا ردِ عمل مغربی پنجاب میں بھی ہوا اور ادھر سے ہندو سکھ شرنارتھیوں کو لے جانے والی ایک یا دو گاڑیوں پر حملے ہوئے جن میں کچھ ہندو سکھ مارے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سردار پٹیل کی ہدایات پر مسلمان مہاجرین کی گاڑیوں پر حملے کم ہو گئے۔

دہلی کا مہاجر کیمپ:

۴ رستمبر ۱۹۴۷ء کو دہلی میں بھی مسلم کش فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اندازہ ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سکھوں کی کرپانوں اور ہندوؤں کی گولیوں کا شکار ہو گئے۔ شہر میں گورکھا سپاہیوں کو متعین کرنے سے گریز کیا گیا کیوں کہ وہ فسادی جتھوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے تھے۔ چناں چہ شہر کی دیکھ بھال کے لیے جاٹوں اور سکھوں کے فوجی دستے متعین کیے گئے جو فسادی ہجوموں کی مدد کرتے تھے اور جہاں ان کی پٹائی ہوتی تھی یہ آگے بڑھتے تھے۔ چناں چہ سبزی منڈی اور پہاڑ گنج کے علاقوں میں جہاں مسلمانوں نے فسادیوں کو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا تھا یہی فوجی دستے ان کی مدد کو پہنچتے تھے اور مسلمانوں کو بے حد جانی نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ پانچ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۹ رستمبر کو ہی فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو شہر کے محلوں سے نکال کر کیمپوں میں پہنچایا جائے۔ سب

سے بڑا کیمپ ''پرانا قلعہ'' تھا جہاں ہزاروں مسلمان دھوپ اور بارش میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے تھے حکومت نے کمال فراخ دلی سے ایک چھٹانک فی کس روزانہ راشن مقرر کر دیا تھا۔مگر ان چاولوں کو پکانے اور ان کے ساتھ دال ساگ کا کچھ انتظام نہ تھا۔اس کھلے کیمپ میں غلاظت اور گندے پانی کی وجہ سے پیچش اور ٹائیفائیڈ کی بیماریاں پھوٹ پڑیں اور سیکڑوں افراد خصوصاً بچے ان کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

دہلی کے فسادات کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بے بسی عبرت آموز ہے موصوف نہ صرف کانگریس کے سابق صدر اور قیامِ پاکستان کے سخت مخالف تھے بلکہ حکومتِ ہند میں وزارت کے عہدے پر بھی فائز تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ آزادی کے دوسرے ہی دن ہندوستان کی کابینہ کو حیران کر دینے والی خبریں موصول ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

''معلوم ہوا کہ مشرقی پنجاب میں سکھ اور ہندو فسادی ہجوم مسلمانوں کے دیہات پر حملے کر رہے تھے۔وہ مکانات جلا رہے تھے اور بے گناہ مردوں،عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے تھے۔''

مولانا آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مشرقی پنجاب کے وزرا بھاگے بھاگے دہلی آ رہے تھے اور ہم ان سے پوچھتے تھے کہ وہ فوج کو کیوں بلا نہیں لیتے تو وہ مایوسی کے عالم میں کہتے تھے کہ پنجاب میں متعین دستوں پر اعتماد نہیں رہا۔

مولانا مزید لکھتے ہیں: ''قتل وغارت گری شہر (دہلی) پر بھی مسلط ہو گئی۔بعض سکھوں نے دہلی میں قاتلانہ حملوں کو منظّم کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔''

خود ماؤنٹ بیٹن جو کلیتًا ہندوؤں اور سکھوں کا ساتھی اور ان کے اعمال کی پردہ پوشی کرنے والا تھا کہیں کہیں سچی بات بھی کہہ دیتا ہے ایک مقام پر اس نے لکھا ہے، ''دہلی سے مسلمان مہاجرین کو لاہور لے جانے والی گاڑیوں پر حملے زیادہ تر سکھ جتھوں نے کیے تھے جو مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے اندر سے کارروئیاں کرتے تھے۔'' (دی گریٹ ڈیوئڈ۔ ہوڈسن۔ص۴۱۲)۔

پنڈت نہرو سے تو ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف کسی رائے کا اظہار ممکن نہ تھا لیکن دہلی میں ہونے والے جلسوں اور اس کے بعد انبالہ میں ہونے والے ایک بین المملکتی اجلاس جس

میں دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم بھی شامل ہوئے ایسی باتیں بھی ہوتیں رہیں جن کی بنا پر وہ بھی کبھی کبھی حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ہوڈسن لکھتا ہے:

''بعد میں پنڈت نہرو نے خود لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ ماسٹر تارا سنگھ نے کھلے بندوں تسلیم کیا ہے کہ سکھ لیڈر اپنے پیروؤں کو تشدد پر اکساتے رہے اور جو کچھ وہ (سکھ فسادی) کرتے رہے وہ (تارا سنگھ) اس کی تائید کرتے رہے لیکن حالات اتنے آگے نکل گئے تھے کہ سکھ آبادی خود خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس لیے ماسٹر تارا سنگھ اور دوسرے سکھ لیڈر لڑائی ختم کرانے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔'' (دی گریٹ ڈیوائڈ۔ص ۴۰۷)۔

سکھ اور ہندو فسادی جس انداز میں قتل وغارت کا بازار گرم کیے ہوئے تھے اس کا اندازہ کسی حد تک انگریز مصنّفین کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ ہوڈسن لکھتا ہے:

''سکھ اور دوسرے (ہندو) پناہ گزینوں کی گاڑیوں پر خوف ناک حملے کر رہے تھے۔ ۲۰/ اور ۲۳/ ستمبر کے درمیان ۲۰۰ے مسلمان اور ۶۰۰ غیر مسلم گاڑیوں میں قتل یا زخمی ہوئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاڑیوں کی نقل وحرکت کچھ وقت کے لیے بند کر دی گئی۔'' (دی گریٹ ڈیوائڈ۔ص ۴۱۲)

حقیقت یہ ہے کہ انگریز مصنّفین عام طور پر مسلمان مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کم کر کے اور غیر مسلموں کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں پھر بھی مسلمانوں کا جانی نقصان ہندوؤں کے جانی نقصان سے کہیں زیادہ ہے بلکہ غیر مسلموں کا جانی نقصان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ مسلمانوں کی خونریزی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۲/ ستمبر کو جو اسپیشل ٹرین دہلی سے مسلمانوں کو لے کر آ رہی تھی اس پر امرتسر میں خالصہ کالج کے علاقے کے قریب پانچ ہزار سکھوں نے جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھے حملہ کیا اس ایک ٹرین میں دو ہزار مسلمان مرد، عورتیں اور بچے مارے گئے اور جب انسانی اعضا اور خون سے بھری ہوئی یہ ٹرین لاہور پہنچی تو پورے پاکستان میں کہرام مچ گیا۔

○○○

برِصغیر کی تقسیم کو رکوانے کا ایک خطرناک منصوبہ جو اللہ کے فضل و کرم سے ناکام ہوا

۱۳ر اگست ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن اقتدار کے رسمی انتقال کی تقریب میں شامل ہونے کے لیے کراچی کے ہوائی اڈے پر اپنے طیارے سے اترا تو سی آئی ڈی کے ایک بڑے افسر نے ان رپوٹوں کی تصدیق کی جو انھیں دہلی میں ملی تھیں۔ اور واضح الفاظ میں اس نے کہا کہ سازش کا عمل جاری ہے۔ اس کے دونوں فریقوں یعنی سکھوں اور راشٹریہ سیوئم سنگھ نے اپنے اپنے حصے کا کام سنبھالا ہوا ہے۔ ہندوستان میں جنوبی سکھ مسلمانوں کی گاڑیوں پر حملے کر کے انھیں نہایت بے دردی سے قتل کر رہے ہیں اور یہاں کراچی میں راشٹریہ سیوئم سنگھ کے آدمی ہماری تمام کوششوں کے باوجود پہنچ چکے ہیں اور وہ مسٹر جناح کے جلوس پر بم پھینک کر انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے اور مسٹر جناح کے ختم ہوتے ہی تمام برِصغیر میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع کر دیے جائیں گے جس سے تقسیم کا عمل ختم ہو جائے گا اور برِصغیر پھر ایک ہی مملکت بن جائے گا۔

ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا، ''پھر کیا کیا جائے؟''

سی آئی ڈی کے افسر نے کہا، ''یور ایکسی لینسی مسٹر جناح سے کہا جائے کہ وہ جلوس کا پروگرام ختم کر دیں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے تمام معاملہ قائدِاعظم کے سامنے رکھا اور انھیں کہا کہ

تقریبات میں سے جلوس کا آئٹم حذف کر دیا جائے۔''

قائدِاعظم نے کہا کہ پروگرام جس طرح مرتب ہوا ہے ویسے ہی ہوگا۔ اس میں کوئی رود بدل نہیں ہوگا۔

بعد میں ماؤنٹ بیٹن نے یہ کوشش کی کہ کم از کم مسٹر جناح کھلی گاڑی کی جگہ بند گاڑی میں بیٹھیں تا کہ کچھ تو بچت ہو۔ وہ قائدِاعظم کے لیے کسی بچت کا خواہاں نہیں تھا بلکہ اسے اپنا بچاؤ درکار تھا کیوں کہ اسے خود بھی مجبوراً قائدِاعظم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنا تھا۔

قائدِاعظم نے کہا، ''میری قوم کے افراد مجھے کھلی گاڑی میں دیکھنے کے منتظر ہوں گے میں بند گاڑی میں بیٹھ کر ان کی آرزوؤں کو پاش پاش نہیں کر سکتا۔''

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر اپنی بیوی سے کہا کہ جلوس میں تمھاری گاڑی میری گاڑی کے ساتھ نہیں ہوگی۔ اس کی بیوی نے پوچھا کیوں نہیں ہوگی ضرور ساتھ ہی ہوگی۔ ماؤنٹ بیٹن اصل بات اسے نہ بتانا چاہتا تھا لہٰذا اسے کسی طرح ٹالا۔ تاہم دوسرے دن گاڑیوں کے جلوس میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی گاڑی گورنر جنرل کی گاڑی سے کوئی دوسو گز پیچھے تھی۔

جلوس بہت شان دار تھا اس میں ایک ہی رولز رائس میں دونوں نئی مملکتوں کے گورنر جنرل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جو ساؤتھ ایشیا میں اتحادی فوجوں کا سپریم کمانڈر رہ چکا تھا جس کے ایک اشارے پر تمام زمینی، بحری اور فضائی فوج حرکت میں آ کر ہر طرف کشت وخون کا بازار گرم کر دیتی تھیں اور جس کے بہادری کے تمغے اس کے لباس پر دو قطاروں میں سجے تھے مگر گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس کے چہرے پر موت کی زردی بکھری ہوئی تھی اور ہر لمحے اس پر یہی خوف طاری تھا کہ بم اب آیا کہ آیا۔ دوسرا وہ تھا جس نے ساری زندگی کوئی ہتھیار استعمال نہ کیا تھا مگر وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لوگوں کے نعرہ ہائے مسرت کا جواب دے رہا تھا۔

آدھ گھنٹے تک گاڑی چلتی رہی یہ آدھ گھنٹا ماؤنٹ بیٹن کے لیے آدھی عمر سے کم نہ تھا جب ان کی کار ہندو آبادی کے علاقے سے گزرتی تو ماؤنٹ بیٹن سمجھ لیتا کہ یہاں ہمارے لیے

موت یقینی ہے۔

جلوس کے اختتام کے بارے میں ''فریڈم ایٹ مڈ نائٹ'' کے یورپی مصنّفین لکھتے ہیں کوئی واقعہ نہ ہوا۔ اچانک جس طرح کسی جہاز کے کپتان کے لیے طوفان کے بعد ساحل کی روشنیاں بڑی خوش آئند ہوتی ہیں رولز رائس کار کے راستے میں گورنمنٹ ہاؤس کے صدر دروازے ابھر آئے اور ماؤنٹ بیٹن کی زندگی کا سب سے زیادہ دل ہلا دینے والا سفر ختم ہوگیا۔

مندرجہ بالا کتاب کے مصنّفین نے بھارت میں اپنے طور پر کوشش کی کہ بم کی سازش کی حقیقت کا پتا چلائیں۔ انھیں اور تو کچھ پتا نہ چلا صرف جالندھر میں پریتم سنگھ نامی ایک شخص ملا جس کو سازش کے پہلے حصے میں شریک ہونے کے لیے پانچ جن سنگھی کراچی پہنچے ہوئے تھے مگر ان کا لیڈر جسے سگنل بم پھینکنا تھا بم لیے ہوئے ہاتھ کو کوٹ کی جیب سے نکال ہی نہ سکا حالاں کہ گاڑی اس کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر گزر رہی تھی۔

ہندو لیڈروں کے پروگرام کا دوسرا جزو یہ تھا کہ تمام غیر مسلموں کو پاکستان سے بلا لیا جائے۔ بلوچستان اور سندھ میں کوئی بدامنی نہیں ہوئی تھی مگر یہاں سے بھی ہندو گئے۔ یہ پاکستان کو اقتصادی، تجارتی اور انتظامی خلفشار میں مبتلا کرنے کے لیے تھا۔ پاکستان کی تمام تجارت اور بینکنگ ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندو بہت تھے۔ پاکستان کے اکثر خدمتی طبقے ہندو تھے۔ ان کے لیے تو ہندوستان کی طرف سے یہاں تک کیا گیا کہ سفرخرچ کے لیے ہر شخص کو رقم دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکانیں اور منڈیاں بند ہوگئیں، بینکوں میں تالے پڑ گئے۔ دیہات میں کاشت کاروں کے لیے قرضے حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ رہی، شہروں میں صفائی ستھرائی کا کوئی انتظام نہ رہا شفاخانے معطل ہوگئے۔ مگر مسلمانوں کی فطرت یہ ہے کہ سختی اور مصیبت ہی میں یہ بیدار ہوتے ہیں۔ پاکستانیوں نے مہاجرین کا ایسی ہمت، حوصلہ مندی اور فیاضی سے خیر مقدم کیا کہ اس کا ذکر جہادِ آزادی کی تاریخ کا ایک روشن باب رہے گا۔ کراچی سے پکا ہوا کھانا دہلی کے پرانے قلعے میں جاتا تھا، پنجاب کے کیمپوں میں پناہ گزینوں کے لیے کھانے اور کپڑے کا انتظام کیا گیا۔ شریف عورتیں زخمی اور بیمار مہاجرین کی خدمت کے لیے گھروں سے باہر نکل آئیں اور انھوں نے اس مصیبت میں قوم کا پورا ساتھ دیا۔ قائدِاعظم اور

لیاقت علی خان لاہور میں جا کر مقیم ہوئے۔ وہیں وزارتِ مہاجرین قائم کی گئی اور جس طرح ہوسکا مہاجرین کو ہنگامی طور پر ملک کے مختلف علاقوں میں منتشر کر کے، ان کی اقامت اور دوسری ضروریات کا انتظام کیا گیا۔ اس وقت تک اس علاقے کی آمدنی کا ذریعہ جہاں پاکستان قائم ہو محض زراعت تھی۔ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں زمینیں خالی نہ پڑی رہیں۔ فوراً مہاجرین کو عارضی طور پر زمینیں الاٹ کی گئیں اور تقاوی دی گئی۔ اس طرح زمینیں آباد ہوگئیں۔

صرف مغربی پنجاب سے اسّی فی صدی تاجر گئے تھے اور نوّے فی صدی مہتر جو مشرقی پنجاب سے آئے وہ زیادہ تر زراعت پیشہ اور دست گار تھے۔ سندھ سے جو گئے ان میں بھی اکثر تاجر تھے یا زمیندار، سرکاری ملازم اور کارخانے دار، مگر جنھوں نے پاکستان کے لیے برا سوچا تھا۔ وہ کچھ مدبرانہ تھے، خود ان ہی نے وہ آدمی بھی بھیج دیے جنھوں نے پاکستان کی صنعت و حرفت، تجارت اور نظم و انتظام کے تمام شعبے سنبھال لیے۔ ۱۹۴۹ء تک حکومتِ پاکستان کا تخمینہ یہ تھا کہ کشمیر کے پناہ گزینوں کے علاوہ مبادلہ آبادی میں کم و بیش پینسٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے۔ ان میں ترپین لاکھ مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے تھے، تین لاکھ، چھ ہزار صوبہ دہلی اور بقیہ ہندوستان کے ان علاقوں کے جہاں ہندوؤں نے مسلمانوں پر زیادہ مظالم کیے اندازہ یہ ہے کہ پانچ لاکھ مسلمان قتل ہوئے ان ہی میں وہ تعداد بھی ہے جن کو اغوا کیا گیا۔ مغربی پاکستان سے پچپن لاکھ سکھ اور ہندو گئے۔ اس طرح پاکستان کی آبادی میں دس لاکھ نفوس کا اضافہ ہوا۔

○○○

قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی نقل و حمل

تقسیمِ ہند کے ابتدائی مہینوں میں معرضِ وجود میں آئی دونئی ریاستوں یعنی پاکستان اور ہندوستان میں بہت بڑی آبادی کا تبادلہ ظہور پذیر ہوا۔ جب ایک دفعہ سرحدوں کی حد بندی ہوگئی تو تقریباً ایک کروڑ پینتالیس لاکھ افراد نے سرحدوں کو اس امید کے ساتھ عبور کیا کہ دوسری طرف وہ مذہبی اکثریت کی وجہ سے زیادہ محفوظ رہیں گے۔ ۱۹۵۱ء کی بے گھر افرد کی مردم شماری کے مطابق بہتر لاکھ چھبیس ہزار مسلمان ہندوستان سے پاکستان آئے جب کہ بہتر لاکھ انچاس ہزار ہندو اور سکھ پاکستان سے ہندوستان گئے۔ تقریباً ایک کروڑ بارہ لاکھ یا تبدیلِ آبادی کا اٹھہتر فی صد مغربی سرحد پر وقوع پذیر ہوا۔ اور سب سے زیادہ تبدیلی پنجاب میں ہوئی جس میں ترپین لاکھ مسلمان ہندوستان سے مغربی پنجاب (پاکستان) میں داخل ہوئے۔ جب کہ چوبیس لاکھ ہندو اور سکھوں نے پاکستان سے مشرقی پنجاب (ہندوستان) کی طرف ہجرت کی۔ دوسری طرف سندھ کے دونوں طرف تقریباً بارہ بارہ لاکھ افراد کا تبادلہ ہوا۔ نئی حکومتیں اس حیران کن تعداد میں ہجرتوں سے نبرد آزما ہونے سے قاصر تھیں اور بہت بڑی تعداد میں پرتشدد واقعات ہوئے جس میں سرحد کے دونوں طرف بہت بڑی قتل و غارت ہوئی۔ ایک خام اندازے کے مطابق چار سے پانچ لاکھ افراد قتل ہوئے۔ جن میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ سب سے زیادہ مہاجرین دہلی میں داخل ہوئے اور دہلی کی آبادی جو کہ ایک اندازے کے مطابق نو

لاکھ اٹھارہ ہزار تھی بڑھ کر سترہ لاکھ چوالیس ہزار تک جا پہنچی۔ یہ تخمینہ ۱۹۴۱ء اور ۱۹۵۱ء کے درمیان کی مردم شماری پر مبنی ہے۔مہاجرین کو بہت سے تاریخی مقامات اورفوجی مقامات جیسا کہ پرانا قلعہ، لال قلعہ،فوجی بیرکیس جو کہ کنگز وے (حالیہ دہلی یونی ورسٹی) میں ٹھہرایا گیا جو کہ شمالی ہندوستان کا سب سے بڑے مہاجر کیمپوں میں سے ایک بن گیا جس میں مہاجرین کی تعداد تقریباً پینتیس ہزار تھی۔ جو کہ کردکشترا کیمپ جو کہ پانی پت کے قریب واقع ہے کہ علاوہ ہے۔

ان مہاجر کیمپوں کو حکومتِ ہندوستان نے ۱۹۴۸ء کے بعد بڑی عمارتوں میں تبدیل کر کے مستقل بنیادوں پر گھر بنا دیا گیا۔اس دوران بہت سی گھریلو کالونیاں مثلاً بجیت نگر، راجندر نگر، ناظم الدین، پنجابی باغ، رہگر پورہ، جنگ پورہ اور کنگز وے وغیرہ دہلی میں وجود میں آئیں۔

ہندوستان میں مہاجرین کی آبادکاری:

بہت سے سکھ اور ہندو پنجابی ہندوستانی پنجاب میں دہلی میں آباد ہو گئے۔مشرقی پاکستان (حالیہ بنگلہ دیش) سے ہندو مہاجرین مشرقی اور جنوب مشرقی ہندوستان میں قریبی ریاستوں مثلاً مغربی بنگال، آسام اور تاری پورہ میں آباد ہوئے۔ کچھ مہاجرین کو جزیرہ اندامان میں بھیج دیا گیا۔ ہندو سندھیوں کی بحالی کی ذمہ داری ان کی حکومت نے اٹھائی اور ہندو سندھیوں کے لیے مہاجر کیمپ بھی بنائے گئے۔مگر غیر سندھی ہندوؤں کی حکومتِ ہندوستان نے بہت کم مدد کی اور کچھ تو ایسے تھے جن کی کسی قسم کی مدد ہندوستانی گورنمنٹ نے نہیں کی۔

پاکستان میں مہاجرین کی آبادکاری:

تقسیم کے بعد کے اعداد وشمار کے مطابق نئی بنی ریاستوں میں بہت بڑی تعداد میں لوگوں کی نقل وحمل وجود میں آئی۔تقریباً ایک کروڑ پینتالیس لاکھ لوگوں نے سرحدیں عبور کیں۔ جن میں سے تقریباً بہتر لاکھ چھبیس ہزار مسلمان پاکستان میں داخل ہوئے جب کہ بہتر لاکھ انچاس ہزار سکھ اور ہندو پاکستان سے ہندوستان گئے۔تقریباً پچپن لاکھ پاکستان پنجاب میں اور تقریباً پندرہ لاکھ سندھ میں آباد ہوئے۔ان میں زیادہ تر مہاجرین جو پاکستانی پنجاب میں آباد

ہوئے وہ ہندوستانی پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش، جموں وکشمیراورراجستھان سے آئے تھے۔ جب کہ وہ مہاجرین جو سندھ میں آباد ہوئے۔ وہ شمالی اوراندرونی شہری آبادیوں مثلاً اُتر پردیش، بہار، مدیہہ پردیش، گجرات اور راجستھان سے براستہ واہگہ اورموناباؤ سرحد سے داخل ہوئے جب کہ مہاجرین کی کچھ تعداد ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعے بھی آئے۔ مسلمانوں کے علاوہ جن لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان بذریعہ بحری جہاز جائیں ان کو کراچی کے سوامی نارائن کے مندر میں ٹھہرایا گیا اور بانیِ پاکستان جناب قائدِاعظم محمد علی جناح نے بھی وہاں کا دورہ گیا۔ اردو بولنے والے زیادہ تر مہاجرین بندرگاہی شہر کراچی، حیدرآباد، سکھر، نواب شاہ اورمیرپورخاص کے شہروں میں آباد ہوگئے۔ اسی طرح اردو بولنے والوں کی خاصی تعداد پنجاب کے بڑے شہروں جیسے لاہور، ملتان، بہاول پور اور راول پنڈی میں بھی آباد ہوئے۔ سندھ میں مہاجرین کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ چالیس ہزار تھی۔ جن میں سے دوتہائی کا تعلق شہروں سے تھا۔ جہاں تک کراچی کا تعلق ہے جس کی آبادی ۱۹۴۷ء تک تقریباً چار لاکھ تھی بڑھ کر ۱۹۵۳ء میں تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی۔

○○○

کیا آج کا پاکستان بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر ہے؟

پاکستان کے حصول کی خاطر مسلمانانِ برِصغیر نے بے شمار قربانیاں دیں۔ انھوں نے اپنے لیے علاحدہ وطن کا جو خواب دیکھا تھا اسے حقیقت میں بدل ڈالا۔ وہ اپنے لیے آزاد اور خودمختار ملک کے طلب گار تھے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے آزاد کر کے نئی ریاست کی بنیاد رکھی جائے اور اس کی عنانِ حکومت مسلمانوں کے حوالے کر دی جائے۔

میرے بزرگوں نے آزادی کی یہ جنگ دوقومی نظریے کے تحت لڑی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہند میں بسنے والی دونوں بڑی قومیں ہندو اور مسلمان ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔ دونوں کے مذہب الگ، ثقافت جدا، زبانیں علاحدہ علاحدہ، رہن سہن کے طریقے مختلف اور سب سے بڑھ کر سوچ کا انداز مختلف اور متصادم تھا۔ مذہبی لحاظ سے مسلمان خدائے واحد کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے جب کہ ہندو کئی دیوی اور دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ مسلمانوں کی زبان بولنے اور سیکھنے پر کوئی قدغن نہ تھی جب کہ ہندو سنسکرت کے الفاظ شودر کے کان میں پڑنے پر اس نے کانوں میں سیسہ ڈال دیتے تھے۔ مسلمان اور ہندو صدیوں ایک ساتھ اکٹھا رہنے کے باوجود ایک نہ بن سکے۔ حالاں کہ ہندوؤں نے باقی تمام مذاہب کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ تحریکِ پاکستان کے حوالے سے قائدِاعظم نے ایک مرتبہ فرمایا:

''مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے طریقۂ حیات، اپنی ثقافت،

روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں، ہمارا مذہب، ہماری ثقافت اور ہمارے اسلامی مقاصد، حصولِ آزادی کے لیے ابھارنے والی اصل قوتیں ہیں۔''

مفکرِ پاکستان علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی جداگانہ حیثیت کا یوں احساس دلایا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ﷺ ہاشمی

جس طرح خزاں میں پتوں کے جھڑنے سے درخت کا حسن ختم ہو جاتا ہے اور جس طرح لاوے کے ابال سے زمین کی سطح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح علاقائی، نسلی اور لسانی عصبیتیں ملکی استحکام کو زوال آشنا کر دیتی ہیں اور طاقت وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور پھر ملکی سالمیت تاریخ کے منطقی انجام سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اسی لیے بانیِ پاکستان نے اپنی قوم کے افراد کو اس مہلک مرض سے بچنے کا درس دیا۔ جب انھوں نے فرمایا:

''تمام پاکستانیوں سے درخواست ہے کہ وہ صوبائی تعصب کی بیماری سے چھٹکارا حاصل کریں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ ایک صف میں متحد ہو کر آگے نہ بڑھے۔''

تاریخی حقیقتوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخِ اقوام ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے جو نہ صرف ہمیں درسِ عبرت دیتی ہے بلکہ خود احتسابی اور خود نگہبانی کے ساتھ ساتھ مستقبل کے لائحۂ عمل کو مرتب کرنے میں بھی مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ دانا ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر روشن مستقبل کی تعمیر میں لگ جاتے ہیں۔ اس گردشِ دوراں نے ہمیں کیا کیا نہ دکھایا۔ سقوطِ بغداد، منگولوں کی یلغار اور خلافتِ عثمانیہ کی ٹوٹ پھوٹ سے لے کر سقوطِ ڈھاکہ تک کہ واقعات ہمارے سامنے سامان عبرت لیے ہوئے ہیں۔ جب بھی بہ حیثیت قوم ہم نے وقت کے تقاضوں کو ملحوظِ نظر نہ رکھا تو تقدیر نے ہمیں ثریا سے زمین پر دے مارا کیوں کہ پاکستان میری شناخت ہے۔ میرا دل ہے اور میری جان ہے۔ اللہ سے میری دعا ہے کہ:

یارب مرے وطن کے گلوں کو نکھار دے
جس پہ خزاں نہ آئے کبھی وہ بہار دے

ہر غنچہ اس چمن کا گلِ جاوداں بنے
ہر ذرّہ میرے دیس کا یارب سنوار دے

مشہور مقولہ ہے کہ اتفاق میں برکت ہے باہمی اتفاق و اتحاد سے افراد اور اقوام میں قوت و طاقت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ذرے اکھٹے ہو جائیں تو صحرا کی وسعت جنم لیتی ہے اور قطرے جمع ہو جائیں تو دریا اور سمندر کا روپ دھار لیتے ہیں اسی طرح افراد باہمی اتحاد و یگانگت سے قوم کو وجود بخشتے ہیں اور قوم اپنے نظریے عقیدے اور نصب العین کی وجہ سے اس قوت کا نام ہے جو کبھی پارہ پارہ نہیں ہوتی ہے۔ اس کے وجود کا ضامن اس کا نظریہ، اس کی بقاء کا محافظ اس کا عقیدہ ہوتا ہے جو اسے مرکز کی طرف کھینچے رکھنے کے لیے کشش ثقل کا کام دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر مذہب نے اتحاد و یکجہتی کو قوت کا سرچشمہ گردانا ہے۔ خود رب کائنات نے قرآن پاک میں اس اہمیت کو یوں بیاں فرمایا:

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا

(سورۃ آل عمران آیت:۱۰۳)

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو''۔

اسلام انسان کی کمزوریوں کا مداوا اتفاق و اتحاد میں ڈھونڈتا ہے جس طرح تسبیح کے دانے جب ایک دھاگے میں پڑوئے ہوئے ہوں تو وحدت کے غماز ہوتے ہیں۔ اگر بکھر جائیں تو نہیں چننا دشوار ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہاتھ کی کھلی انگلیاں ہوں تو بے قوت اگر باہم متحد ہوں تو دندان شکن مکا بن جاتی ہیں۔

اسی طرح محمد ﷺ عربی نے متفرق قبائل عرب کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کر کے ملت بیضا کی قوت سے سرفراز کیا۔ انفرادیت کے حصار سے نکال کر اجتماعیت سے آشنا کیا علاقائی اور نسلی تعصب سے نکال کر خیرامت کا مقام دلایا۔ بکھرے ہوئے قبائل کو باہم شیر و شکر کر کے ایک عقیدے اور ایک نظریے پر اکھٹا کیا اور پھر تاریخ میں اسے وہ مقام دلایا۔

گڑھے میں کرنا ان کا مقدر ٹھہرا۔

آج دشمن ہماری صفوں میں نااتفاقی، انتشار اور تخریب کاری کے بیج بونے میں کامیاب

ہوگیا ہے۔اس نے ہماری کمزوریوں کو بھانپ لیا ہے۔وہ کبھی علاقائی تعصّبات کی آگ بھڑکاتا ہے تو کبھی مذہبی منافرت کو ہوا دیتا ہے کبھی نسلی بتوں کو سجا کر سامنے لاتا ہے تو کبھی پٹھان، پنجابی ،سندھی اور بلوچی کی عصبتوں کو اجاگر کرتا ہے۔مگر صدر گرامی! ہم کیوں دشمن کے جال میں پھنس رہے ہیں ہم کیوں اس کی ریشہ دوانیوں کو شکار ہو رہے ہیں۔ہمیں ہمارے دین نے اخوت کے رشتوں میں جوڑا ہے ہمارے گردو پیش انفس وآفاق کی تمام اشیاء ہمیں اتفاق واتحاد میں مضبوطی ، پائیداری اور خوشحالی کا درس دیتی ہیں۔

مناظر فطرت پر نظر ڈالیے قطروں کے ملاپ سے سمندر بنے، ریت کے ذریعے اکھٹے ہوئے تو ریگستان بنے، سنگریزے جمع ہوئے تو کہسار بنے، تال اور سر میں توازن وآہنگ پیدا ہوا تو نغمات گونجے، پتیوں کی ترتیب وتنظیم وجود میں آئی تو پھول بنے جوحسن فطرت کے عکاس اور اتحاد فطرت کے غماز ہیں۔آج ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ اخوت و بھائی چارے کی فضا کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اتحاد واتفاق کے ثمرات سے بہرہ مند ہوسکیں۔آج ہمیں اعتصام بحبل اللہ کے ذریعے پھر سے شیرازہ بندی کی ضرورت ہے تاکہ ہم عظمت رفتہ کو حاصل کرسکیں۔آج ہمیں پھر نسلی ، لسانی اور علاقائی تعصّبات سے بلند تر ہوکر دین مبین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اتفاق کے ثمرات سے متمتع ہوسکیں ہر فرد اخوت اور بھائی چارے کے جذبات سے لبریز ہو۔تاکہ قوم مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوکر قومی مقاصد حاصل کرسکے اور فرد قوم سے وابستگی کے فوائد حاصل کرسکے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جس نے عرب کے بدو لوگوں کو بھی محبت اور الفت کے رشتوں میں جوڑا تھا۔معمولی معمولی باتوں پر قتل و غارت کرنے والے قبائل کو باہمی شیر وشکر

کیا۔ جب متحارب قبائل نے دین حق کو قبول کیا تو مواخات مدینہ کا منظر دنیا نے دیکھا۔ انصار مدینہ نے مہاجرین کو سینے سے لگایا۔ نصف مال و دولت پیش کیا۔ نسلی برتری اور تفاخر پر لڑنے والوں کو نئی حقیقت سے آشنا کیا۔

وہ 'اخوا المسلم' کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ وہ اس قولِ پیغمبر ﷺ کی عملی مثال تھے کہ تمام مسلمان ایک جسد واحد کی مانند ہیں اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف پہنچے تو تمام جسم بے قرار رہتا ہے۔ اسلام کا یہ اعجاز آج بھی دنیا کے سامنے ہے کہ تباہی کے دہانے پہنچی ہوئی قوم کو اخوت و بھائی چارے کے ایسے رشتوں میں پرویا اور یگانگت کی ایسی قوت بخشتی کہ ان کے سامنے ایران و روم کے عساکر بھی نہ ٹھہر سکے۔

اس معرکہ حق و باطل کے وقت بھی مسلمانوں نے ادائیگی نماز کا بنیادی فریضہ ہر حال میں انجام دیا۔ انہوں نے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (سورۃ البقرہ۔۴۳)، پر بھی باقاعدگی سے عمل کیا تاکہ اجتماعیت اور مرکزیت کی شان جھلکتی رہے۔ مسجد میں پانچ وقت ایک ساتھ اللہ کے حضور ﷺ کے ساتھ ادائیگی نماز مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لاتی۔ محبت و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے۔ ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک دین کے ماننے والے جب ایک ساتھ قیام و سجود کرتے تو محبت اور احترام آدمیت کے جذبات پیدا ہوتے اور مساوات کا عملی مظاہرہ ہوتا کہ عرب کے بدوؤں کی للکار سے قیصر و کسریٰ کے محلات میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

ہمیں علاقائی، نسلی، لسانی او صوبائی عصبیتوں سے بلند تر ہو کر ملکی اور قومی سوچ کو اپنانا چاہیے۔ ہمیں مہاجر، پٹھان، بلوچی، سندھی اور پنجابی ہوتے ہوئے بھی پاکستانی ہونے پر فخر محسوس کرنا چاہیے۔

جس طرح پھول کی پتیاں بکھر جائیں تو اس کی خوبصورتی معدوم ہو جاتی ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مسلمانوں کو جن عبادات کے بجا لانے کا حکم ملا ان میں ایک اہم رکن اسلام حج ہے ۔سبھی مسلمان ایک ہی لباس پہنے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں سبھی صفاومروہ کی سعی کرتے ہیں ۔سبھی میدان عرفات اور منیٰ میں اللہ کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں ،مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع عالمی اخوات و بھائی چارے کا نادرنمونہ پیش کرتا ہے۔

تاریخ امم یہی بتاتی ہے کہ جب بھی کوئی قوم ترقی کے بام عروج تک پہنچی تو اس کے افراد میں اتفاق واتحاد کی قوت کارفرما تھی اور جب وہ اس خوبی سے محروم ہوئے اور ان میں افتراق وانتشار پیدا ہوا تو پھر ہلاکت وتباہی کے مستحق ہوئے۔

باہمی اخوت و بھائی چارے کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے ۔یہ فرشتوں جیسی نورانی مخلوق کے ہوتے ہوئے خلافتِ ارضی کا تاج پہن کر اس دنیا میں نائب خدا بنا۔تا کہ اللہ کی اس سرزمین میں اخوت و بھائی چارے کی فضا کو پروان چڑھائے۔دکھی انسانیت کے کام آئے،ضرورت مندروں اور حاجت مندوں کی طرف دستِ تعاون دراز کرے اور نہ صرف دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہوکر مسرت اور شادمانی کی کلیوں سے دامن بھرے بلکہ بوقتِ افتادِخارزاررراستوں پر بھی دستگیری بہم پہنچائے۔

بزرگ فرماتے ہیں:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

تخلیق جن وانس کا مقصدربِ ذوالجلال نے قرآنِ پاک میں یوں ارشادفرمایا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

(سورۃ الذاریت،آیت۵۶)

ترجمہ:’’جنوں اورانسانوں کو(اس دنیا میں) عبادت کے لیے پیدا کیا گیاہے۔‘‘

عبادت نام ہے ان حقوق کے بجا لانے کا جو خالق نے بندے پر واجب قرار دیے ہیں یہ حقوق، حقوق اللہ کہلاتے ہیں اور کچھ حقوق العباد۔ بندہ کبھی خدا کی بندگی بجا لاتا ہے تو کبھی بندگانِ خدا سے پیار کا اظہار کرتا ہے۔ کیوں کہ بندوں کا باہمی پیار ہی دنیا کی زندگی کو رشکِ خلد بریں بنا سکتا ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نہ کہا تھا:

آج وہ جذبے ہمارے دلوں سے کیوں رخصت ہو گئے جو حصولِ آزادی کے وقت نئی تحریک اور نئے عزم سے آشنا کرتے تھے اور جب سے ان کے اشعار سن کر نئے ولوے پیدا ہوتے تھے:

جاگنے والے جاگ رہے تھے اک سحر کی خواہش میں
سوچ رہے تھے سوچنے والے جب اشکوں کی بارش میں
آنکھوں سے جو آنسو ٹپکا وہ بھی ایک شرارہ تھا
پاکستان سے پہلے بھی یہ پاکستان ہمارا تھا

آج کے بلند و بالا ایوانوں میں بیٹھنے والے اربابِ اختیار سے کوئی یہ سوال پوچھے کہ اس ملک میں بسنے والے غریب پاکستانی کو آپ نے کیا دیا جس کی بیٹی کو دن دیہاڑے غنڈے اٹھا کر لے جاتے ہیں اس کی عصمت کو تار تار کرتے ہیں۔ قانون کا مذاق اڑاتے ہیں، غریب کی بے بسی پر قہقہہ زن ہوتے ہیں اور اظہارِ خوشی میں کلاشنکوف کے فائر کر کے رقص کناں ہوتے ہیں اور جب ان اوباشوں کی طرف محافظینِ قانون کے قدم بڑھتے ہیں تو حرام کی کمائی ہوئی دولت سے انھیں خرید لیا جاتا ہے۔ وہ اپنی جیبیں بھر کر تو ند نکالے الٹا ستم زدہ غریب والدین کو نشانۂ ستم بناتے ہیں اور مظلوم بیٹی اپنے ناخداؤں سے جب انصاب طلب کرنے میں ناکام ہوتی ہے تو مارے شرم کے کبھی نہر میں چھلانگ لگا کر اور کبھی پھانسی کا پھندا گلے میں ڈال کر اپنی غیرت کا ثبوت دیتی ہے اور اس پاک دھرتی کی غیور بیٹی کی یہ خودکشی صاحبانِ اقتدار سے یہ سوال کرتی ہے کہ حوا کی بیٹی کی تذلیل پر کیوں کوئی غیرت کا اظہار نہیں کرتا۔ بے بسی اور لاچارگی کی ان دلروز چیخوں پر حکمرانوں کا دل کیوں نہیں لرزتا۔

جب مظلوموں کو انصاف نہیں ملتا تو غریب کی دعا عرشِ معلی کی طرف جاتی ہے۔

مظلوم کی بے بسی کو دیکھ کر عزتِ خداوندی جوش میں آتی ہے اور عنان اقتدار نا اہل اور بے حس حکمرانوں سے چھین لی جاتی ہے۔تاریخ اپنے فیصلے کو پھر دُہراتی نظر آتی ہے۔مگر جنابِ صدر! تاریخ کی مسلمہ حقیقت یہی ہے کہ حکمرانوں نے کبھی بھی تاریخ سے سبق نہیں سیکھا۔ حضرت عمرؓ تو احساسِ ذمہ داری سے سرشار ہو کر یہ اعلان کریں کہ نیل کے ساحل پر اگر کتا بھی بھوکا مرے تو عمرؓ اس کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔لیکن ارضِ پاک کے تخت پر بیٹھنے والے بھوک سے خودکشی کرنے والے انسانوں پر ٹس سے مس نہ ہوں۔تعجب ہے! وہ اسلام کے اس اصول کو کیوں بھلا دیتے ہیں کہ سیّد القوم خادمہم کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فرائض سے غفلت برتنے پر جب قہرِ ربی ان پر نازل ہوتا ہے اور محرومِ اقتدار ہوتے ہیں تو پھر ہیومن رائٹس اور بنیادی انسانی حقوق کا ورد کرتے ہیں۔کاش زمانۂ اقتدار میں انھیں انسانی حقوق کی پاس داری ہوتی۔

آج کے پاکستان پر نظر ڈالتا ہوں تو سوائے مایوسی اور ناکامی کے کچھ حاصل دکھائی نہیں دیتا۔تحریکِ پاکستان کا وہ جذبہ، تخلیقِ پاکستان کا وہ مقصد اور استحکامِ پاکستان کی وہ کوشش مقصود دکھائی دیتی ہے۔ ہماری گزشتہ زندگی کے واقعات کی روداد خودغرضیوں، سازشیوں اور فریب کاریوں کی ایک طویل داستان ہے اور اس کی اہم وجہ اسلام اور تعلیماتِ اسلامی سے روگردانی ہے زبانی طور پر تو ہم نے نفاذِ اسلام کے بلند بانگ دعوے کیے لیکن عملاً ہم نے اسلام کو ملک میں رائج نہیں کیا۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بہ حیثیت پاکستانی مجھے اپنے معاشرے میں پائی جانے والی بے چینی اور اضطرابی کیفیت پر حد درجہ دکھ ہوتا ہے۔ بہ حیثیت قوم ہم سماجی اور معاشرتی برائیوں کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ کرپشن، رشوت ستانی، بددیانتی اقربا پروری، اسمگلنگ، چور بازاری، ٹیکس نادہندگی اور زر پرستی نے ہمیں مقامِ آدمیت سے گرا دیا ہے عام آدمی سے لے کر لیڈر تک اس ملک کے وسائل پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔صاحبانِ اقتدار نے بینکوں سے زرِ کثیر نکال کر بیرونی ممالک کے

بینکوں میں جمع کروالی ہے وہ اپنی آئندہ نسلوں کا مستقبل روشن بنانے کے لیے ملکی وسائل پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ پاکستان کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔لیکن بدقسمتی سے ہم نے گزشتہ سالوں میں سنجیدگی سے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں وہ اخوت اور بھائی چارے کی فضا پیدا نہ ہوسکی جو من حیث القوم ہمیں یک جہتی، اتحاد اور باہمی یگانگت سے ہم کنار کرتی۔اس کا نتیجہ آج ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ ہماری مساجد اور امام بارگاہ ہیں خونِ مسلم سے رنگین نظر آتی ہیں۔ وہ عبادت گاہیں جو جائے امن اور سلامتی ہوتی تھیں آج فرقہ واریت کے تشدد کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔آج اغیار قہقہہ زن ہیں کہ یہ اسلام کے نام لیواؤں کا وطن ہے جہاں مسلمان مسلمان کے خون کا پیاسا ہے۔ہم کیوں آزادی کی اس طویل جدوجہد کو بھول گئے جو اس ملک کے حصول کے لیے شروع کی گئی تھی۔

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

حصول پاکستان کا مقصد ایک ایسے آزاد ملک کا حصول تھا جہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق معاشرے کی تعمیر ہوسکے۔ جہاں پر شہری اللہ اور اس کے رسول کا سچا وفادار ہو۔ جہاں اخلاقی اقدار کو بالا دستی حاصل ہو۔ جہاں فرد کے حقوق کی پوری حفاظت ہو، جہاں بنیادی انسانی حقوق کا پورا تحفظ ہو، جہاں پر مرد اور عورت کی عزت وآبرو محفوظ ہو، جہاں قانون کی حاکمیت ہو، جہاں امیر وغریب کے ساتھ انصاف روا رکھا جائے، جہاں معاشی لحاظ سے تمام شہریوں کو مساوی مواقع میسر ہوں، جہاں عدل اجتماعی کا بول بالا ہو اور جہاں کوئی شہری قانون سے ماورا اور بلند تر نہ ہو۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مقاصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے جو ڈالر قرضے کی صورت میں لیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر بیرونی ممالک کے بینکوں میں ان کے کھاتوں میں جمع ہوجاتے ہیں۔قوم کا بچہ بچہ قرضے کے جال میں پھنسا ہوا ہے لیکن اربابِ بست وکشاد دیارِ غیر میں محلات خرید رہے ہیں۔

آج معاشرے کے کسی طبقے پر نظر ڈالیں آپ کو خودغرضی، مفاد پرستی اور زر پرستی کے علاوہ

کچھ نظر نہیں آئے گا۔ مادیت کی یلغار نے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔ ذرا نظامِ تعلیم، حالت زار دیکھیے۔ آج کا طالب علم اور استاد دونوں اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں۔ طالب علم محنت کے بغیر نقل کے ذریعے امتحان پاس کرنے پر تلا ہوا ہے اور استاد جس نے پڑھانے اور تعمیرِ کردار کا اہم فریضہ انجام دینا ہے، ٹیوشن کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔ وہ طالب علم کی نظروں میں وہ مقام پیدا نہ کر سکا جو معلمِ اخلاق اور معمارِ قوم کو زیب دیتا تھا۔ ایسے حالات میں تحصیلِ علم کا جذبہ مقصود ہوتا چلا گیا۔ اسے تن آسانی، عیش طلبی اور سہل پسندی نے جہادِ زندگانی میں آگے بڑھنے کے حوصلے سے محروم کر دیا۔ وہ اسلامی قدریں جو تعمیرِ کردار کے لیے ضروری تھیں ناپید ہوگئیں۔

پاکستان اور افغان مہاجرین کا مسئلہ

پاکستان میں افغان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ یوں تو افغانستان کے اپریل ۱۹۷۸ء کے کمیونسٹ انقلاب کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، لیکن اس میں شدت دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان کے خلاف روس کی مسلح جارحیت کے بعد پیدا ہوئی۔ مجاہدین کے خلاف سخت فوجی کارروائی کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ افغان باشندے بے گھر ہوئے اور ہر ماہ ہزاروں کی تعداد میں نقل مکانی کر کے ہمسایہ ممالک ایران اور پاکستان میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو رہے تھے۔ اور بہت سے ابھی تک در بہ در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں جب کہ تقریباً پندرہ لاکھ مہاجرین واپس جا چکے ہیں۔ مہاجرین کی آمد کے اس لامتناہی سلسلے سے بلاشبہ پاکستان کی معیشت متأثر ہوئی تھی اس کے باوجود پاکستان انسانی ہمدردی اور اسلامی بھائی چارے کے جذبے کے تحت ان کی مقدور بھی مدد کی تھی اور ان کے لیے خوراک، رہائش اور علاج کا انتظام کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ افغان مہاجرین کی مدد کے لیے اقوام متحدہ کا ہائی کمیشن برائے مہاجرین (یو این ایچ سی آر) کئی دوسرے عالمی وقومی ادارے اور مختلف حکومتیں بھی امداد فراہم کرتی رہیں لیکن یہ اعداد مہاجرین کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کے مسائل کے مقابلے میں ناکافی تھی تاہم پاکستان اس امداد اور اپنے داخلی وسائل سے آفت رسیدہ افغان بھائیوں کی بھرپور مدد کرتا رہا تھا۔

خیمہ بستیاں:

اتنی بڑی تعداد میں بے خانماں لوگوں کی آباد کاری بلا شبہ بہت بڑا مسئلہ تھا اور بالخصوص اس صورت میں جب کہ دنیا کے دیگر ممالک کے مہاجرین کے برعکس افغان مہاجرین اپنے خصوصی قبائلی رسم و رواج کے باعث روایتی قسم کے مہاجر کیمپوں میں رہنے کے لیے آمادہ نہیں تھے چناں چہ کافی غور و خوض کے بعد ان کے لیے خیمہ بستیاں آباد کرنے کی سکیم پر عمل درآمد شروع کیا گیا تھا۔ پہلے مرحلے پر شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان کے لیے بالترتیب ستاون اور تیس خیمہ بستیاں آباد کی گئیں تھیں۔ منصوبے کے مطابق ہر ایک خیمہ میں آب رسانی، صحت و صفائی، مسجد اور پرائمری اسکول کی سہولتیں فراہم کرنے کی تجویز تھی۔ ہر خیمہ بستی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔

ظاہر ہے کہ پندرہ لاکھ سے زائد تعداد میں مہاجرین کی آباد کاری کی راہ میں حائل مالی دشواریوں سے عہدہ برآ ہونا پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے بس کا روگ نہیں تھا۔ خیمہ بستیوں کا منصوبہ لاکھ اچھا سہی لیکن وسائل کی کمی کو ہر طور پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ چناں چہ حکومتِ پاکستان نے مہاجرین کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ دونوں صوبوں میں مناسب جگہوں پر سرکاری زمین پر اپنی مدد آپ کے تحت کچے مکان بنا سکتے ہیں۔ ایسے مکانوں کی چھت ڈھانپنے کے لیے سرکاری طور پر ترپال کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا تھا۔ بلوچستان میں غیر آباد وسیع سرکاری رقبے کی موجودگی کے باعث مہاجرین نے اس اجازت سے خاطر خواہ طور پر فائدہ اٹھایا تھا جب کہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں مناسب سرکاری اراضی کی قلت کے سبب یہ پیش کش بے اثر رہی تھی۔

دونوں صوبوں میں مہاجرین کی ایک بڑی تعداد تا دمِ تحریر اپنے طور کہیں نہ کہیں سر چھپائے ہوئے ہیں۔ مہاجر ٹک کر ایک جگہ بیٹھنے کی بجائے موسمی تغیرات کے ساتھ ساتھ ٹھکانے بھی بدلتے رہتے تھے۔ مال مویشیوں والے بالعموم چراگاہوں کی تلاش میں رہتے تھے جہاں کچھ سبزہ دیکھا چند دن گزار لیے اور پھر آگے چل دیتے تھے۔

طبی سہولیات:

افغان مہاجرین کو علاج معالجہ کی سہولتیں فراہم کرنے میں حکومت کو گوناگوں مشکلات کا سامنا تھا یاہم اپنی مدد آپ اور بیرونی ایجنسیوں کے تعاون سے اس سلسلے میں کافی کچھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عالمی ادارہ صحت:

(i) عالمی ادارۂ صحت کے زیرِ اہتمام پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو حفاظتی ٹیکے لگائے گئے تھے۔

(ii) ملیریا سے بچاؤ کے لیے اکتوبر ۱۹۸۰ء تک مہاجرین کی بستیوں میں ایک دفعہ سپرے کیا جاچکا تھا اور ہر چھ ماہ بعد سپرے عالمی ادارۂ صحت کے پروگرام میں شامل تھا۔

آب رسانی:

شمال مغربی سرحدی صوبہ میں آباد مہاجرین کو پینے کا پانی فراہم کرنے کی غرض سے جون ۱۹۸۰ء میں یونیسیف نے حکومتِ پاکستان کے اشتراک سے پینسٹھ لاکھ ڈالر مالیت کے ایک مرحلہ وار منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا گیا تھا اس منصوبہ کے لیے سرمایہ کی فراہمی یونیسیف کے خصوصی نمائندے شہزادہ طلال بن عبدالعزیز کی کوششوں کی مرہونِ منت تھا اور زیادہ عطیات خلیج کی ریاستوں کی طرف سے آئے تھے۔

مہاجرین کے لیے انتظامیہ کی تنظیمِ نو:

۱۹۸۰ء کے اواخر تک ضلعی اور مقامی انتظامیہ مہاجرین سے متعلق امور کی نگہداشت کرتی رہی تھی لیکن ان کی روزِ افزوں تعداد نے طرح طرح کے انتظامی مسائل کو جنم دیا اور ان سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہونے کے لیے اقوامِ متحدہ کے کمیشن برائے مہاجرین اور حکومتِ پاکستان نے باہمی اشتراک سے مہاجرین کی بستیوں کے لیے الگ انتظامیہ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جس کے خدوخال درج ذیل تھے۔

(i) مہاجربستی:

پانچ ہزار نفوس کے لیے ایک مہاجر بستی ہوگی مجوزہ ڈھانچے میں اسے بنیادی انتظامی یونٹ کی حیثیت حاصل تھی۔

(ii) مہاجر ایریا:

دو تا پانچ مہاجر بستیوں پر مشتمل انتظامی یونٹ مہاجر ایریا کہلاتا تھا۔

(iii) مہاجر بستیوں اور مہاجر ایریا کی انتظامیہ ضلع/ایجنسی ایڈمنسٹریٹر کے ماتحت کام کرتی تھی۔

(iv) شمال مغربی سرحدی صوبہ میں کمشنر برائے مہاجرین، گریڈ انیس کے تین ایڈیشنل کمشنر صاحبان کی مدد سے حسبِ سابق فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ بلوچستان میں کوئٹہ ڈویژن کے کمشنر، کمشنر برائے مہاجرین کی اضافی ذمہ داری بھی ادا کرتے تھے۔ فرائض کی انجام دہی میں گریڈ انیس کے دو ایڈیشنل کمشنر صاحبان ان کے معاون تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نظم ونسق اور سکیورٹی اور دوسرے مہاجرین کی بحالی، آبادکاری اور امدادی سامان کی تقسیم جیسے امور کے انچارج تھے۔

منتظم دیہہ:

نئے منصوبہ کے تحت مہاجرین کی آبادی کو پانچ پانچ ہزار نفوس پر مشتمل یونٹوں میں تقسیم کیا تھا۔ طبی اور تعلیمی معاملات میں خودکفیل اس طرح کی ہر ایک بستی کا انتظام چلانے کے لیے متعین ہونے والے شخص کو ''منتظم دیہہ'' کہا جاتا تھا۔ اور یہ سولہ گریڈ کا افسر تھا۔ اس کا عملہ سولہ افراد پر مشتمل تھا اور ملحقہ محکموں کے بارہ افراد بھی براہِ راست اس کی زیرِ نگرانی کام کرتے تھے۔

فرائض:

اس کے فرائض حسبِ ذیل تھے۔

(i) دیہہ کے نظم ونسق اور ماتحت عملہ کی کارکردگی کی مکمل ذمہ داری۔

(ii) بالائی دفتر سے موصول ہونے والی امدادی اشیا اور رقوم کی ہر ماہ کی دس تاریخ سے بیشتر

تقسیم۔

(iii) امدادی اشیا کی تقسیم کا باقاعدہ حساب اور ریکارڈ کی تیاری۔

(iv) مہاجرین کی رجسٹریشن اور انھیں پاس بکوں کی فراہمی۔

(v) کیمپ اور زیرِ انتظام دیہہ کی صحت وصفائی کی ذمہ داری۔

(vi) بالائی دفتر کے استعمال کے لیے مطلوبہ اعداد وشمار کی فراہمی۔

کابل حکومت نے مہاجرین کے مسئلہ کے بارے میں کبھی سنجیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا اس کے ذرائعِ ابلاغ مسلسل یہ تأثر دیتے تھے کہ ہجرت کر کے آنے والے افغان باشندے پاوندے ہیں اور ہمیشہ سے پاکستان جاتے رہتے تھے۔ سردیوں کے موسم میں بہ غرضِ مزدوری پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے افغان باشندے گرمیوں میں وطن واپس ہو جاتے تھے اور حکومتِ پاکستان نے بلاوجہ انھیں کیمپوں میں روک رکھا تھا لیکن کابل حکومت کے اس دعویٰ کی نفی اس کے متعدد اعلانات سے ہو جاتی تھی جو وہ مختلف اوقات میں پاکستان میں پناہ گزین مہاجرین کی معافی کے سلسلے میں کرتی تھی۔ اور پھر حکومتِ پاکستان کے وضاحتی بیان نے بھی کابل حکومت کے پراپیگنڈے کی قلعی کھول دی تھی کہ بہ غرضِ مزدوری پاکستان آنے والے افغان پاوندوں کی تعداد کسی برس بھی چالیس ہزار سے نہیں بڑھی اور موجودہ حالات میں پندرہ لاکھ کے لگ بھگ افغان باشندوں کی پاکستان میں موجودگی کو پاوندوں کی محدود تعداد پر محمول کرنا انتہائی گم راہ کن تھا۔ پاوندے حسبِ معمول اب بھی پاکستان آرہے ہیں لیکن ان کا طریقہ افغان مہاجرین سے مختلف ہے وہ اپنے مال مویشی کے ہم راہ پاکستان آتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ خود کفیل ہوتے ہیں اپنے آپ کو مہاجرین کے طور پر رجسٹر نہیں کراتے اور اپنی محدود مادی ضروریات محنت مزدوری اور مویشیوں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے پوری کر لیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد نے حکومتِ پاکستان کے لیے متعدد دشواریاں بھی کیں تھیں۔ جہاں تک اشیائے خوردنی کا تعلق ہے اس کا بیشتر حصہ بیرونی ممالک سے امداد کی صورت میں آتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہر مہاجر کو پچاس روپے ماہوار ملنے والی نقد امداد حکومتِ پاکستان کے خزانے سے ادا کی جاتی تھی جو دسمبر ۱۹۸۰ء کے اعداد وشمار کے

مطابق سات کروڑ روپے ماہوار بنتی تھی۔ مہاجرین کی تعداد میں اضافہ کی شرح اسّی ہزار نفوس ماہوار کے لگ بھگ تھے اور یوں حکومت کے خزانے سے ادا کی جانے والی امدادی رقم میں اس شرح سے اضافہ بھی ناگزیر تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے حکومتِ پاکستان کے لیے اس ذمہ داری کو غیر معینہ مدت تک نبھانا خاصا مشکل تھا۔ بعض علاقوں میں مہاجرین کے تعداد مقامی آبادی سے بھی بڑھ گئی تھی۔ مثال کے طور پر اوائلِ جنوری ۱۹۸۱ء میں پشاور شہر اور گردونواح میں پونے تین لاکھ مہاجرین موجود تھے جن میں سے دو لاکھ کیمپوں میں اور پچھتّر ہزار کے قریب شہر میں اپنے عزیزوں کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ صوبۂ سرحد اور صوبۂ بلوچستان کے بعض اور مقامات پر بھی اس قسم کی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ اس سے طرح طرح کے سماجی مسائل پیدا ہوئے اور بعض جگہ تو امنِ عامہ کے خطرے میں پڑنے کے واقعات بھی وقوع پذیر ہوئے تھے۔

بیشتر مہاجرین مویشی ہم راہ لائے تھے اور ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد مہاجرین کی تعداد سے دگنی تھی اس کثیر تعداد میں مویشیوں کی آمد سے دو طرح کے اثرات مرتب ہوتے تھے ایک تو یہ کہ یہ مویشی مہاجرین کی غذائی اور علمی ضروریات پوری کرتے تھے اور مقامی منڈیوں میں بک کر اندرونِ ملک گوشت کی قلت کا کسی قدر مداوا کرتے تھے یہ مثبت اثر تھا لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ ان لاکھوں جانوروں کی موجودگی سے مقامی چراگاہوں اور جنگلات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ رہا تھا اور مقامی آبادی کے مال مویشی کے لیے چارے کی قلت محسوس ہونے لگی تھی۔

مہاجرین جلانے کے لیے لکڑی استعمال کرتے تھے اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کو ایندھن کی فراہمی سے بھی جنگلات کو شدید نقصان پہنچ رہا تھا۔ اگرچہ حکومت اقوامِ متحدہ کے کمیشن برائے مہاجرین کے تعاون سے کٹے ہوئے درختوں کی جگہ نئے پودے لگا کر اس کی کمی کو پورا کرنے کے منصوبہ پر عمل کر رہی تھی لیکن تجربہ شاہد ہے کہ نئی شجر کاری کوئی آسان کام نہیں اور پھر ان میں سے کتنے پودے سرے چڑھتے تھے ملک میں جنگلات کی قلت کے پیشِ نظر یہ مسئلہ خصوصی توجہ کا مستحق تھا۔

اس میں شک نہیں کہ غیر ملکی جارحیت کے نتیجے میں مہاجرین نے مجبوراً گھروں کو چھوڑا تھا اور ارضِ پاک میں پناہ گزین ہوئے تھے لیکن قرائن بتاتے تھے کہ مخصوص سماجی پس منظر کے حامل یہ لوگ غیر معینہ مدت تک کیمپوں میں پڑے رہنے کو بہ خوشی تیار نہ تھے۔کیمپ کی زندگی کے مسائل و مشاہدات ان میں بے چینی اور جھنجھناہٹ پیدا کرتے تھے انھیں اس نوبت کو پہنچانے میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ ہم تو ان کی حتی المقدور دستگیری کر رہے تھے۔ جارح کی خلاف تو وہ پہلے ہی برسرِ پیکار تھے لیکن یہ امر بعید نہیں تھا کہ ذہنی خلجان کی سی کیفیت کا شکار یہ آفت رسیدہ لوگ میزبان کو بھی آنکھیں دکھانے لگے تھے۔

علاوہ ازیں لاکھوں کی تعداد میں آنے والے مہاجرین میں پاکستان دشمن قوتوں کے گماشتوں کی موجودگی کو بھی بعید از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اور وہ اس محفوظ ترین روپ میں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے خلاف سازش میں مصروفِ عمل ہو سکتے تھے۔سب سے اہم اور آخری بات یہ تھی کہ اس مسئلے کو پاکستان کے لیے سیاسی دشواریاں پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا تھا یہ امر تو اظہر من الشّمس ہے کہ پاکستان نے ان آفت رسیدہ بے خانماں مسلمان بھائیوں کو محض انسانی ہم دردی کے جذبے کے تحت پناہ دی تھی لیکن اسے کیا کہیے کہ مخالف حلقے اسے کابل دشمنی سے لے کر ماسکو کے خلاف سازش تک نہ جانے کیا کیا نام دے رہے تھے۔ان حلقوں کی طرف سے پاکستان پر الزام لگایا جا رہا تھا کہ وہ افغان مجاہدین کو کابل انتظامیہ کے خلاف لڑنے کے لیے اسلحہ اور تربیت فراہم کر کے اپریل ۱۹۷۸ء کے انقلاب کو ناکام بنانے کی سازش میں بالواسطہ طور پر شریک تھے اور متعدد بار سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی جا چکی تھیں۔حقیقت حال کچھ بھی تھی لیکن یہ امر واقعہ تھا کہ پاکستان کے سیاسی، معاشی اور جغرافیائی حالات غیر متعینہ اور طویل مدت کے لیے اتنی بڑی غیر ملکی آبادی کی مہمان نوازی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔لہٰذا کوشش یہی تھی کہ ظلم کی چکی میں پسے ہوئے یہ مجبور لوگ جلد از جلد وطن لوٹ جائیں اس کے لیے اقوامِ عالم کو اپنا کردار ادا کرنا تھا اور دیکھنا تھا کہ افغانستان میں سازگار حالات پیدا ہوں۔

افغان مہاجرین کی واپسی کے منصوبے:

دو عشروں تک پاکستان میں تیس لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین قیام پذیر رہے۔ متحدہ روس کے ٹکڑے ہونے کے بعد مجاہدین کے مختلف گروہ آپس میں لڑتے رہے۔ اب بہت سے افغان مہاجرین مختلف وجوہ کی بنا پر واپس جانا نہیں چاہتے تھے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اور مہاجرین کی واپسی کی راہ ہموار کرنے کے لیے حکومتِ پاکستان، اقوامِ متحدہ اور افغان مہاجرین کے بڑوں نے مہاجرین اور پاکستانی عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے ۲۲۰۲ء/ ۲۰۰۱ء میں عوامی بحث مباحثوں کا سلسلہ منعقد کیا۔ یہ مشاورت دو مرحلوں پر مشتمل تھی۔ پہلے مرحلے میں پاکستان اور افغان گروہوں کے درمیان مذکورہ بحث مباحثے منعقد کیے گئے۔ ان مباحثوں کے نتیجے میں حاصل شدہ تجاویز کو پاکستانی فریقوں کے اعلیٰ سطحی اجلاس میں زیرِ بحث لایا گیا۔ وفاقی اور صوبائی دارالحکومتوں میں منعقد ہونے والے ان مباحثوں میں پاکستان اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے تقریباً دو سو مندوبین نے حصہ لیا۔ اس مشاورت کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اہم مسائل اور تجاویز نمایاں ہوئیں۔

افغان مہاجرین کے متعلق بعض لوگوں کے اعتراضات:

اس میں کچھ شک نہیں کہ پاکستانی عوام کی اکثریت اپنے افغان بھائیوں سے اسلام اور پڑوس کی بنیاد پر نہ صرف پیار کرتی ہے بلکہ مشکل کی ہر گھڑی میں ان کا ساتھ دینے کو تیار رہتی ہے۔ تاہم سروے کے دوران پاکستانیوں کی ایک معقول تعداد نے افغان مہاجرین کے پاکستان میں قیام کے بارے میں شدید خدشات کا اظہار بھی کیا جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔

ا۔ افغان مہاجرین کی بڑی تعداد پاکستانی شناختی کارڈ بنوا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ مستقل طور پر یہاں آباد ہو جائیں گے اور ملک پر ایک مستقل بوجھ بن جائیں گے۔

ب۔ یہ لوگ یہاں جائیدادیں خرید رہے ہیں جن میں سے بعض تو اصل قیمت سے کہیں زیادہ ادا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے مارکیٹ میں غیر معمولی تیزی آ گئی ہے جو مقامی آبادی

کے لیے سخت پریشانی کا سبب ہے۔

ج۔ مہاجرین کے پردے میں تخریب کار بھی آ گئے ہیں اور کسی وقت بھی ملک میں تباہی پھیلانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

د۔ افغان مہاجرین کی وجہ سے بدامنی کا خطرہ ہے۔ چوری ڈاکے کی وارداتیں بڑھ گئی ہیں۔ ان میں کچھ افغان ایسے بھی ہیں جو کہ اسلحہ خاص طور پر کلاشنکوف کی اسمگلنگ میں ملوث ہیں جو نہ صرف ملک میں جرائم کی تعداد میں اضافے کا سبب ہے بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں خصوصاً پولیس کے مورال کو بھی پست کر رہے ہیں۔

ح۔ ایک اعتراض بلوچستان میں مہاجرین کی بہت بڑی تعداد میں موجودگی پر بھی کیا گیا ہے۔ کہ ان کی وجہ سے وہاں کی آبادی کا توازن بگڑ چلا ہے اور بلوچوں میں بے چینی پائی جاتی ہے۔

و۔ افغان ماضی میں پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور وہ مستقبل میں بھی پاکستان کی مخالفت کریں گے۔

ز۔ افغان مجاہدین اور مہاجرین پاکستان کے ''بنیاد پرست'' نظریاتی طبقے کے ساتھ مل کر پاکستان کے اندر گڑبڑ کریں گے۔

خ۔ مجاہدین بھارت کے ساتھ مل کر ۱۹۷۱ء میں مکتی باہنی کی طرز پر پاکستان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ط۔ افغان مجاہدین کی وہ تعداد جو فاٹا (FATA) اور پاٹا (PATA) میں مقیم ہے اپنے اردگرد کے علاقوں میں پوست کاشت کر سکتے ہیں جو پاکستان بلکہ دنیا بھر میں منشیات کے لیے استعمال ہوسکتی ہے جس کے نہ صرف برے اثرات آنے والی نسلوں پر پڑیں گے بلکہ اس سے پاکستان کی بدنامی بھی ہوگی۔

پالیسی سازی:

افغان شرکا نے افغان مہاجرین کے معاملات سے متعلق پاکستان کی ترتیب شدہ حکمتِ عملی کے بارے میں اپنے تحفظات کی اظہار کیا۔ پاکستان میں مقیم افغان پناہ گزینوں کے

صورتِ حال سے متعلق پاکستانی حکومت اور سول سوسائٹی اور خود افغان پناہ گزینوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق نظر آیا۔ اکثریت نے یہ بات محسوس کی کہ پالیسی غیر شفاف ہے۔ کبھی اس پر پالیسی ساز اداروں یعنی قومی اور صوبائی اسمبلیوں یا لوکل گورنمنٹ کی سطح پر بحث نہیں کی گئی۔ لازماً وہ ادارے جو پالیسی مرتب کرتے ہیں جن میں حکومت، عطیات دینے والے اور UNHCR شامل نہیں متأثرہ لوگوں کے سامنے جواب دہ نظر نہیں آتے۔ افغان پناہ گزینوں میں حکومتِ پاکستان اور UNHCR کی طرف سے کیے جانے والے اقدام کے بارے میں بہت کم آگاہی پائی جاتی تھی۔ ان مباحثوں کا لبِ لباب یہ ہے۔

پناہ گزینوں کی واپسی:

اگرچہ رائے عامہ اس بات پر سخت اختلاف کا شکار تھی کہ پناہ گزین کہاں رہائش اپنائیں اور کہاں کام کریں لیکن شرکا کی اکثریت پناہ گزینوں کی زبردستی واپسی کے خلاف تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے افغانستان میں ان کے لیے حالات سازگار کیے جائیں۔ پناہ گزینوں کی واپسی میں حائل فوری رکاوٹوں میں جن عوامل کی نشان دہی کی گئی ان میں معاشی وسائل کی کمی، بیرونی افواج کی موجودگی، خطے کی طاقت پر مبنی سیاست اور افغانستان کے اندر عدم تحفظ اور معاشرتی فلاح و بہبود کی کمی شامل ہیں۔ جب کہ انتظامی رکاوٹوں میں افغانستان کے شدید موسم اور دوسری نسل کے افغان باشندوں کی افغان ثقافت اور ریاستی حالات میں شامل نہ ہونے کی رٹ شامل تھیں۔

پناہ گزینوں کے قیام میں تسلسل:

پناہ گزینوں کے پاکستان میں قیام کے تسلسل کے بارے میں کئی متضاد آرا سامنے آئیں۔ اس بارے میں مختلف مشاورتوں میں بہت سے طریقے پیش کیے گئے۔ بہت سے پاکستانی شرکا نے قلیل قومی وسائل کی بنا پر افغانی پناہ گزینوں کے پاکستان میں قیام کے تسلسل کی مخالفت کی۔ انھوں نے مزدوروں کی تنخواہوں میں کمی اور نازک معاشرتی شعبوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا ذمہ دار افغان پناہ گزینوں کو ٹھہرایا انھوں نے کہا چوں کہ امریکا اور اس کے

اتحادیوں نے افغانستان میں نام نہاد جہاد کو بھڑکایا اور وہاں بمباری کی، لحاظہ امریکا اور اقوامِ عالم کو افغان پناہ گزینوں کی ذمہ داری اٹھانا ہوگی اور انھیں دوبارہ بحالی کے مواقع دینا ہوں گے۔ شرکا نے افغان مہاجرین کی پاکستان آمد سے متعلق ۱۹۸۰ء کی دہائی میں دی جانے والی اجہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان ہونے کے ناطے افغان پناہ گزینوں کو مستقل طور پر بسانے کی ذمہ داری پاکستان سے زیادہ تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک پر عائد ہونی چاہیے۔ اس کے برعکس چند پاکستانی شرکا نے مشورہ دیا کہ شہریت کے قوانین کو مدِنظر رکھتے ہوئے سات سال سے زائد قیام کرنے والے افغان پناہ گزینوں کو مستقل شہریت دے دی جائے۔ جب کہ چند شرکا نے پاکستان میں پیدا ہونے والے افغان بچوں کو پاکستانی شہریت دینے کی حمایت کی۔ سیاسی جماعتیں افغان پناہ گزینوں کو شہریت اور ووٹ ڈالنے کا حق دینے کے بارے میں ہمیشہ بٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اس کے بارے میں شکوک وشبہات رکھتی تھیں ایسے علاقے جہاں افغان پناہ گزینوں کی بڑی تعداد موجود ہے خاص طور پر صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے عوامی نمائندے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ افغان پناہ گزین جو کہ صوبائی اور علاقائی وسائل کو براہِ راست استعمال کر رہے ہیں انھیں سیاسی نمائندگی دی جانی چاہیے۔ دوسری سیاسی جماعتیں خاص طور پر صوبہ بلوچستان سے تعلق رکھنے والی جماعتوں سے افغان پناہ گزینوں کی موجودگی کی وجہ سے ابھرنے والے نئے انتخابی اور سیاسی پسِ منظر خدشے کے تحت ان کی جلد از جلد واپسی کے حق میں دلائل دیے۔ مستقل قیام اور شہریت کے حق میں بحث کرتے ہوئے افغان پناہ گزینوں نے اپنے اس مطالبے کو معاشی اور قانونی بنیادوں پر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ خصوصی طور پر غیر مساوی تنخواہوں اور عمومی طور پر افغان پناہ گزینوں سے غیر مساوی رویے کی شکایت کی۔ انھوں نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موجودگی پاکستان حکومت پر بوجھ نہیں ہوگی اگر امیر اور مخیّر افغان غریب اور بے سہارا بیواؤں اور یتیموں کی امداد کے لیے قائم شدہ فنڈ میں اپنا حصہ ڈالیں اور پاکستان حکومت کو تمام ٹیکس ادا کریں۔

سیاسی اقدام:

شرکا کی بڑی تعداد نے انسانیت کے اصول پر مبنی ایک سیاسی حل پر زور دیا۔ کیوں کہ اس

سیاسی بحران کے وجہ ہمسایہ ہندوستان اور مغربی ممالک کی طرف سے افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کو گردانا۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان کھچاؤ کو بھی زیرِ بحث لایا گیا۔ یہ تمام بحث جمہوری طور پر قائم شدہ رائے عامہ اور پر مقصد بات چیت پر مرکوز رہی۔

تجارت اور سرمایہ کاری:

کاروباری حلقوں نے افغانستان کے ساتھ تجارت کی اہمیت اور ہنر مند افرادی قوت کو افغانستان بھیجنے پر زور دیا۔ سیاسی جماعتیں اس نظریہ کی حامی نظر آئیں اور کچھ نے دونوں ہمسایوں کے درمیان نرم سرپر بھی زور دیا۔ حکومتی نمائندوں نے افغان حکومت کی جانب سے پاکستان کے ساتھ تجارت اور سرمایہ کاری کی طرف سست عمل کا شکوہ کیا۔ افغان پناہ گزینوں اور سرمایہ کاروں نے وضاحت دیتے ہوئے بتایا کہ ان کی مبہم قانونی حیثیت اور حکومتِ پاکستان کے تسلسل سے عاری پالیسیوں کی وجہ سے وہ پاکستان میں طویل المدت محفوظ سرمایہ کاری کرنے سے قاصر ہیں۔ افغانستان کے ساتھ کاروبار اور تجارت نہ صرف پیداواری سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے بلکہ دونوں ممالک کے درمیان خیر سگالی کے جذبے کو پیدا کرنے اور خطے میں اچھے تعلقات اور امن قائم کرنے میں مدد دیں گے۔

سفارشات:

اگرچہ مخصوص سفارشات کو مختلف حصوں میں جمع کیا گیا ہے لیکن رویوں اور تعلقات کو بہتر بنانے کی خواہش کا مسئلہ سب سے پہلے آتا ہے۔ جب تک پاکستانی اور افغان خاص طور پر سرکاری سطح پر اچھے رویے نہیں اپناتے باہمی تناؤ اور غلط فہمیاں دور نہیں ہوسکتیں۔ خاص طور پر افغان حکومت کو اپنے ملک میں قائم ہندوستانی قونسل خانوں کی پاکستان میں مداخلت پر گہری نظر رکھنی چاہیے تاکہ دو ہمسایہ ممالک میں تیسرے ملک کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں۔

عوامی حکمتِ عملی اور بحث:

افغان پناہ گزینوں سے متعلق حکمتِ عملی اور بنیاد سے متعلق کھلے بحث ومباحثے بڑھانے

کی ضرورت ہے۔ خود مختار شہری تنظیم کو ادروں کو چاہیے کہ وہ خواہ اداروں یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس بحث کے درجے کو بڑھاتے ہوئے تمام متعلقہ گروپوں کی رائے حاصل کریں۔ حکومت اور بین الاقوامی حلقوں کو چاہیے کہ وہ ایک منظّم طریقے سے سادہ اور عملی اقدام لیں جیسے کہ یہ ایسی تمام معلومات ویب سائٹ پر ڈال دی جائیں۔

اہم ترین اور توجہ طلب اقدامات:

امریکا اس کے اتحادی اور اقوامِ متحدہ کو چاہیے کہ افغان مسئلے کا سیاسی حل نکالیں۔ افغانستان میں معاشی استحکام اور ذرائعِ آمدورفت کی بحالی کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ ملک میں امن و امان قائم کریں اور افغان مہاجرین کے لیے ان کے ملک میں روزگار کے بہتر مواقع مہیا کریں تاکہ یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جاسکیں اور یہ علاقہ پھر سے اپنے بگڑے ہوئے حالات کو بہتری کی سمت گامزن کر سکے۔

○○○

پناہ گزین یا مہاجرین اور اقوامِ متحدہ

پناہ گزینوں کا قانونی مقام:

باہمی مباحثوں میں تین بڑے مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ پناہ گزینوں کی قومیت، پنہا گزینوں کا مقام اور سہ فریقی معاہدہ اور اقوامِ عالم کی ذمہ داری۔ پاکستان نے ۱۹۵۱ء میں منعقدہ پناہ گزینوں سے متعلق کنونشن اور ۱۹۶۷ء کے معاہدوں پر دستخط نہیں کیے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے کسی بھی قانونی مسودہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے پناہ گزینوں کو بعض اوقات قانونی مسائل کا سامنا رہتا تھا۔ افغان شہریوں کو کسی بھی وقت غیر ملکیوں کے رجسٹریشن کے قانون کے تحت گرفتار کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ پولیس کی طرف سے ہراساں کیے جا سکتے ہیں۔ مندوبین نے بین الاقوامی اور علاقائی معاہدوں پر عمل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ پاکستان اور سارک ممالک پر پناہ گزینوں سے متعلق کنونشن کے عدم اطلاق پر شرکا نے انسانی حقوق کے اصولوں سے عمل کرنے کی وکالت کی۔ کچھ شرکا نے یہ مشورہ دیا کہ پناہ گزینوں کو سیاسی نہ سہی کم از کم شہری حقوق دیے جائیں۔ انھوں نے اسے امریکا کے گرین کارڈ سسٹم سے مماثلت دیتے ہوئے اسے تمام پناہ گزینوں کو رجسٹر کرنے کے عمل کے ساتھ منسلک کرنے پر زور دیا۔ تمام شرکا نے سہ فریقی (پاکستان، افغانستان اور اقوامِ متحدہ) معاہدے پر نظرثانی کرنے کے لیے اس میں ترامیم تجویز کیں اور انھیں متعلقہ ممالک میں کھلے مباحثوں کے ذریعے عام

کرنے پر زور دیا۔

اقوامِ متحدہ کا ہائی کمیشن برائے پناہ گزین:

اقوامِ متحدہ کا ادارہ برائے مہاجرین (UNHCR) ۱۴/دسمبر ۱۹۵۱ء کو معرضِ وجود میں آیا جس کا پہلا نام اقوامِ متحدہ کا انتظام برائے امداد و بحالی تھا (United Nations Relief and Rehablitation Administration)۔ اس ادارے کے اختیارات میں شامل ہے کہ وہ بین الاقوامی سطح پر مہاجرین کا تحفظ کرے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے متعلقہ لوگوں، اداروں، ملکوں سے اشتراک عمل کرے۔ اس کا بنیادی مقصد مہاجرین کی بہتری اور ان کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اس ادارے کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس بات کی یقین دہانی کرے کہ کوئی بھی انسان اپنے حقِ ہجرت کو استعمال کر کے دوسری ریاست میں جا سکے اور اس مہاجر کو یہ اختیار ہو کہ اپنی مرضی سے اپنے گھر دوبارہ واپسی کر سکے چاہے وہ اپنے علاقے میں رہے یا کسی تیسرے ملک میں گیا ہو۔ اس ادارے کے اختیارات کو بڑھاتے ہوئے مقامی سطح پر بے گھر ہونے والے افراد کو شامل کیا گیا اور انسانیت کی بنیاد پر ان کو تحفظ دینا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی شامل کیا گیا۔ لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہو گا جو اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے حیثیتِ مہاجرین ۱۹۵۱ء اور ۱۹٦٧ء Protocol، مزید برآں ۱۹٦۹ء میں افریقن یونٹی کنونشن یا کسی اور معاہدے کے تحت اپنے علاقے یا ملک کو چھوڑ دیں مگر اپنے ملک میں ہی رہ رہے ہوں شامل ہوں گے۔ اس وقت یہ ادارہ لبنان، جنوبی سوڈان، چاڈ/دارفر، عوامی جمہوریہ کانگو، عراق، افغانستان، کینیا اور موجودہ طور پر پاکستان کے جنوب مغربی علاقوں میں بے گھر ہونے والے افراد اور مہاجرین کی امداد میں مصروف عمل ہے۔ اس ادارے کو ۱۹۵۴ء اور ۱۹۸۱ء میں اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف میں نوبیل انعام برائے امن سے نوازا گیا۔

موجودہ دور میں مہاجرین (پناہ گزین) کی تعریف:

لوگوں کی ایک علاقے یا ملک سے دوسرے علاقے یا ملک میں کثرت تعداد کے ساتھ نقل و مکانی کے عمل کو ہجرت اور عمل کرنے والوں مہاجرین کہتے ہیں۔ عموماً یہ مہاجرین دو قسم

کے ہوتے ہیں اوّل وہ جو اپنے معاشی حالات کی بہتری کے لیے ہجرت کرتے ہیں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو سیاسی مجبوریوں مثلاً خانہ جنگی۔ مخالفین کی انتقامی کارروائی یا خوف کی وجہ سے ہجرت کرتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی مہاجرین میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ معاشی مہاجرین اپنی خوشی سے رضا کارانہ طور پر ہجرت کرتے ہیں جن کا بنیادی مقصد بہتر روزگار کی تلاش اور اپنے خاندان کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہوتا ہے جب کہ سیاسی پناہ گزین اپنی مرضی کے خلاف مجبوراً نقل مکانی کرتے ہیں جو بعض اوقات محض جان بچانے کے لیے ہوتی ہے۔ اقوامِ متحدہ نے ایسے لوگوں کو اصل پناہ گزین تسلیم کیا ہے ان کی یہ تعریف ۱۹۵۳ء میں جنیوا کے مقام پر پناہ گزینوں سے متعلق منعقدہ ایک اجلاس میں کی گئی تھی۔ لہٰذا اقوامِ متحدہ کے مطابق ایسے لوگ جو نسل، مذہب، قومیت یا سیاسی بنیادوں پر اپنے مخالفین کے ظلم وستم سے تنگ آ کر اپنی جان بچانے کے لیے اپنے آبائی وطن یا علاقے کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں پناہ گزین یا مہاجر کہلاتے ہیں۔

ابتدا میں دوسری جنگِ عظیم کے دوران بے گھر ہونے والے یورپی باشندوں کو پناہ گزین کہا جاتا تھا بعد میں اقوامِ متحدہ کے پناہ گزینوں سے متعلق ۱۹۶۷ء کے اجلاس کے دوران وہ تمام ممالک جنھوں نے اس قرارداد پر دستخط کیے تھے پناہ گزینوں کو تحفظ فراہم کرنے کے پابند بنا دیے گئے۔ تقریباً ایک سو سینتالیس ممالک نے اس قرارداد پر دستخط کیے تھے اور ان ہی ممالک میں سیاسی پناہ گزین عارضی طور پر داخلے اور قیام کا حق رکھتے ہیں۔ تاہم معاشی مہاجرین یہ حق نہیں رکھتے۔

ایک اور امر قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کے مطابق اگر پناہ گزین انٹرنیشنل بارڈر کراس کر کے دوسرے ملک میں نہ جائیں تو وہ پناہ گزین نہیں ہوتے۔ تاہم ان شرائط پر زیادہ عمل نہیں کیا جاتا اور بہت سے ممالک جیسے سوڈان، صومالیہ، سرالیون وغیرہ میں مجبوراً اپنے ہی ملک میں نقل مکانی کرنے والوں کی اقوامِ متحدہ نے بہت مدد کی اور اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طریقے سے نبھائیں تاہم ان لوگوں کو پناہ گزین یا مہاجرین کی بجائے آئی ڈی پیز (Internally Displaced Persons) کا نام دیا جاتا ہے پاکستان میں ۲۰۰۸/۰۹ء میں سوات، باجوڑ اور دیگر مغربی علاقوں سے نقل مکانی کرنے والوں کو بھی یہی نام دیا جاتا ہے۔

اقوامِ متحدہ کا ہائی کمیشن برائے مہاجرین (UNHCR) شروع میں آئی ڈی پیز کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا مگر آہستہ آہستہ عطیات دینے والے ممالک کی تعداد اور رقوم میں کمی واقع ہونا شروع ہوگئی اور اس کے برعکس آئی ڈی پیز کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ جون ۲۰۰۹ء میں ایسے لوگوں کی تعداد کم و پیش تین کڑور (تیس ملین) تک پہنچ گئی اور اقوامِ متحدہ اور دیگر ممالک کے لیے بہت بڑا چیلنج بنتا جا رہا ہے۔ پناہ گزینوں کی ایک اور قسم بے وطن (Stateless people) ہے۔ ان لوگوں کا کوئی ملک اور کوئی قومیت نہیں ہوتی اقوامِ متحدہ کے ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا میں ایسے افراد کی تعداد ایک کڑور بیس لاکھ کے قریب ہے یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۴۸ء میں عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں کم و بیش پچاس لاکھ فلسطینیوں کو اقوامِ متحدہ (UNHCR) پناہ گزینوں کی تعداد میں شامل نہیں کرتا جب کہ ان مظلوموں سے گھر بار چھین لیا گیا اور ان کو پناہ گزین کیمپوں میں دھکیل دیا گیا ان لوگوں کی حفاظت کی ایک اور ایجنسی (UN Relief and Work Agency for Polistaine Refugees) کی ذمہ داری ہے۔

○○○

عصرِ حاضر میں ہجرتوں کی اقسام

1۔ عارضی ہجرت (Migration):

اندرونی ہجرت:

ایک ہی ملک کے اندر ایک شہر سے دوسرے شہر میں ہجرت۔

بیرونی ہجرت:

ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہجرت۔

2۔ عارضی ہجرت (Immigration):

اندرونی ہجرت:

ایک صوبے، شہر یا گاؤں سے دوسرے صوبے، شہر یا گاؤں میں جا کر مستقل رہائش اختیار کرنا۔

بیرونی ہجرت:

ایک ملک یا برِاعظم سے دوسرے ملک یا برِاعظم میں جا کر مستقل رہائش اختیار کرنا۔

مہاجرین کے ظاہری حالات:

مہاجر یا پناہ گزین لفظ ہی ایسا ہے جو جب بھی کسی شخص کے نام کے ساتھ لگتا ہے تو ایک مظلوم، بے بس اور پریشان حال چہرہ خیالوں میں ابھر آتا ہے۔ انسان فوراً اندازہ لگا سکتا ہے کہ مذکور یقیناً زمانے کی صعوبتوں اور قسمت کی نامہربانیوں کے شکار ہوتے ہوں گے۔ نہ جانے اس غریب اور اس کے اہلِ خانہ نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں۔ غسل کے لیے جگہ اور پانی اس غریب کو میسر آیا ہوگا کہ نہیں۔ کیا اس نے کچھ گھنٹے آرام کیا ہے یا مسلسل جاگنے سے اُس کی ہمت جواب دینے لگی ہے۔ یہ ایک حقیت ہے کہ مہاجرین اکثر نہایت خوف کی حالت میں اپنا ملک چھوڑتے ہیں۔ انھیں اپنی جان۔ اموال اور عزت کی سلامتی کے خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ اجنبی سرزمین پر پیش آنے والے مسائل اور چھوڑے جانے والے گھر بار اور دیس کی یادیں اُن کے خیالات میں انتشار پیدا کرتی ہیں۔ خواتین اور بچوں کی موجودگی کنبے کے سربراہ کے لیے ہمیشہ لمحۂ فکر ہوتی ہے یہی تفکرات اُن کے چہرے سے اکثر عیاں ہوتے ہیں۔ طویل سفر کے بعد اُن کے کپڑے میلے اور غذا کی کمی کے باعث اکثر کے چہرے مرجھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کی حالتِ زار اکثر دردِ دل رکھنے والے خواتین وحضرات کو فوراً متوجہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری، غیر سرکاری تنظیموں کے علاوہ سوشل ورکر بھی بڑھ چڑھ کے مہاجرین کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

مہاجرین اپنا گھر بار چھوڑنے پر کیوں مجبور ہوتے ہیں:

تاریخی طور پر مہاجرین بیرونی حملہ آور اور اندرونِ ملک خانہ جنگی کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اکثر وہ لوگ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں جن کا سب کچھ لوٹ لیا جاتا ہے۔ تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے یا پھر وہ اپنی جان بچانے کے لیے گھر بار چھوڑتے ہیں۔ اکثر جنگوں میں متوقع میدانِ جنگ میں بسنے والے لوگوں کو خود اُن کی حکومت محفوظ مقامات پر منتقل ہونے کے لیے نہ صرف مشورہ دیتی ہے بلکہ اُن کی مدد بھی کرتی ہے۔ اِن مہاجرین کی حالت قدرے بہتر ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ دیگر وجوہات درج ذیل ہوسکتی ہیں۔

ا۔ مذہبی بنیادوں پر ملک کی تقسیم جیسے ۱۹۴۷ء میں دوقومی نظریے کی روشنی میں ہندوستان تقسیم ہوا۔اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ۔ ہندو اور سکھ ہجرت کر گئے ۔

ب۔ جب مخالف قبیلہ یا گروپ زبردستی کسی کی املاک اور گھر بار پر قبضہ کر لے۔ جیسے وادی چترال پر حکومت کرنے والے کیلاش قبیلے کو دیر کے لوگوں نے جنگ مسلط کر کے پہاڑوں میں چھپ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

ج۔ قدرتی آفات کے نتیجے میں آنے والی تباہی کی وجہ سے جیسے سیلاب، زلزلہ۔آتش فشاں کا پھٹنا۔سلائیڈنگ اور طوفان وغیرہ۔

د۔ قحط کی وجہ سے غلے کی عدم دستیابی یا اشیا خوردونوش کا قوتِ خرید سے باہر ہونا۔افریقا خصوصاً حبشہ (ایتھوپیا کے باشندے ایسی ہجرت کرتے رہتے ہیں)۔

ر۔ مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لیے اگر ان کو اپنے دیس میں مذہبی فرائض کی ادائیگی میں مشکلات پیدا ہو رہی ہوں۔

و۔ علاقائی، لسانی، فرقہ ورانہ یا مذہبی بنیاد پر فریق مخالف کا نشانہ بننے سے بچنے کے لیے، بعض اوقات مخالفین بندوق کے زور پر دوسرے طبقات کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دورِ حاضر میں مندرجہ ذیل مثالیں اس قسم کی ہجرتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

(۱) روانڈا (افریقا) کے ہوٹوز (Hutus) اور ٹیوٹس (Tutsis) قبائل کی باہمی جنگ کے نتیجے میں لاکھوں افراد کی ہجرت۔

(۲) سابقہ یوگوسلاویہ کے سرب (Serbs)۔ بوسینز (Bosnians) اور کروئٹ (Croats) کی باہمی جنگ کے نتیجے میں لاکھوں افراد کی ہجرت۔

(۳) انگولا میں مختلف قبائل کے درمیان جنگ۔

مہاجرین کہاں جاتے ہیں:

مہاجرین اور تارکینِ وطن لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بہتر روزگار ذریعۂ معاش اور سہولتوں کی فراہمی کے پیشِ نظر ترقی یافتہ ملکوں میں رہائش پذیر ہونا چاہتی ہے۔ تاہم عارضی طور

پر نقل مکانی کرنے والے لوگ اپنے آبائی گھروں کے قریبی ملکوں یا علاقوں میں بے سروسامانی کی حالت میں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس امید پہ رہتے ہیں کہ جیسے ہی ان کے ملک یا علاقے کے حالات سازگار ہوں گے یہ واپس چلے جائیں گے۔ اکثر تو ان پس ماندہ یا ترقی پذیر ملکوں میں جا کر رہتے ہیں جو خود اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے اصلی باشندوں کی فلاح و بہبود کا کام احسن طریقے سے انجام دے سکیں۔ یہ ممالک وسائل کی کمی کے پیشِ نظر آنے والے مہاجرین کی دیکھ بھال کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ پینے کا صاف پانی، بجلی، گیس، صحت اور نکاسی آب جیسی سہولیات سے ان کے اپنی کثیر آبادی محروم ہوتی ہے مہاجرین یا پناہ گزین کو یہ سہولیات کہاں سے فراہم کریں گے۔ موجودہ دور میں پاکستان ان ممالک میں سرِفہرست ہے جس نے ایک طویل عرصے تک افغان بھائیوں کی میزبانی کی، دیگر ممالک میں شام (جہاں پندرہ لاکھ عراقیوں نے پناہ لی) ایران، تنزانیہ اور گنی شامل ہیں امیر ممالک میں جرمنی اور ریاست متحدہ امریکا سب سے زیادہ مہاجرین کو پناہ دینے والے ممالک میں سرِفہرست ہیں۔ تاہم برطانیہ فرانس، یونان، آسٹریلیا، برازیل، کینیڈا، چلی، ڈنمارک، فن لینڈ، ہالینڈ، ناروے اور نیوزی لینڈ بھی دنیا کے مختلف ممالک میں قائم پناہ گزینوں کے کیمپوں سے کوٹے کے مطابق مہاجرین کو اپنے ملک میں قبول کرتے ہیں۔

مہاجرین کا کیمپ:

مہاجرین کا کیمپ اس بستی کو کہتے ہیں جو عارضی طور پر محض اس مقصد کے لیے تعمیر کی جائے جس میں ہزاروں اور بعض اوقات لاکھوں مہاجرین آ کر قیام کر سکیں۔ ان بستیوں میں زیادہ تر خیمے نصب کیے جاتے ہیں اس لیے ان کو خیمہ بستی بھی کہتے ہیں یہ بستیاں حکومتِ وقت۔ اقوامِ متحدہ یا پھر مخیّر حضرات کے تعاون سے وجود میں آنے والی غیر حکومتی تنظیمیں(NGOs) تعمیر کرتی ہیں اور اس کا انتظام وانصرام بھی وہی لوگ یا ادارے کرتے ہیں ان بستیوں کو ایک خاص ترتیب اور طریقے سے تعمیر کیا جاتا ہے تا کہ یہ ایک محدود وقت کے لیے لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ تاہم عام مشاہدے میں آیا ہے کہ ایسی بستیاں جلد ہی گندگی اور حفظانِ

صحت کی بنیادی چیزوں کی عدم دستیابی کا شکار ہوجاتی ہیں۔بعض اوقات تو چھوٹی موٹی بیماریاں بروقت ضروری اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے وبائی شکل اختیار کرلیتی ہیں جو بالآخر انسانی المیے پر ختم ہوتی ہیں ان مسائل کی بنیادی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ کیمپ میں گنجائش سے زیادہ افراد کا رہائش پذیر ہونا۔

ب۔ وسائل اور فنڈز کی کمی کے باعث سہولیات کی عدم فراہمی۔

ج۔ منتظمین یا اہلکاروں کی نااہلی، سستی یا کرپشن کی وجہ سے اخراجات کے باوجود معیاری سازوسامان کی جگہ غیر معیاری سازوسامان کی فٹنگ۔

د۔ وبائی امراض کی روک تھام کے لیے حفاظتی ٹیکوں کی عدم دستیابی یا مہاجرین کو درست طریقے سے ان ٹیکوں کا نہ لگانا۔

ح۔ مہاجرین کا خود سے حفظانِ صحت کے اصولوں کی پاس داری نہ کرنا اور جگہ جگہ کوڑا کرکٹ، غلاظت یا گندہ پانی پھینکنا۔

و۔ قدرتی طور پر وباؤں کا پھوٹ پڑنا جو کیمپ سے باہر والے علاقے سے بھی منتقل ہو سکتی ہیں۔

بعض کیمپ مستقل رہائشی علاقوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں جیسے فلسطین میں بہت کیمپ۔ یہ کیمپ کئی عشروں سے قائم ہیں اور کئی نسلیں ان میں پیدا ہوئیں اور جوانی کے بعد بڑھاپے کی جانب گامزن ہوگئیں۔ایسی آبادیاں یقیناً انسانی بے چارگی اور صاحبِ اختیار لوگوں کی غیر ذمہ داری کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہیں۔اقوامِ متحدہ کی ہدایات کی روشنی میں پناہ گزینوں کے کیمپ میں مندرجہ ذیل چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

ا۔ رہائش کے لیے کمرے یا خیمے۔

ب۔ لیٹرین اور غسل خانے۔

ج۔ پینے اور استعمال کے پانی کا انتظام۔

د۔ بنیادی طبی سہولیات۔

ح۔ وائرلیس سیٹ یا ٹیلی فون وغیرہ۔

میزبان ممالک کا پناہ گزینوں یا مہاجرین کے ساتھ سلوک:

۱۹۵۱ء کے کنونشن کے دوران جن ریاستوں یا ممالک نے پناہ گزینوں کے متعلق قرارداد پر دستخط کیے تھے وہ قانونی طور پر مہاجرین کے تمام حقوق کی حفاظت کرنے کے پابند ہیں۔اس کے مطابق ان ممالک میں جو بھی بطورِ پناہ گزین آئے وہ اس کو واپس اس کے ملک میں نہیں بھیج سکتے خصوصاً جب ان کے ملک میں ان کی جان مال یا آزادیِ اظہار کو خطرہ ہو۔اس کے علاوہ پناہ گزینوں کے سول اور معاشی حقوق بھی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے پراپر کیمپ قائم کیا جاتا ہے۔تاہم بہ ظاہر عارضی طور پر قائم کئے جانے والے کیمپ کئی عشروں سے قائم ہیں جو پناہ گزینوں کو کھلے عام کام کرنے کے بہت کم مواقع مہیا کرتے ہیں۔اس طرح ان کے بچوں کو بھی معیاری تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر ہوتے ہیں بلکہ بعض کیمپوں میں تو بنیادی تعلیم بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق فراہم نہیں کی جاتی۔جس کا نتیجہ کیمپوں اور گردونواح کے علاقوں میں گلی کے جرائم (street crime)۔کم زور صحت اور جنسی بے راہ روی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سے ممالک پناہ گزینوں کو قبول کرتے وقت گھبراتے ہیں۔ اگر قبول کر بھی لیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کو بہت زیادہ آزادی نہ دی جائے اور جتنی جلد ممکن ہو ان کو واپس کر دیا جائے۔یہاں یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ میزبان ممالک کو بھی مہاجرین کے کیمپوں کی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے تنزانیہ کے کیمپوں میں برونڈی سے تعلق رکھنے والے چھاپہ ماروں کی موجودگی کی وجہ سے ان دونوں ممالک کے تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے تھے جو ابھی تک نارمل نہیں ہو سکے ہیں۔

مستقل آباد کاری کے لیے اقوامِ متحدہ کی جانب سے تجویز کردہ حل:

اقوامِ متحدہ کے ادارے یو این ایچ سی آر(UNHCR) کی مہاجرین کی دیکھ بھال، بحالی اور واپسی کے سلسلے میں بے شمار خدمات ہیں دنیا بھر میں جہاں بھی مہاجرین یا پناہ گزین پہنچے یہ ادارہ فوراً ان کی مدد کو پہنچ گیا۔چاہے سخت خانہ جنگی ہو یا دشمن کی گولہ باری، چاہے قدرتی آفات جیسے سومیانی یا دوسرے طوفان، دریاؤں کے بپھرنے سے آنے والے سیلاب، آسمانوں

کی ناراضگی سے پڑنے والے قحط۔ الغرض کسی بھی وجہ سے عوام الناس کو اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو انسانی المیے سے بچنے کے لیےUNHCR فوراً حرکت میں آیا اور ہمیشہ کی طرح پوری جاں فشانی سے مہاجرین کی دیکھ بھال کی۔ میں نے خود بنوں اور نوشہرہ کے گردونواح میں افغان مہاجرین کی بستیوں اور سرالیون (جنوبی افریقا) کے مہاجرین کیمپوں میں اس ادارے کے اہلکاروں کو دن رات پوری لگن سے کام کرتے دیکھا ہے اسی وجہ سے یہ ادارہ پناہ گزینوں کے دیرپا حل کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہے

1۔ میزبان ملک کے باشندوں میں ہمیشہ کے لیے گھل مل جانا

اس تجویز کے مطابق میزبان ملک باہر سے آنے والے مہاجرین کو یہ حق دے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میزبان ملک میں قیام کرسکیں اور وہ مقامی آبادی کا ایک جُز بن جائیں۔ تاہم دنیا کے کم و بیش تمام ممالک اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ مقامی آبادی کی زبردست مزاحمت، پناہ گزینوں کی آبادکاری پر اٹھنے والے بے شمار اخراجات اور مستقبل میں مقامی آبادیوں اور پناہ گزینوں کے درمیان ممکنہ نسلی تصادم ہے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ اس ملک کی جانب سے اخراجات میں اپنا حصہ ادا نہ کرنا ہے جس کی کم زور پالیسیوں یا ناکامی کے باعث یہ پناہ گزین اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اگرچہ ماضی میں افریقا کے مختلف ممالک میں پناہ گزین میزبان ملک کی آبادی میں گھل مل گئے ہیں مگر یہ تمام مقامی آبادی اور پناہ گزینوں کی باہمی رضامندی سے ممکن ہوا اور اس آبادکاری میں حکومتوں کی سطح پر کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

2۔ کسی تیسرے ملک میں پناہ گزینوں کی آبادکاری:

UNHCR کوٹا سسٹم کے تحت مختلف ممالک (تیسرے فریق) میں پناہ گزینوں کی مستقل بنیادوں پر آبادکاری کرواتا رہا ہے۔ مگر اصل میں یہ تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے کیوں کہ دنیا میں صرف نو ممالک جن میں امریکا، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک شامل ہیں تھوڑی تعداد میں پناہ گزینوں کو قبول کرتے ہیں۔ اس لیے یہ تجویز بھی ماضی میں زیادہ کارآمد ثابت نہ ہو

سکی ہے اگر چہ امریکا نے ۱۹۷۰ء کی دہائی ہیں لاکھوں کی تعداد میں ویت نامی پناہ گزینوں کو اپنے ملک میں جگہ دی مگر عراقی پناہ گزینوں کے لیے وہ سرگرمی نظر نہیں آئی لہٰذا ۲۰۰۸ء کے آخر تک صرف بارہ سو اعراقیوں کو اقوامِ متحدہ کے ذریعے امریکا میں پناہ دی گئی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تجویز بھی زیادہ دیرپا حل فراہم نہیں کرسکتی۔

پناہ گزینوں کی اپنے اصل وطن میں واپسی:

درحقیقت ماضی قریب سے لے کر حالیہ واقعات تک یہ تجویز سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ یہ طریقہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اپنایا گیا اور سب سے مقبول اور کارآمد ثابت ہونے والا منصوبہ بن گیا۔ قانونی طور پر پناہ گزینوں کی واپسی اس وقت شروع ہونی چاہیے جب ان کے ملک میں حالات بالکل نارمل ہوجائیں اور ان کی جان و مال کو کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو۔ مگر عملی طور پر ہمیشہ ایسا نہ ہوسکا اور بعض اوقات پناہ گزینوں کی واپسی شروع ہوتے ہی ان کے ملک میں حالات پھر خراب ہوگئے۔ جس سے بعض اوقات واپس گئے ہوئے مہاجرین دوبارہ ہجرت کر کے پرانے کیمپوں کا رُخ کرنے لگتے ہیں۔ خود پاکستان پوری کوشش کے باوجود افغان مہاجرین کو واپس نہ کرسکا۔ تیس لاکھ مہاجرین میں سے کچھ ہی اپنے ملک کو لوٹے تھے کہ ان کے ملک میں حالات پھر خراب ہو گئے اور ابھی بھی تقریباً بیس سے پچیس لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں پھنسے ہوئے ہیں۔

❍❍❍

غیر قانونی تارکینِ وطن

غربت، افلاس، بے روزگاری، علاقے کے بااثر افراد کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بے شمار لوگ دوسرے ممالک کا رُخ کرنے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اچھے مستقبل کی خواہش، بہنوں کی شادی، اپنے بچوں کو بہتر تعلیم کی فراہمی کی خواہش بھی باہر یا ترقی یافتہ ممالک کی طرف جانے کی ایک وجہ بنتی ہے۔ مگر اس راستے میں بڑی رکاوٹ مطلوبہ تعلیم کا نہ ہونا اور قانونی ایمیگریشن کا طویل اور تھکا دینے والا مختلف ممالک کا اپنا اپنا قانونی طریقہ ہے۔ ایسے میں لوگ قانونی راستے اختیار کرتے ہیں۔ غیر قانونی تارکینِ وطن نسبتاً کم روزگار یا کم اجرت دینے والے ممالک سے زیادہ اجرت دینے والے امیر ممالک کی جانب خطرناک، دشوار گزار اور بارودوں، گولیوں کی چھاؤں میں اپنی زندگی داؤ پر لگا کر روانہ ہوتے ہیں۔ ان غیر قانونی تارکینِ وطن کا سفر یا تو سمندر کے راستے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں مکمل ہوتا ہے یا پھر سامان سے بھرے کنٹینروں کے درمیان چھپ کے مکمل ہوتا ہے جو سمندر کی طلاطم خیز موجوں یا خشکی کے راستے پر بنائی گئیں چیک پوسٹوں سے بچ کر اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ بھی جاتے ہیں وہ مقامی افراد اور اس ملک کے متعلقہ سرکاری محکموں سے چھپ چھپ کر زندگی کا بہتر حصہ گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کا ایمپلائیر معاوضہ یا پیکج بہت کم دیتا ہے اور جو تھوڑا بہت پیسا ان کو ملتا ہے وہ قانونی طریقے سے اپنے گھر بھجوا نہیں سکتے۔ مجبوراً حوالہ ہنڈی کے راستے بھجوانا پڑتے

ہیں۔جس میں وہ اکثر خسارے میں رہتے ہیں۔کبھی کم ایکسچینج ریٹ پر پے منٹ اور کبھی دیر سے ادائیگی جیسے مسائل ہمیشہ ان کے ہم سفر رہتے ہیں۔کبھی کبھی ان کے ساتھ فراڈ ہو جاتا ہے اور اپنی پوری رقم سے محروم رہ جاتے ہیں۔میزبان ملک کے شہریوں کو جو سہولیات سرکار کی طرف سے مفت ملتی ہیں۔یہ اکثر ان سہولتوں کو بھی استعمال نہیں کر سکتے ان میں خاص طور پر طبی سہولیات ہیں۔

بلا دستاویزی اور غیر قانونی تارکینِ وطن:

بعض ممالک بلا دستاویز اور غیر قانونی تارکینِ وطن کو الگ الگ کیٹیگری میں رکھتے ہیں۔ ان کے قوانین بھی دونوں کے لیے مختلف ہیں۔ بلا دستاویز تارکینِ وطن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی بھی قانونی دستاویز نہیں ہوتے ہیں اور وہ جعلی ریکروٹ منٹس کرنے والے لوگوں کے ساتھ مل کر یا ان کے ہاتھوں بیوقوف بن کر دوسرے ملک میں چلے جاتے ہیں۔آج سے بیس پچیس سال پہلے پاکستان میں بنگالی، افغانی اور کچھ بہاری اس کیٹیگری میں آتے تھے غیر قانونی تارکینِ وطن ایسے لوگوں کو بعض ممالک کہتے ہیں جو ملک میں داخل تو ویزہ حاصل کر کے ہوتے ہیں مگر واپس نہیں جاتے اور ویزے کی مدت Expire ہونے کے باوجود وہیں رہتے ہیں۔ان کی سزا تھوڑی کم ہوتی ہے مگر زندگی ان کی بھی اس ملک میں ڈر ڈر کر گزر رہی ہوتی ہے۔اکثریت وزٹ ویزہ، کھیلوں کے مقابلوں، علاج معالجے کی وجہ، کاروباری ویزہ پر دوسرے ممالک میں جاتے ہیں مگر ان کے دل میں منصوبہ وہی ہوتا ہے کہ واپس نہیں آئیں گے۔

○○○

ہجرتوں کے اثرات

انسان مدنیت پسند ہے۔اس کے اس احساس نے انسانی زندگی کو رنگین بنایا اور آئے دن اس کو نئے روپ دیے۔ انسانی خواہشات کا جس قدر تجزیہ کیا جائے اس سے یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ مل کر رہنا انسانی شخصیت کی اندرونی آواز ہے۔ اسے حیاتیاتی خواہشات کا نام دیا جائے یا ارتقائی کیفیات کا نتیجہ، بات ایک ہی ہے کہ انسان معاشرت پسند ہے اس کی سب سے بڑی دلیل موجودہ اور قدیم انسانی معاشرے ہیں تہذیب کی رعنایاں ہیں اور تمدن کی ضوفشانیاں ہیں۔ انسان کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات اور ہوس نے ظلم وفساد کے نمونے بھی قائم کیے ہیں قتل وغضب، غارت گری و لوٹ مار، خونخواری و درندگی کا مظاہرہ بھی کیا ہے بستیاں اجاڑی ہیں، کھیتیاں جلائی ہیں، پانیوں کو زہر آلود کیا ہے۔ کیمیائی اور حیاتیاتی زہروں سے ہلاکتوں کے انبار لگائے ہیں لیکن بالآخر نئی معاشرت یا پرانی معاشرت کے تحفظ کے نام پر اجتماعی معاشرت ہی کی طرف آیا ہے اور اسی کے استحکام کو اپنا مقصود بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ظلم وفساد اور خونخواری ودرندگی کے باوجود انسان کے لیے اجتماعیت کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ یہی اس کی شخصیت کا مثبت پہلو ہے جس نے ہر تہذیب کے بعد تعمیر اور ہر فساد کے بعد امن کی صورتیں پیدا کی ہیں۔

ہجرتوں کے معاشروں پر اثرات

انسان کی تہذیبی داستان اور تمدنی سفر میں جن اقوام کو سربلندی حاصل رہی ہے ان میں مصری، یونانی، ہندی، رومی اور ایرانی نمایاں ہیں۔ گو ابتدائی معاشرت کے نمونے اب بھی دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں لیکن جن اقوام نے اپنے اجتماعی نظام قائم کیے ان کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ معاشرت کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ معاشرے بڑے مہذب و متمدن تھے گو ان کے اصول اپنے تھے اور ان اصولوں کے نتیجے میں یا اس سے انحراف کے سبب یہ معاشرے زوال کا شکار ہوئے۔ ان معاشرتی نظاموں میں عدل و انصاف ثقافتی و تمدنی شعور اور علمی و عقلی جدوجہد کے نشانات نظر آتے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر اس وقت ان معاشروں کی تصویر کشی نہیں ہے۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ارتقائی مراحل میں انسان نے کیسے کیسے معاشرے تشکیل کیے ہیں۔

اسلام کے آنے تک دینی و لادینی دونوں اعتبارات سے انسانی اجتماعیت نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ کھویا تھا۔ طالیس سے لے کر ارسطو تک فلاسفہ اور اشوک سے لے کر نوشیروان تک بادشاہوں نے بھی انسانی معاشرت میں اپنا اہم کردار ادا کیا تھا اور معاشرے اجتماعی احساس کے امین تھے۔ اسلام جس وقت رہنمائی کا دعویٰ لے کر آیا اس وقت کئی معاشرے منظّم تھے اور اپنی تاریخ کا عظیم سرمایہ رکھتے تھی۔ گو یہ معاشرے اپنا اجتماعی اثر کھو چکے تھے اور ان کے جسد اجتماعی کو گھن لگ چکا تھا۔ قرآن کے بلیغ ارشاد کے مطابق :۔

ترجمہ: بحر و بر میں فساد رونما ہے (اس کا سبب) لوگوں کے اعمال ہیں۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ انسانیت میں ہمیشہ انفرادی و اجتماعی فلاح کا کام ہوتا رہا ہے اور اسلام کے اعلان کے وقت بھی کہیں کہیں خیر کی کرنیں موجود تھیں لیکن اجتماعی خیر کا تناسب کم تھا۔ نیز وہ اصول جس پر ایک اچھی اجتماعیت استوار ہوسکتی تھی عملاً موجود نہ تھے نتیجہ یہ تھا کہ اجتماعیت انتشار کا شکار تھی۔ اسلام نے جس سرزمین سے اوّلین اعلان کیا وہ سرزمینِ عرب ہے۔ عربوں میں بھی احساس جمعیت تھا اور ان کے شہری اور بدوی معاشرے بھی موجود تھے لیکن

معیاری نہ تھے۔ اسلام کو عربوں کے بعد جن معاشروں کا سامنا کرنا پڑا وہ رومی و ایرانی معاشرے تھے۔ ہم اختصار سے ان تین معاشروں کا تعارف کرانا چاہتے ہیں تا کہ اسلام کے معاشرتی نظم واعتدال واضح ہو سکے۔

رومی معاشرہ:

عرب کے ساتھ سلطنتِ روما ملحق تھی۔ یہ سلطنت عروج و زوال کی عبرت ناک مثال ہے۔ رومی معاشرہ متمدن اور مہذب معاشرہ شمار ہوتا تھا۔ اس نے انسانی اجتماعیت کے کئی پہلوؤں میں مفید اضافے کیے تھے رومی اجتماعیت کی پشت پر ایک زبردست حکومت اور مضبوط سیاسی نظام تھا۔ اس معاشرے نے اس وقت قائدانہ فریضہ سرانجام دیا۔ لیکن طلوعِ اسلام کے وقت یہ معاشرہ شکست وریخت کا شکار تھا۔ اس معاشرے میں بھی خاندانی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ تاریخِ زوالِ روما کے مصنف کے بقول رومی تہذیب کے زوال کا باعث خاندانی نظم کا انتشار ہے اس معاشرے کی اہم خصوصیات کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں۔

خصوصیات:

(i) خاندان میں باپ کو مطلق اختیار حاصل تھا۔ اولاد کو صرف اتنی آزادی میسر تھی جتنی انھیں باپ عطا کرتا حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر تک بھی بیٹے کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

(ii) قانون نے عورت کے شخصی استقلال کو تسلیم نہیں کیا تھا اس کی حیثیت ایک غلام کی تھی وہ باپ کی غلامی سے نکل کر خاوند کی غلامی میں آجاتی۔ اس کے کوئی حقوق تھے نہ خاوند کے کوئی فرائض۔ باپ کو اختیار تھا کہ وہ بیٹی کی شادی جہاں چاہے کرے اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو عین شادی کی رسوم کے وقت اسے منسوخ کر سکتا تھا۔ خاوند کے اختیارات میں اتنی وسعت تھی وہ اپنی بیوی کو قتل بھی کر سکتا تھا۔

(iii) جسٹنٹین کے عہد میں رومی قانون نے منظّم صورت اختیار کی لیکن اس قانون نے بھی اشراف کے حقوق کا تحفظ کیا اور کم زوروں کی حمایت میں یہ ناقص رہا۔

(iv) غیر رومی اقوام کے لیے رومی معاشرت میں کوئی عزت کی جگہ نہ تھی۔ غیر رومی ماتحت

علاقوں کی دولت تو سمٹ کر رومی معاشرہ میں پہنچ جاتی مگر غیر رومی لوگ ذلت وحقارت سے نوازے جاتے۔ یہودیوں، مسیحیوں اور دیگر غیر رومی اقوام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا البتہ ان میں سے چند افراد کو سہولتیں دے کر انھیں ان پر مسلط کر دیا جاتا۔

(v) رومی معاشرت آزاد اور غلام کی تقسیم کا شکار تھی۔ جرائم اور سزاؤں میں اس تفریق کا خاص لحاظ تھا۔ آزاد کے جرم کی سزا کم اور غلام کی زیادہ تھی۔ اسی طرح اشراف اور رعایا کا معاملہ تھا۔

(vI) حکومت اور قانون پر صرف چند افراد کا قبضہ تھا باقی لوگ ان کے رحم وکرم پر ہوتے۔ رومی لشکر کی فتوحات مالِ غنیمت پر منتج ہوتیں اور وہ مال صرف چند افراد کی فلاح کے لیے استعمال ہوتا۔ دراصل یہ قانون، یہ حکومت، یہ نظام اور یہ اجتماعیت صرف اشراف کے لیے تھا عوام کے لیے نہیں۔ جہاں تک دینی اور اخلاقی قدروں کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے رومی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ یونانی فلسفہ مشرکانہ نظریات کا حامل تھا ہی یہودی اور مسیحی افکار نے اس معاشرے کے استحکام کو اور بھی شدید نقصان پہنچایا۔ کوئی مشترک نظریۂ حیات نہ تھا۔ مادی منفعتوں نے روحانی قدروں کو متزلزل کر دیا تھا اور برسرِ اقتدار طبقے کی عیاشیوں نے دین پسندوں کے لیے ابتلا کا سامان فراہم کیا تھا۔ مسیحی مبلغین کے ساتھ جو کچھ ہوا اور یہودیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ رومی معاشرے کی تصویر ہے۔

رومی قانون کی رو سے معاشرہ تین طبقات میں بٹا ہوا تھا۔

(i) ہونیسٹائرز (Honestoires) اشرافیہ۔ یہ اعلیٰ ترین طبقہ تھا۔ انھیں قانونی تحفظ حاصل تھا اور انھیں بغاوت کے سوا کسی جرم پر سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(ii) ہیمولائرس (Humeloires) یہ دوسرا طبقہ ہے جسے کم درجے کا تحفظ حاصل تھا۔ اس طبقے کے افراد کو غیر معمولی حالات میں سزائے موت دی جاسکتی تھی۔

(iii) سروی (Servi) سب سے کم درجہ کا طبقہ تھا جس کے کوئی حقوق نہ تھے۔ اس سے خدمت لی جاتی لیکن معمولی جرائم کی بنیاد پر قتل، آگ میں جلانے اور درندوں کے

سامنے پھینکنے کی سزا دی جاتی۔

رومی معاشرہ شہری اور غلام کی تفریق پر مبنی تھا۔حقوق صرف شہریوں کے تھے۔غلاموں کے حقوق نہ تھے۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رومی معاشرہ متمدن معاشرہ تھا۔اس کی تہذیب اس کی اجتماعیت کی بنیاد تھی۔رومی معاشرہ اچھے شہریوں اچھے اجتماعی شعور اور منظّم معاشرتی اہمیت کی تصویر تھا۔گو بعد میں یہ تصویر مسخ ہوگئی۔ہماری رائے میں چوں کہ اس معاشرے کو صالح بنیادیں میسر نہ آسکی تھیں اس لیے وہ نتائج برآمد نہ ہوئے جو اچھی معاشرت کے لیے لازمی ہیں۔

ایرانی معاشرہ:

ایرانی معاشرہ طویل اجتماعی ورثے کا حامل ہے۔لیکن اس کی ارتقائی منازل کی بحث یہاں بے محل ہے۔اس لیے ہم اس وقت کی کیفیات وخصوصیات پر ہی اکتفا کریں گے۔ایرانی معاشرہ بھی رومی معاشرے کی طرح افتراق وتشت کا شکار تھا اور اس میں بھی تقریباً وہی امراض پائے جاتے تھے جنھوں نے رومی معاشرت کے جسدِ اجتماعیت کو کھا لیا تھا۔طبقاتی تقسیم عروج پر تھی اور اجتماعی احساس مجروح۔دراصل سکندر مقدونی کے حملے کے بعد کم از کم اثر یہ ہوا کہ فارسی معاشرے کی اجتماعیت ختم ہوگئی کیوں کہ اس نے سلطنت کے مختلف حصوں پر اشراف کو مسلط کر دیا تھا۔اور یہ سیاسی تفرقہ معاشرتی انتشار کا باعث ہوا۔گو بعد میں سیاسی وحدت کی کوئی صورت بن گئی تھی لیکن معاشرتی انتشار بدستور قائم رہا۔معاشرتی استحکام زوال پذیر ہونے کے باعث ایرانی معاشرہ عجیب تضادات کا شکار ہوگیا۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور قابلِ ذکر ہیں۔

(i) رومی قانون نے جو طبقاتی تقسیم کی تھی اسی طرح کی تقسیم یہاں بھی کارفرما تھی۔ایرانی معاشرہ چار طبقات پر مشتمل تھا۔

(i) مذہبی طبقہ: آذرواں (ii) فوجی طبقہ: ارتشتیاراں

(iii) عمال گروہ: دبیراں (iv) ہنرمندی کا شکار: اشتر بوشال و دہتخشاں

ہر گروہ کے ذمے کام تھے اور ایک طبقہ کا شخص دوسرے طبقہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔ چوتھے طبقہ کا کوئی شخص نہ سرکاری ملازم ہوسکتا تھا اور نہ اعلیٰ طبقات کی جائیداد خرید سکتا تھا۔

(ii) ایرانی معاشرے میں مذہبی رجحانات نے خصوصی کردار ادا کیا۔مختلف مذہبی اثرات کے تحت اجتماعیت انتشار کا شکار ہوتی چلی گئی مثلاً ''مانی'' یہ چاہتا تھا کہ انسان کو ختم ہونا چاہیے تا کہ جہاں اس کے شر سے پاک ہو جائے۔اس نے شادی کو حرام قرار دیا تا کہ انسانیت جلدی ختم ہو۔ اس کی رائے میں انسان ایک لعنت ہے اور اس کی اجتماعی زندگی میں شر و معصیت اور فتنہ وفساد کے سوا اور کچھ نہیں۔اس کے بعد مزدک آیا اور اس نے سمجھا کہ شر وفساد کا سبب مال اور عورت ہے اس کی ملکیت پر لوگ لڑتے ہیں اس لیے ان کی ملکیت ختم کر دینی چاہیے اور انھیں مباح قرار دیا جائے اس طرح لوگوں کا کینہ و فساد ختم ہو جائے گا۔نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اجتماعی قیود اور اخلاقی حدود ختم ہوگئیں ہر طرف شہوت و ہوس پرستی کا دور دورہ اور بغض وعناد میں اضافہ ہوا۔حتیٰ کہ مزدک کو قتل کیا گیا۔ اور ایرانی معاشرت از سرِ نو مجتمع ہونی شروع ہوئی یہ اسلام کے قریبی عہد کی بات ہے۔

(iii) ایرانی معاشرت کے دورِ ثبات و انتشار میں کوئی اجتماعی ادارہ مستحکم نہ ہو سکا۔عورت کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی۔ اولاد کی تربیت اور چھوٹے بڑے کے لحاظ کا احساس ختم ہو گیا۔ لے دے کے اگر کوئی بات تھی تو اقتدار کی گرفت تھی جو کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ایران میں دو قسم کی بیویاں ہوتیں۔ایک زن پادشائی ہا کہلاتیں اور ان کی اولاد جائیداد کی وارث ہوتی جب کہ دوسری زن چگاری ہا کہلاتیں اور ان کی اولاد جائیداد میں حصہ سے محروم رہتی۔قانون کی نظر میں عورت کی کوئی وقعت نہ تھی۔غلام اور بیوی ایک درجے پر تھے۔

(iv) غلاموں اور کم زوروں کے ساتھ یہاں بھی وہی کچھ ہوتا تھا جو دنیا کے دوسرے معاشروں میں ہوتا رہا۔انسانیت کی عظمت و برتری کا احساس یہاں بھی مفقود نظر آتا ہے۔غلام کی موجودگی شرف کی علامت تھی۔کوئی شخص جتنے غلاموں کا مالک ہوتا اتنا ہی معزز ومحترم شمار ہوتا۔رومیوں کی طرح یہاں بھی معمولی جرائم پر غلام کی جان لے لینا ایک عام سی بات تھی۔

ہندوستانی معاشرہ:

ہندوستان جہاں قدیم ترین مذہب کا امین ہے وہاں منفرد معاشرت کا حامل بھی ہے۔ غالبًا یہ واحد معاشرہ ہے جس نے رسوم و رواج اور معاشرتی نظم کا مفصل دستور پیش کیا ہے۔ مذہبی، قانونی اور سماجی لحاظ سے تفصیلی قواعد وضوابط کو مرتب کیا ہے۔ ہندو معاشرت کا خصوصی پہلو اس کا ذات پات کا نظام ہے اس کے مطابق معاشرہ چار ذاتوں پر مشتمل ہے۔

برہمن: مذہبی طبقہ جو ویدوں کی تعلیم کا محافظ، مذہبی رسوم کی تنظیم، چڑھاوے دینا، دان لینے کا فرض انجام دینا۔

کشتری: یہ بازوئے شمشیرزن طبقہ ہے جس کا کام دفاع اور حفاظت ہے۔ دان دے، چڑھاوے چڑھاوے۔

ویش: یہ طبقہ کھیتی باڑی کرنے والے اور کاروبار کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہے۔ چوپایوں کی پرورش اور سود کی وصولی اس کا کام ہے۔

شودر: یہ خدمت گزاروں کا طبقہ ہے اس کا بنیادی کام تو برہمن کی خدمت کرنا ہے لیکن عمومی طور پر پورے معاشرے کا خدمت گزار ہے۔

اس طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے شودر ایک پست طبقہ شمار ہوتا ہے ان کی حیثیت حیوانوں سے بھی بدتر تھی۔ ان کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ انھیں ناپاک تصور کیا جاتا تھا۔ وہ برہمن کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ عام مندروں میں نہیں جا سکتے تھے حتیٰ کہ ویدوں کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے لیے شدید ترین قوانین تھے۔ انھیں بستیوں کے باہر رہنا اور اعلیٰ ذات کے لوگوں کو اپنے سایے سے بھی محفوظ رکھنا ہے۔ اس ظالمانہ نظام نے انسانوں کے ایک بڑے طبقے کو جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ویدوں کی تعلیم کے مطابق برہمن پر ماتما کے منہ، کشتری بازوؤں سے ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوا۔ شودر کی غلامی دائمی ہے۔ برہمن شودر کو خدمت پر مجبور کر سکتا ہے اگر برہمن کو تکلیف پہنچے تو شودر کو قتل کر سکتا ہے۔

عورت کی حیثیت:

ہندو معاشرے کی ایک خصوصیت عورت کی پست حیثیت ہے۔ ہندو قانون کے مطابق عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچپن میں باپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں شوہر کے ماتحت اور بیوہ ہونے کے بعد بیٹوں کے اختیار میں رہے۔ خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔ عورت جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھی، خاوند عورت کو جوئے میں داؤ پر لگا سکتا تھا۔ خاوند کی وفات پر عورت دوبارہ شادی نہیں کر سکتی تھی بلکہ خاوند کی چتا میں زندہ جل کر مر جاتی۔ عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی اور راجا و مہاراجا کو لاتعداد بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ ہندو معاشرے میں عورت کی نجات کا صرف ایک راستہ ہے کہ وہ اپنے خاوند پر مر مٹے۔

غلام:

ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں میں غلاموں کا ذکر ہے۔ منوسمرتی میں غلامی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

(i) جنگ میں گرفتار ہونا
(ii) برضا و رغبت غلام بننا
(iii) کسی باندی کے ہاں پیدا ہونا
(iv) فروخت ہو کر غلام بننا
(v) بہ طورِ تحفہ دیا جانا
(vI) ورثہ میں منتقل ہونا
(vII) کسی جرم کی پاداش میں غلام بننا

اس کے علاوہ جوئے میں ہار جانے کی صورت میں اور قرض نہ ادا کر سکنے کی صورت میں غلام بننے کی صورتیں بھی موجود تھیں۔ ہندو معاشرہ ایک ظالمانہ معاشرہ تھا جس میں انسانی کرامت اور اخلاقی شرافت کو کوئی قدر باقی نہ تھی۔ ظلم اور فریب پر مبنی یہ معاشرہ ایک دلدل تھا جس میں ہر اخلاقی قدر غرق ہو رہی تھی۔

انسانی اجتماعیت کے عوامل میں دین اور سیاسی و معاشی احساسات کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ ان معاشروں میں دین کا پہلو تو بہت کم زور نظر آتا ہے۔ البتہ سیاسی و معاشی احساس پایا

جاتا ہے۔ یہ معاشرے انسانی زندگی کے ارتقائی کیفیت کا پتا دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی معاشرہ بھی ایسا نہیں جسے اصولی اور عملی اعتبار سے مکمل معاشرہ کہا جا سکے۔ ان معاشروں کی تشکیل میں جن اصولوں کا تذکرہ ہوتا ہے وہی ناقص اور جن عوامل کی نشان دہی ہوتی ہے وہی کم زور ہیں تو معاشرے کس طرح صحت مند ہوں گے۔

گرد و پیش کے جن معاشروں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کی معاشرتی زندگی کی کیا کیفیت ہوگی۔ انسانی معاشرت اس انتظار میں تھی کہ کوئی کامل ترین شخصیت جامع تر تعلیمات کے ساتھ زندگی کے ڈھانچے کو استوار کرے۔ خالقِ کائنات نے اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے رسولِ کریم حضرت محمد ﷺ کو قرآن مجید دے کر بھیجا تا کہ مثالی معاشرہ قائم کر کے انسانیت کو ابدی نمونہ عطا کر دیا جائے۔

○○○

موجودہ دور کی ہجرت کے مثبت اثرات

برِصغیر میں علم اور اسلام کی روشنی:

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اس ملک کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ آٹھویں دسویں صدی کے اس ہندوستان میں، جس میں ذات پات نے پڑوسی کو پڑوسی کا غلام بنا دیا تھا اور غلامی کا احساس تک مٹا دیا تھا جس میں سیاسی اتحاد نام کو باقی نہ تھا، زیادہ سے زیادہ چند نیک دل عالموں میں غور وفکر کا مادہ موجود تھا لیکن اکثر لوگ مذہبی رسوم وتوہمات میں دھنس کر عمل کی سرگرمیوں کے ناقابل ہو گئے تھے، اس ہندوستان میں جب مسلمان فاتحین کا قدم آیا تو یہ سویا ہوا ملک بیدار ہو گیا۔ ڈرا، گھبرایا، کانپا لیکن جاگ اٹھا اور ایک نئی زندگی سے دوچار ہوا۔

اسلام ایک نئے تمدن کا علم بردار تھا۔ آریاؤں کے زمانے سے لے کر اب تک ڈھائی تین ہزار سال سے ہندوستان کو بجز آریائی خیالات کے کسی اور تمدن سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ مسلمانوں سے پہلے جو حملہ آور آئے وہ اکثر غیر مہذب تھے اگر بعض مسلمان عارضی طور پر خونخوار حملہ آور بھی ثابت ہوئے تو وہ ایک نئی زندگی کے پیغامبر ضرور تھے، برابری، بھائی بندی، آزادی، یہ خیال کہ صرف ان دیکھا خدا ہی عبادت کے لائق ہے اور خدا کے سامنے سب انسان برابر ہیں، کوئی پروہت نہیں، کوئی شودر نہیں، کوئی بھی ناپاک نہیں، عقائد میں وحدانیت اور

رسالت اور اعمال میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قرآن کے صریح احکام کے مطابق ان معاشرتی فرائض کی انجام دہی، بس یہ تھا سارا اسلام! نہ مورتیوں کا پوجھنا، نہ بھینٹ چڑھانا، نہ برہمنوں کا واسطہ، نہ آواگون کی مسلسل زنجیریں بلکہ کائنات بھر میں ایک خدا اور زمین پر اس کے بندے، سب ایک دوسرے کے برابر۔ ان خیالات نے بہت سے لوگوں اور خصوصاً نیچ ذاتوں میں ایک بجلی کی سی رو دوڑا دی۔ تلوار کے ذریعے سے ہندوؤں کو مسلمان بنانا عموماً بازاری قصے ہیں۔ یہاں تک کہ اورنگزیب کی نسبت جسے متعصب بادشاہ کہا جاتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اس نے بعض مندروں کے لیے جائیدادیں وقف کیں۔

اسلام کی اشاعت کا اصلی ذریعہ سیکڑوں ہزاروں مسلمان علما اور صوفیا تھے۔ جنھوں نے ہند میں صدیوں تک اس اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے رکھا۔ خود ہندومت پر اسلام کا براہِ راست اثر پڑا۔ کبیر، نانک، ٹکارام، چیتنیہ وغیرہ ان سب کے وجود اور خیالات کی اشاعت کا موجب اسلام ہی ہوا۔ وحدانیت کی تلوار نے کثرت کی گتھیوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور ہندوؤں میں ایک نئی مذہبی تحریک شروع ہوئی۔

سلاطینِ دہلی کے پہلے پانچ خاندانوں کی حکومت ایک فوجی سے مطلق العنان حکومت تھی لیکن اس میں بھی امرا اور علما کا اثر عموماً نمایاں ہوتا تھا۔ عدل و انصاف کے سلسلے میں فوج داری کا قانون سخت تھا لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوؤں کے مقابل میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی جاتی تھی۔ ایک بار ایک ہندو امیر نے بادشاہ وقت محمد تغلق کے خلاف بے سبب قتل کی نالش کی تو بادشاہ خود عدالت میں حاضر ہوا۔

یہ لوگ نرے فاتح نہ تھے۔ فتوحات کے بعد انھوں نے یہیں ڈیرے ڈال دیے اور وہ ایک باقاعدہ حکومت قائم کر کے ملکی نظم و نسق اور رفاہِ عام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مثال کے طور پر صرف ایک فیروز تغلق کے عہد میں ایک سو نہریں دو سو سرائیں پانچ سو شفاخانے ایک سو پل اور بیسیوں قسم کے مفید ادارے قائم ہوئے۔ فیروز آباد میں اس نے ایک بڑا گھنٹا گھر بنوایا جو ہندوستان میں غالباً سب سے پہلا گھنٹا گھر تھا محمد تغلق کے عہد میں صرف دہلی کے شہر میں ایک ہزار چھوٹے بڑے مدرسے اور ستر شفاخانے تھے جن میں غربا کا علاج مفت ہوتا تھا۔

فنِ تعمیر نے ترقی اور وسعت پکڑی اور ''پٹھان'' طرزِ تعمیر میں عرب طرز اور ہندو طرز کی آمیزش نظر آنے لگی، قطب مینار، قصرِ ہزار ستون، علائی دروازہ اس کے نمونے ہیں۔ تغلقوں کے وقت میں آرائش کی جگہ سادگی اور عظمت پر زور دیا جانے لگا جیسا کہ تغلق آباد کے کھنڈروں سے ظاہر ہے۔ چھوٹی ریاستوں میں جونپور کی اٹالا مسجد، بنگال کی بارہ سونا مسجد، بیجا پور کے کتب خانے، گولکنڈہ کا قلعہ وغیرہ اس زمانے کی خوب صورت یادگاریں ہیں۔ نقاشی کی ترقی اس زمانے میں مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی وجہ سے رکی رہی۔ علم وادب کا مسلمانوں کو شوق تھا انھوں نے تاریخیں لکھیں، سنسکرت سیکھی اور دیسی زبانوں کی نشوونما میں بڑا حصہ لیا۔ ہندی، بنگالی، مرہٹی، تامل، پنجابی نے ترقی پائی اور ہندو مسلمانوں کی مشترک زبان اردو کی بنیاد پڑی اور وہ ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلنے لگی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ زمانہ اتنا تاریک نہ تھا جتنا بعض لوگوں نے اسے ظاہر کیا ہے۔ ایک باقاعدہ منظّم حکومت تھی جس کے ماتحت دو قطعاً مختلف تہذیبیں نشوونما پا رہی تھیں اور ایک دوسرے پر اپنا اثر ڈال رہی تھیں۔

تجارت، زراعت، تعمیر، علوم وفنون وغیرہ یہ زندگی کے وہ شعبے تھے جن میں ہندو مسلمان مل کر کام کرتے تھے حقیقت یہ ہے کہ دہلی سلطنت کے کارناموں نے مغلوں کے شان دار عہد کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

مغلوں کی سلطنت نے تاریخِ ہند کا ایک نیا ورق پلٹا۔ یکے بعد دیگرے چھ زبردست فرماں روا تختِ سلطنت پر جلوہ گر ہوئے جن کے عہد میں دو سو سال تک ہندوستان میں ایسا امن و امان قائم رہا اور ملک نے ایسی ترقی کی کہ صدیوں تک دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگ زیب ان کا شہرہ مشرق سے مغرب تک جا پہنچا، دنیا بھر میں مغلِ اعظم کا چرچا تھا۔ حکومت کا نظم ونسق ایسی مضبوط بنیادوں پر رکھا گیا کہ اس کی بہت سی خصوصیات مدتوں حکومتِ ہند کا جزو بنی رہیں۔

نظم ونسق کے لیے ملک کو پندرہ اور بعد میں اٹھارہ صوبوں میں منقسم کیا گیا۔ ہر صوبے کا حاکمِ اعلیٰ ایک صوبہ دار ہوتا تھا۔ فوج بھی اسی کے ماتحت ہوتی تھی اور مالیات کا دیوان بھی اسی کے ماتحت کام کرتا تھا۔ اس کو مقررہ اوقات پر اپنی کارگزاری کی رپورٹ مرکزی حکومت کو بھیجنی

پڑتی تھی اس کے علاوہ بادشاہ کی طرف سے ہر صوبے میں واقعہ نویس اور خفیہ نویس مقرر کیے جاتے تھے جو بادشاہ کو اعلانیہ اور خفیہ طور پر ہر صوبے کے حالات سے مطلع رکھتے تھے جس سے صوبہ دار بادشاہ کے قابو میں رہتے تھے۔

عدل وانصاف کا حق جیسا مغلوں نے ادا کیا دنیا میں بہت کم حکمرانوں نے کیا ہوگا اکبر کا قول تھا کہ بادشاہت کا ربانی عنصر عدل ہے۔ ملک کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بادشاہ تک رسائی پاسکتا تھا۔ عہدے داروں کے لیے کوئی علاحدہ قانون نہ تھا۔ حکومت کی نظر میں سب سے یکساں تھے۔ مسلمانوں نے دنیا میں جہاں جہاں بھی ایک منظّم حکومت قائم کی بالعموم عدل وانصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

جہانگیر نے اپنے محل کے باہر زنجیرِ عدل لٹکا کر ہر کہ دمہ کے شہنشاہ تک آسانی سے پہنچ سکنے کا راستہ کھول دیا۔ جہانگیر کے بارہ فرمان مشہور ہیں مسٹر کھوسلہ لکھتے ہیں کہ انگلستان میں ۱۲۱۵ء کا منشور جہانگیر نے ازخود رعایا کی تشفی کے لیے جاری کر دیا جس میں لوگوں کی جائیداد مکانات اور غریب کسانوں کی اراضیات کے پورے تحفظ کی شاہی ضمانت موجود تھی اور اس کے علاوہ سراؤں، مسجدوں، شفاخانوں وغیرہ کے تعمیر وانتظام کے متعلق احکام موجود تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ملک میں صرف ایک شہنشاہ کی اندھا دھند حکومت نہ تھی بلکہ شاہی اختیارات پر کئی قسم کی پابندیاں اور رعایا کی آزادی کے لیے کئی قسم کی ضمانتیں تھیں اور ان حدوں سے تجاوز کرنے والے ظالم حکمران کا تخت دیر تک سلامت نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہ عام طور پر ہر روز اپنے وزیروں سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ مسلمان امرا کے علاوہ ہندو امرا بھی تھے جن کو بڑے سے بڑے اعزاز دیے جاتے تھے۔ کوئی مغل امیر وراثتاً اپنے باپ کے منصب پر فائز نہ ہوسکتا تھا بلکہ اسے گویا اپنے پسینے سے عزت اور مرتبہ حاصل کرنا ہوتا تھا۔

مغلوں نے ہندوستان کا خاطرخواہ انتظام کیا۔ انھوں نے ملک کو بیرونی حملوں سے بچایا۔ بیرونی ممالک سے تعلقات بڑھائے، امن وامان قائم رکھا، جرائم کا انسداد کیا، اخلاقِ عامہ کو جلا دی، جان و مال کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ عدل و انصاف کا سکہ جاری کیا اور کاروباری معاہدوں کی نگہداشت کی۔ حکمرانی کی ان بڑے فرائض کے علاوہ سکہ سازی، تجارت،

صنعت، ذرائع آمدورفت، سرائیں، شفاخانے، قحط کا انسداد، تعلیم وتدریس، فنون وعلم وادب، ان میں سے ایک ایک کی طرف انھوں نے توجہ دی اوران سب کوفروغ دیا۔

عہدِ مغلیہ کے مادی وعلمی کارنامے اب تک ہندوستان کی معاشرتی زندگی کا جزو بنی رہیں۔ ہندوستانی خوراک، لباس، طرزِ بود و باش گفتگو آدابِ مجلس بہت حد تک مغلیہ وقتوں ہی کی ایجادات ہیں۔ پھر فنونِ لطیفہ میں مغلیہ نقاشی، مغلیہ فنِ تعمیر اور علم وادب اور شاعری موسیقی اور مصوری کا مذاق یہ سب مغلوں ہی کے زمانے کی تخلیق ہے۔ سرسیّد لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کے لوگوں کو جوتا پہننا انھوں نے سکھایا، کپڑا پہننا انھوں نے بتایا، فرش پر بیٹھنا مختلف طرح کے کھانوں کا پکانا، مکانات کی آراستگی، علمِ مجلس اور تہذیب وشائستگی کی ہزاروں چیزیں انھیں کی بدولت ہندوؤں میں پھیلیں۔ صرف ایک تاج اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ مغلیہ تہذیب دنیا کی عظیم ترین تہذیبوں میں شمار ہونے کے قابل ہے ان کی شائستگی اور علم پروری داد کے لائق تھی اورنگزیب کے عہد میں صرف ٹھٹھہ (سندھ) میں بقول ہملٹن چار ہزار مدرسے تھے اور میکس ملر کہتا ہے کہ بنگال میں انگریزوں کی آمد کے وقت اسّی ہزار مدرسے تھے۔ میجر باسو نے لکھا ہے کہ دولت مندی آرام اور چین کا جو نقشہ شاہ جہاں کے وقت میں دیکھنے میں آتا تھا بلا شبہ بے مثل و بے نظیر تھا۔ ایک انگریز سیاح کہتا ہے کہ اس زمانے میں شہر آگرہ شہر لندن سے زیادہ بڑا تسلیم کیا جاتا تھا۔ ملک میں قسم قسم کی صنعتیں پھولیں پھلیں جن سے ہندوستان ساری دنیا میں مشہور ہوگیا۔ ہندوستان میں جہاز بنتے تھے یہاں تک کہ انگریز اور ڈچ لوگوں نے اپنے کچھ جہاز یہاں سے بنوائے، سورت کا ایک تاجر عبدالصمد کئی سو تجارتی جہازوں کا مالک تھا۔ ملک کا طلائی سکہ اس وقت کے تمام یورپی سکوں سے زیادہ خالص اور قیمت میں بہتر تھا۔ پروفیسر برج نرائن اپنی کتاب ''ہندوستان کی معاشی زندگی'' میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے کا مزدور اوسطاً آج کل کے مزدور سے زیادہ خوش حال تھا، رواداری کی انتہائی مثال اکبر کی حکمتِ عملی ہے جس نے ہندوؤں کے دل موہنے کے لیے ایسی ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے مسلمانوں کے دل میں بعض جائز شکایات پیدا ہوگئیں اور آگے چل کر اورنگزیب نے صرف ان زیادتیوں کی روک تھام کی۔ اس میں بعض اور نقائص سہی لیکن اس نے کبھی کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ بہ قول پروفیسر

کھوسلہ عدل میں اورنگزیب اپنے سب بزرگوں سے سبقت لے گیا۔ایک رقعے میں وہ خود لکھتا ہے کہ معاملاتِ انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں ملک کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بادشاہ تک رسائی پا سکتا تھا۔ عالمگیر خود اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی خوراک بہم پہنچاتا تھا۔مشہور بنگالی عالم سرسی پی رائے لکھتا ہے کہ اورنگزیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اورنگزیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا، گورنر جنرل بنایا، وائسرائے بنایا، یہاں تک کہ اس نے خالص اسلامی صوبے افغانستان پر بھی جو نائب دارالسلطنت مقرر کیا وہ ایک ہندو راجپوت تھا۔ پروفیسر کھوسلہ اپنی کتاب ''مغل بادشاہت اور امرا'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کے مغلیہ شہنشاہوں کے حق میں ہمیں یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ وہ عام طور پر اس زبردست طاقت کا جو انھیں حاصل تھی، غلط استعمال نہ کرتے تھے۔ ان کی استبدادی بادشاہت دراصل عوام کی دلی حمایت پر مبنی تھی اور سیاسی طور پر انھوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے ساتھ برابری کا درجہ عطا کیا۔انھوں نے اپنے آپ کو مقامی حالات کے سانچے میں ڈھال لیا اور یہی ان کی طاقت کا راز تھا۔''

یہ ہے ہندوستان میں مسلمانوں کا کارنامہ! مسلمان کے آنے سے ہندوستان کے باشندوں کا ایک ترقی یافتہ غیر ملکی تمدن سے تعلق پیدا ہوا۔ ہندوستان اب دنیا سے الگ تھلگ نہ رہا پہلی بار دنیا سے اس کا ایک گہرا رشتہ قائم ہو گیا۔مسلمانوں میں جوش اور ولولہ اور جہانگیری اور جہاں بانی کے جو اوصاف تھے۔ ہندوستان کے باشندوں کی غم پسندی اور عزلت گزینی میں ان سے ایک حرکت پیدا ہوئی۔غرض ہندوستان وہ ہندوستان نہ رہا۔موجودہ ہندوستان کی ساخت پرداخت میں مسلمانوں کا خاصا حصہ ہے۔ ہندوستان کا نام بھی مسلمانوں ہی کا دیا ہوا ہے۔

ہر چیز کے دو مختلف (مثبت اور منفی) پہلو ہوتے ہیں۔اگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو ہمیں کوئی بھی چیز ایسی نظر نہیں آتی جس کا صرف ایک پہلو ہو۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے مثبت پہلو زیادہ ہیں اور منفی کم اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے منفی پہلو زیادہ ہیں نسبتاً مثبت پہلو کے۔اسی طرح مہاجرین کے بھی دو پہلو ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

مہاجرین کے مثبت پہلو

☆ مہاجرین کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرے کو سستے مزدور مل جاتے ہیں۔

☆ مہاجرین اپنے ساتھ اپنی قیمتی اشیا بھی لے کر آتے ہیں جس سے ملک کے زرِ مبادلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ کچھ مہاجرین اپنے ساتھ مال مویشی بھی لے کر آتے ہیں جس سے ملک میں گوشت کی کمی کسی حد تک دور ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ مہاجرین ایسے بھی ہوتے ہیں جو متوسط اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہجرت کرتے وقت اپنے ساتھ ٹرانسپورٹ یعنی ٹرک اور دوسری گاڑیاں لے آتے ہیں اور پھر ضروریاتِ زندگی خریدنے کے لیے انھیں سستے داموں فروخت کر دیتے ہیں۔

مہاجرین کے منفی پہلو

☆ مہاجرین ملکی وسائل پر بوجھ۔

☆ مہاجرین کی آمد کی وجہ سے مقامی آبادی کے بے روزگار ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

☆ جو مہاجرین اپنے ساتھ مال مویشی لے کر آتے ہیں ان کی وجہ سے چارہ میں کمی ہو جاتی ہے اور ان سے مقامی جانوروں کو بیماریاں لگنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔

☆ جرائم کی تعداد میں اضافہ۔

☆ دوسری ثقافت کا آنا جس سے بے شمار مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

☆ مہاجرین کی وجہ سے مکانوں کے کرائے اور قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مقامی آبادی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مکان وغیرہ ان کی قوتِ خرید سے باہر ہو جاتے ہیں۔

☆ مہاجرین خوراک کی قلت کا باعث بھی بنتے ہیں۔

○○○

تارکینِ وطن یا آباد کار

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین کے علاوہ ہجرت کرنے والے تارکینِ وطن بھی ہوتے ہیں تارکینِ وطن جس ملک سے جاتے ہیں عام طور پر اس ملک کے لوگ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں اور جس ملک میں لوگ جا کر آباد ہوتے ہیں اس ملک کے لوگ یا حکومتیں ان کو نئے آباد کار کہتے ہیں۔ تارکینِ وطن عام طور پہ بہتر روزگار یا بہتر سہولتوں کی تلاش میں اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک کا رُخ اختیار کرتے ہیں تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ زیادہ تر غریب ممالک کے لوگ یورپ امریکا اور سیکنڈ نیوین کنٹریز کا رُخ اختیار کرتے ہیں جہاں پر نہ صرف رہائشی سہولتیں بہت بہتر ہیں بلکہ فی کس آمدن بھی ان کے اپنے ملک سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جب مڈل ایسٹ میں قدرتی تیل دریافت ہوا تو مڈل ایسٹ کے بھی بہت سے ممالک مثلاً سعودی عرب قطر شارجہ بحرین جن کو اب متحدہ عرب امارات بھی کہتے ہیں اور کسی حد تک عمان میں بھی غریب ممالک کے لوگوں نے عارضی ہجرت کی۔ لیکن ان ممالک نے آنے والوں کو مکمل طور پر اپنا رہائشی تسلیم نہیں کیا اس لحاظ سے مڈل ایسٹ میں جانے والے تارکینِ وطن صحیح طریقے سے تارکِ وطن نہیں کہلا سکتے تارکینِ وطن کی دو اقسام ہوتی ہیں جیسے کہ میں نے کہا کہ مڈل ایسٹ میں جانے والے ملازم پیشہ لوگوں کو عارضی آباد کار کہتے ہیں لیکن امریکا یورپ اور بہت سے دوسرے ممالک میں جانے والے لوگ خاص طور پر امریکا کے علاوہ آسٹریلیا اور کینیڈا

ایسے ممالک ہیں جہاں پہ آنے والے لوگوں کو وہاں کے شہریت دے دی جاتی ہے اوران کو وہ تمام سہولیات میسر ہوتی ہیں جو ان ممالک کے مقامی باشندوں کو حاصل ہیں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دوسرے ملک میں آباد ہونے والے لوگوں کو بہت سے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تارکینِ وطن یا نئے آباد کاروں کے مسائل:

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دوسرے ملک میں روزگار کی تلاش میں جانے والے تارکینِ وطن یا آباد کاروں کو بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں سب سے پہلی چیز زبان کا مختلف ہونا ہے حالاں کہ پڑھے لکھے لوگ جب مغربی ممالک یا امریکا میں جاتے ہیں تو وہ اپنے طور پر انگریزی کی تعلیم حاصل کر کے آئیلٹس (IELTS) کا امتحان پاس کر کے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں ان ممالک کی انگریزی زبان اور تارکینِ وطن کی انگریزی زبان کا لہجہ بہت مختلف ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنے خیالات کے اظہار میں یا جہاں پر یہ لوگ جاب کرتے ہیں اپنے اصل مدعا کے اظہار میں مشکل پیش آتی ہے ایسے لوگ بہت قابل تو ہوتے ہیں لیکن اپنی قابلیت کا اظہار زبان پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح کرنہیں پاتے دوسرا مسئلہ جو تارکینِ وطن یا آباد کاروں کو پیش آتا ہے وہ نیا کلچر ہوتا ہے اس نئے کلچر میں خاص طور پر لباس بہت قابلِ ذکر ہے مسلمان ممالک کے لوگ اور خاص طور پر خواتین جب مغربی ممالک امریکا، آسٹریلیا یا کینیڈا وغیرہ میں جاتی ہیں تو بہت زیادہ پریشان ہوجاتی ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جس طرح کا لباس پہننے کے لیے اسلام حکم دیتا ہے اس طرح کا لباس وہاں اوّل تو ملتا نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے ملک سے منگوالیں یا ان ہی کے ساتھ کے مقامی دکان دار کچھ دکانوں پر وہ لباس مہیا کر بھی دیں تو مقامی لوگ اس کو پسند نہیں کرتے یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ یورپی ممالک خاص طور پر فرانس میں عورتوں کے حجاب پر نہ صرف پابندی لگائی گئی بلکہ بہت اچھی فیملی کی خواتین کے حجاب کو پولیس والوں نے سڑکوں کے اوپر مارکیٹوں میں، پارکوں میں زبردستی اتار دیا ایک اور چیز جو تارکینِ وطن کو پریشان کرتی ہے وہ مناسب روزگار کی تلاش ہے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بہت اچھی قابلیت والے لوگ نئے ملک میں جا کر بہت معمولی نوعیت کی جاب شروع کرتے ہیں جب کہ بہت دیر کے بعد ان کو ان کی قابلیت اور تعلیمی اسناد

کے اصل معیار کے مطابق روزگار میسر ہوتا ہے جب یہ لوگ مکمل طور پر سیٹل ہو جاتے ہیں تو ان کے بچوں کو اسکولوں کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں داخلے کے وقت بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایک بات اور قابلِ ذکر ہے کہ شروع شروع کے دنوں میں دوسرے ممالک میں جانے والے سخت مالی مشکلات کا شکار رہتے ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جاتے ہی ان کو روزگار یا جاب میسر نہیں آتی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو معمولی جاب شروع کر لیتے ہیں ان ممالک میں اسٹینڈرڈ آف لیونگ بہت زیادہ ہائی ہونے کی وجہ سے روزمرہ اشیا کی قیمتیں بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ لوگ جتنا کماتے ہیں اس سے زیادہ خرچ ہو رہا ہوتا ہے تو بہت سے لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ دوسرے ممالک میں جا کر انھیں یا تو اپنے گھر والوں سے کچھ پیسے مانگنے پڑتے ہیں یا پھر وہ کسی مقامی آدمی سے ایڈوانس پیسے لے کر زندگی گزارتے ہیں جس کے پاس وہ جاب کر رہے ہوتے ہیں اس کے نتیجے میں چوں کہ وہ قرضے کے نیچے دبے ہوتے ہیں لہٰذا وہ کم تنخواہ پر بھی کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اچھی جاب ملنے کے باوجود بھی اس کو جوائن نہیں کر پاتے کیوں کہ انھوں نے اپنے ایمپلائر کا قرضہ دینا ہوتا ہے ذہنی طور پہ بھی یہ لوگ کافی پریشان رہتے ہیں کیوں کہ رشتے داروں سے دوری، دوستوں سے دوری، بوڑھے والدین سے دوری، بیوی بچوں سے دوری، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جب وہ تھک ہار کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں یا چھوٹے سے بستر پر سونے کے لیے جاتے ہیں تو ان لوگوں کی یادیں ان کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ اپنے اس فیصلے کا دوبارہ جائزہ لیں کہ انھوں نے ابھی تک دوسرے ملک میں آ کر کیا کھویا اور کیا پایا ہے اس کے علاوہ مسلمان ممالک کے تارکینِ وطن کے لیے کھانے پینے کے بھی بہت مسائل ہوتے ہیں کیوں کہ مسلمان ممالک کے آبادکار حلال چیزیں کھاتے ہیں جب کہ یورپ، امریکا، کینیڈا اور آسٹریلیا میں وہ ایسی چیزیں زیادہ ملتی ہیں جو مسلمان کھا نہیں سکتے مثال کے طور پر پگ یا سور کا گوشت اس کے علاوہ جانوروں کو ذبح کرنے کے طریقے ان ممالک میں اور مسلمان ممالک سے آئے ہوئے مسلمانوں کے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

میزبان ممالک پر تارکینِ وطن یا آبادکاروں کے اثرات:

جہاں پہ میزبان ممالک پر تارکینِ وطن یا آبادکاروں کے مثبت اثرات ہوتے ہیں جیسے

پڑھے لکھے لوگ زیادہ تعلیم یافتہ لوگ زیادہ محنتی لوگ اپنا ملک چھوڑ کر ان ممالک میں آ کر بستے ہیں تو وہ مقامی لوگوں کے نسبت زیادہ محنت کرتے ہیں اور چوں کہ اپنے ممالک سے اچھی ڈگریاں بھی لے کر آتے ہیں تو میزبان ملک کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں زندگی کے ہر شعبے میں ان لوگوں کا کردار بہت مثبت ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بہت سے مغربی ممالک ان کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن جیسا کہ سکے اور تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک روشن ایک تاریک تو اس روشن پہلو کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے پہلو بھی ہیں جن کو آپ میزبان ممالک کے لیے منفی اثرات والے پہلو کہہ سکتے ہیں ان میں چوں کہ میزبان ممالک نے اپنی تمام شہری سہولیات ایک خاص پلاننگ سے تیار کی ہوئی ہوئی ہیں اور انھوں نے عام طور پر تارکینِ وطن کی تعداد کا شمار ان سہولتوں میں نہیں کیا ہوتا لہٰذا ان کی شہری سہولتوں پر آنے والے آبادکاروں کی وجہ سے دباؤ بڑھ جاتا ہے اسی طرح ہسپتالوں میں بستر کم ہو جاتے ہیں بعض اوقات باقی سہولیات کم ہو جاتی ہیں تعلیمی اداروں میں بھی چوں کہ مخصوص نشستیں ہوتی ہیں جب مقامی آبادی میں غیر ملکیوں کا تناسب بڑھ جائے تو یا تو ان اسکولوں کو اپنی جگہ بڑھانے کے لیے اپنی گنجائش کو اور اپنی عمارت کو مزید بڑھانا پڑتا ہے یا پھر وہ آنے والوں کو داخلہ ہی نہیں دیتے اسی طریقے سے پانی کی فراہمی رہائشی سہولتیں ہیں جیسے مکانات، بستیاں ان کی سہولتیں بھی کم پڑ جاتی ہیں عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض ممالک میں رائٹ ہینڈ ڈرائیو (RHD) ہے اور بعض ممالک میں لیفٹ ہینڈ ڈرائیو (LHD) ہے تو رائٹ ہینڈ ڈرائیو والے جب لیفٹ ہینڈ ڈرائیو والے ملک میں جاتے ہیں یا لیفٹ ہینڈ ڈرائیو والے جیسے پاکستان میں لوگ لیفٹ ہینڈ ڈرائیونگ کرتے ہیں جب رائٹ ہینڈ ڈرائی والے ممالک میں جاتے ہیں تو ڈرائیوروں سے غلطی ہوتی ہے اور ان غلطیوں کی وجہ سے سڑکوں پہ حادثات بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات ٹریفک بھی بلاک یا جام ہو جاتی ہے اس کے علاوہ مارکیٹوں میں بھی بہت رش ہو جاتا ہے چھوٹی آبادیوں میں چوں کہ بہت بڑی بڑی دکانیں یا شاپنگ مال نہیں ہوتے تو خریداروں کے رش کی وجہ سے مارکیٹوں پر رش کی وجہ سے لوگوں کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے لمبی لمبی قطاروں کی وجہ سے ٹریفک کی فراوانی میں مشکلات پیش آتی ہیں ان چیزوں کے علاوہ میزبان ممالک میں ماحولیاتی آلودگی بھی بڑھ

جاتی ہے کیوں کہ تارکینِ وطن کے ممالک میں بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے گھر کا کچرہ گھر سے باہر پھینک دینا چلتی گاڑی میں کھانے پینے کی چیزوں کی بچی ہوئی چیزیں باہر سڑکوں پر پھینک دینا اور وہ اس عادت کی وجہ سے اَن جانے میں یہ حرکت کر بیٹھتے ہیں چوں کہ کچھ ممالک میں قدرتی وسائل بہت زیادہ ہوتے ہیں اور کچھ میں کچھ قدرتی وسائل بہت کم ہوتے ہیں جیسا کہ سعودی عرب میں پٹرول ڈیزل وافر مقدار میں ملتا ہے مگر پینے کا پانی بہت کم ملتا ہے یہاں تک کہ پینے کا پانی عام آدمی کی پہنچ سے بہت باہر بھی رہا ہے تو ان وجوہات کی وجہ سے میزبان ممالک کے قدرتی وسائل پہ بھی بہت بوجھ جاتا ہے۔ بعض ممالک میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ نسلی مذہبی اور فرقوں کے درمیان تناؤ بڑھ جاتا ہے اور بالآخر یہ تناؤ جھگڑوں بد منی اور فسادات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ امریکا میں اکثر سفید فام اور افریقی کالے رنگ کے لوگوں کے درمیان جھگڑے ہوتے رہے ہیں گزشتہ سالوں میں بہت سے یورپی ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں جھگڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے حکومت وقت اور باقی پرامن شہریوں کو بھی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خواتین اور مردوں کے تناسب میں بہت بڑی تبدیلی آجاتی ہے میزبان ممالک میں جانے والے لوگوں کی اکثریت مردوں کی ہوتی ہے اور بہت زیادہ مردوں کے جانے کی وجہ سے ان ممالک میں عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے چوں کہ عورتیں کم تعداد میں ہوتی ہیں اس وجہ سے لوگوں میں شادی جیسے مسائل بڑھ جاتے ہیں اور بعض ممالک میں چوں کہ عورتوں کو دوسری تیسری یا چوتھی شادی کرنے کی سہولت حاصل ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے مرد کے ساتھ اگر تھوڑی سی بھی مشکل زندگی گزار رہی ہیں تو وہ گزارا کرنے کی بجائے فوراً اس کو چھوڑ کر ایک دوسرے مرد کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں۔

جن ممالک سے لوگ جاتے ہیں ان ممالک پر اثرات:

دنیا میں نظام قدرت ہے کہ جب ایک جگہ پہ ترقی ہو رہی ہوتی ہے تو دوسری جگہ ترقی کی رفتار یا تو بالکل سست ہو جاتی ہے یا رک جاتی ہے اسی طریقے سے جن ممالک کے باشندے اپنا

ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں روزگار کے لیے جاتے ہیں تو ان کے اپنے ملک میں اس کے دو قسم کے اثرات ہوتے ہیں جو مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی ہوتے ہیں سب سے پہلے میں منفی اثرات کا ذکر کروں گا۔

منفی اثرات:

سب سے بڑا منفی اثر یہ ہوتا ہے کہ سادہ لوگ دھوکہ بازوں کے ہاتھوں میں آ کر دوسرے ممالک کے ویزوں کے چکر میں اپنی اصل جمع پونجی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں بے شمار ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جن میں غریب والدین نے اپنے گھر کی چیزیں خاندان کی عورتوں کے زیورات یہاں تک کہ کاشت کاروں نے کاشت کاری کے جانور اور زمینیں بیچ کر اپنے بچوں کو بہتر مستقبل اور اچھے روزگار کی خواہش میں کسی ٹریول ایجنٹ کو پیسے دیے یا کسی دھوکے باز کو پیسے دیے اور وہ ان کے پیسے لے کے بھاگ گیا اس طرح اس کے پورے خاندان پر بے حد منفی اثر پڑتا ہے۔ وہ خاندان اپنی اصل مالی حالت سے بھی بہت نچلی سطح پر زندگی گزارنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ ملک پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جس ملک سے محنتی اور تعلیم یافتہ لوگ باہر جاتے ہیں اس ملک کی ترقی کم ہو جاتی ہے محنتی لوگوں کے علاوہ ایسے پڑھے لکھے ڈاکٹر انجینئر جو بہت اعلیٰ نمبروں کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کر چکے ہوتے ہیں اور مہارت اور قابلیت کے لحاظ سے پورے ملک میں گنتی کے ہوتے ہیں جب اپنا ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو درمیانے درجے کے ڈاکٹر انجینئر یا دوسرے لوگ ان کے اپنے ملک میں رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے آپ نے دیکھا ہو گا کہ پاکستان جیسے ملک میں پیسے والے لوگ اگر بیمار ہو جائیں تو وہ اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں علاج کے لیے جاتے ہیں اس کے علاوہ معاشرتی ترقی کم اس لیے ہو جاتی ہے کہ محنت کش اور مزدور طبقہ جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے تو اس ملک میں مزدوروں کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مزدور لوگ اپنی اجرتیں بڑھا دیتے ہیں اور آخر کار عام اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ خاص طور پر تعمیرات کے تخمینے غلط ثابت ہوتے ہیں اور لاگت بڑھ جاتی ہے ایک اور منفی پہلو بھی ہوتا ہے کہ جس خاندان کے لوگ باہر چلے جاتے ہیں وہ اچھی رقم اپنے

خاندان کو بھیجتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے خاندان میں بجائے محبتیں بڑھنے کے طبقاتی تفریق بڑھ جاتی ہے رہن سہن کے طریقے بدل جاتے ہیں پیسے والے لوگ مغرور ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف ان کے غریب رشتے دار حسد کرنا شروع کر دیتے ہیں اور حسد کے نتیجے میں جھوٹا پروپیگنڈا فضول تہمتیں لگائی جاتی ہیں اور وہی خاندان جو کچھ عرصہ پہلے پیار محبت اور اتحاد کی نشانی ہوتا تھا یک دم ایک گھر میں زرمبادلہ کی وجہ سے تفریق، انتشار اور نفرت کا شکار ہو جاتا ہے ایک اور چیز جو مشاہدے میں آئی ہے کہ جس گھر سے نوجوان ملک سے باہر چلے جاتے ہیں اس گھر کے بچے والدین اپنے نوجوانوں کو بہت زیادہ مس کرتے ہیں اور والد کے سر پہ نہ ہونے کی وجہ سے اور مالی حالات بہتر ہونے کی وجہ سے وہ مختلف غیر نصابی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں مبتلا ہو کر معاشرے میں انتشار کا باعث بنتے ہیں اور اس طرح معاشرے کو اپنے والد کی محنت کا اچھا نتیجہ دینے کے بجائے برا نتیجہ دیتے ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہوتی ہے کہ گھر کے بزرگ جسمانی طور پر کم زور ہوتے ہیں اور وہ اپنے بچوں پہ نہ تو صحیح نظر رکھ سکتے ہیں اور نہ ان کی تربیت پر توجہ دے سکتے ہیں جب کہ ان کے نوجوان اپنے گھر، اپنے ملک سے ہی باہر ہوتے ہیں تو ایسے بچوں کو کھلی آزادی مل جاتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام بچے اس کا ناجائز فائدہ اٹھائیں۔

مثبت اثرات:

لوگ دوسرے ملک میں جا کر آباد کار بن جاتے ہیں اس ملک اور اس کے معاشرے پر مثبت اثرات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں مثال کے طور پر پاکستان جیسا ملک جہاں پہ پہلے ہی ڈالروں کی کمی ہوتی ہے تو دوسرے ممالک میں رہنے والے جب اپنی کمائی اپنے ملک میں ڈالروں دیناروں یا ریالوں کی صورت میں بھیجتے ہیں تو ان کے اپنے خاندان کے علاوہ اس ملک کا بھی بہت فائدہ ہوتا ہے اس ملک کی کرنسی میں طاقت آتی ہے اور اس طرح معاشی ترقی میں یہ لوگ بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں اس سے ان کے اپنے خاندان کا بھی رہن سہن بہت بہتر ہو جاتا ہے اور ان کے بزرگوں نے والدین نے جن سہولیات کے متعلق سوچا بھی نہیں ہوتا ان کے بیوی بچے ان سہولیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان لوگوں کے بچے پیسے کی فراوانی ہونے کی وجہ

سے سرکاری اسکولوں کے بجائے اچھے پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے ان کو تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت بھی ملتی ہے اور وہ آنے والے وقت کے لیے کارآمد شہری بن جاتے ہیں ایک اور سب سے نیک بات ان لوگوں کی ہے جو مڈل ایسٹ میں محنت مزدوری کے لیے جاتے ہیں چوں کہ محنت مزدوری کے لیے جانے والے لوگ عام طور پر بہت غریب طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے والدین بیویاں حج اور عمرہ ادا کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود عام حالات میں یا مالی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے عمرہ یا حج ادا نہیں کر پاتے جب ان کے خاندان کا کوئی نوجوان سعودی عرب یا مڈل ایسٹ کے کسی دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے تو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جیسے ہی اس کی مالی حالت بہتر ہوتی ہے وہ اپنے والدین کو حج اور عمرے کے لیے اپنے ملک میں بلا لیتا ہے جس سے نہ صرف اس کے والدین کی ایک درینہ خواہش پوری ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے بچے کو بہت دعائیں بھی دیتے ہیں جس کا اثر اس پر یہ پڑتا ہے عرب ملک میں اور بھی محنت کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیتے ہیں کیوں کہ ان کو والدین کو حج کرانے کے بعد جو روحانی سکون ملتا ہے بزرگوں کی دعائیں ملتی ہیں رشتے داروں کی دعائیں ملتی ہیں اس سے ان کا Morale بہت ہائی ہو جاتا ہے اسی طرح جب ان کی مالی حالت بہتر ہو جاتی ہے تو ان کی بہنوں کے رشتے بھی اچھی جگہ پہ ہو جاتے ہیں کیوں کہ معاشرے میں بھی یا گاؤں میں بھی ان کی عزت بڑھ چکی ہوتی ہے اس طرح ایک آدمی کے جانے سے پورے خاندان پہ بہت اچھا اثر پڑتا ہے بزرگوں کے لیے ان کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مالی طور پر کم زور ہونے کی وجہ سے جب یہ اپنے بزرگوں کا علاج سرکاری ہسپتالوں یا گاؤں کے حکیموں یا جعلی ڈاکٹروں سے کراتے تھے اب وسائل مہیا ہونے کی وجہ سے اپنے بزرگوں بیوی بچوں کا علاج بیماری کی صورت میں شہر کے اچھے اور مہنگے ہسپتالوں میں کرا سکتے ہیں۔

مہاجرین اور مہاجر کیمپوں کے مسائل

مہاجرین ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو یا تو زبردستی ملک سے نکال دیا گیا ہو یا وہ خود مجبوراً اپنا ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ ملک چھوڑنے کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں بعض اوقات خانہ جنگی بعض اوقات ہمسایہ ملک کی دراندازی اور بعض اوقات حکومتِ وقت یا مخالف قبائل کے مظالم ہوتے ہیں یہ لوگ پھر دوسرے ممالک میں جا کر پناہ لے لیتے ہیں اور اس طرح دربدر ہو جاتے ہیں۔ ان کا سفر یہ بعض اوقات بہت مشکل اور خطرناک سفر ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ دورانِ سفر کم زور بچے، بوڑھے مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں اس طریقے سے بعض اوقات ان کی اپنے گھر اور ملک سے دوری اتنی لمبی ہو جاتی ہے کہ لوگ اپنی زندگی میں دوبارہ اپنا گھر بار نہیں دیکھ پاتے اس سلسلے میں یہ بات بہت ہی قابلِ ذکر ہے کہ اقوامِ متحدہ پوری کوشش کے باوجود مہاجرین کے کیمپوں کی صورتِ حال بہتر نہیں کر پائی ہے پچھلے کئی عشروں سے جو مشاہدات عمل میں آئے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں مہاجرین کے کیمپوں میں سب سے بڑا مسئلہ اوور کراؤڈنگ یا ضرورت سے زیادہ لوگوں کو کیمپوں میں رکھنے کا ہوتا ہے جہاں پر ہزاروں لوگوں کو رہنا چاہیے وہاں پہ لاکھوں لوگ رہ رہے ہوتے ہیں اوور کراوڈنگ کی وجہ سے صفائی اور جسے ہم کہتے ہیں ہائی جینگ کنڈیشن ان کی صورتِ حال بہت ہی بری ہوتی ہے پانی کے نکاسی کے کوئی انتظامات نہیں ہوتے نہ ہی پراپر

سیوریج سسٹم ہوتا ہے ٹینٹوں کے اندر جو لوگ تھوڑا بہت پانی استعمال کرتے ہیں چاہے وہ کپڑے دھونے کا ہو چاہے وہ برتن دھونے کا ہو یا نہانے کا وہ عام طور پر ان کے ٹینٹ کے باہر اور کیمپ کے اندر ہی کھڑا رہتا ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو صحت کے بہت مسائل برداشت کرنے پڑتے ہیں ایک اور خاص مسئلہ جو دیکھنے میں آیا ہے وہ پینے کے صاف پانی کا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ پینے کا پانی مطلوبہ مقدار میں میسر نہیں ہوتا جو پانی مہاجرین کو دیا جاتا ہے اس میں گندگی کے علاوہ بیماریوں کے جراثیم کی موجودگی بھی رپورٹ کی گئی ہے اسی طریقے سے فوڈ سیفٹی یا کھانے پینے کے سامان کا صحت کے اصولوں کے مطابق ہونا ایک بہت ہی مشکل امر ہے۔ مہاجرین کے کیمپوں میں کھانے پینے کی چیزیں معیاری نہیں ہوتی نہ ہی وہ پکی ہوئی چیزوں کو ریفریجریٹر میں رکھ کے محفوظ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس گیس یا ان اشیا کو گرم کرنے کے انتظامات ہوتے ہیں اکثر مہاجرین کے کیمپوں میں انتظامیہ والے پکا پکایا کھانا دیتے ہیں جو زیادہ تعداد میں مہاجرین کی وجہ سے بہت پہلے تیار کیا جاتا ہے اور تقسیم تک وہ پہلے ہی ٹھنڈا ہو چکا ہوتا ہے اور کھلی جگہ پر پڑا ہونے کی وجہ سے اس میں جراثیموں کے علاوہ مختلف جانور پرندے بھی منہ ڈال کے اس کو مزید خراب کر دیتے ہیں ایک اور مسئلہ جو دیکھنے میں آیا ہے وہ ناکافی طبی سہولیات کا ہے اوّل تو ان کیمپوں میں اچھے ڈاکٹر نہیں ہوتے جو ڈاکٹر ہوتے ہیں وہ زیادہ محنت سے اور پوری ایمان داری سے ڈیوٹی نہیں دیتے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں جو دوائیاں دی جاتی ہیں مختلف این جی اوز کی طرف سے اقوامِ متحدہ کی طرف سے بدقسمتی سے وہ بھی بیچ دی جاتی ہیں۔

اِن سکیورٹی یا خود کو غیر محفوظ سمجھنا:

ان کیمپوں میں مہاجرین کی بیشتر تعداد خود کو اس لیے غیر محفوظ سمجھتی ہے کہ بعض غنڈہ عناصر اپنی چودراہٹ قائم کرنے کے لیے آوارہ لوگوں کا گروپ بنا کے شریف لوگوں کو تنگ کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کم زور لوگوں سے کپڑے چھین لیتے ہیں کھانا چھین لیتے ہیں اور خاص طور پر خواتین کو بھی تنگ کرتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مہاجرین کے کیمپوں میں

خواتین خود کو غیر محفوظ سمجھنے کی وجہ سے ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں اسی طریقے سے چھوٹے بچے وہ اس وائلنس یا ماں باپ کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پہ خود کو بہت کم زور پاتے ہیں اور اس طرح زیادہ عرصے تک کیمپ میں رہنے کی وجہ سے ان کے جسمانی اور ذہنی نشوونما نہیں ہو پاتی اور کئی نسلیں آنے والے وقت کے لیے تیار ہونے کے برعکس تباہ ہوگئی ہیں تعلیمی اداروں کی عدم موجودگی یا کم پڑھے لکھے اساتذہ کی تعیناتی ان کیمپوں میں بچوں کو جدید تعلیم کے تقاضوں کے مطابق تیار نہیں کر پاتی یہ ایک بہت بڑا انسانی المیہ ہے کہ ایسے خاندان جو اپنی زندگی کے دور میں اچھے حالات گزار کے آتے ہیں لیکن کسی مجبوری کے تحت ملک چھوڑنے کے بعد ان کی نسل ان کے بچے وہ خود کو بہت کم تر سمجھتے ہوئے آنے والے وقت کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتے اسی طریقے سے کھیل کے میدان نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں چوں کہ کھیل انسان کی شخصیت کو بہتر بناتے ہیں اچھا کھلاڑی ہمیشہ فتح اور شکست کو ایک طرف رکھ کے اچھی سوچ کے ساتھ کھیلتا ہے جو بذاتِ خود انسان کو تربیت دینے کا ایک بہترین ذریعہ ہوتا ہے اچھے اسپورٹس مین عام طور پر جسمانی اور ذہنی طور پر مضبوط ہوتے ہیں لہٰذا وہ عملی زندگی میں اچھے نتائج دیتے ہیں ایسے لوگ مشکل وقت میں ڈٹے رہتے ہیں اور کبھی معاشرے پر بوجھ نہیں بنتے لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مہاجرین کے کیمپوں کے بچے چوں کہ وہ اس انداز میں تیار نہیں ہوتے جس انداز میں کیمپ سے باہر کے بچے تیار ہو رہے ہوتے ہیں تو جب وہ کیمپ سے باہر اچھے اسکولوں کے بچوں سے ملتے ہیں تو ان کی شخصیت دب سی جاتی ہے۔

ریفیوجی کیمپوں کے اثرات:

ریفیوجی کیمپوں کے بعض اوقات مقامی لوگوں پر مثبت اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں بعض ایسے علاقوں میں جہاں پہ چھوٹے چھوٹے دکان دار تھے کاروباری مصروفیات نہ ہونے کے برابر تھی مہاجرین کے آنے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے دکان دار بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے لگتے ہیں اس طرح مقامی لوگوں کے کاروبار بڑھنے کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت بہتر ہو جاتی ہے جب کہ مہاجرین اپنا کاروبار چھوڑ کے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض

ملازمت پیشہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ملازمتیں ختم ہو جاتی ہیں تو ان کی زندگی پر مہاجرین کے کیمپوں میں منفی اثرات پیدا ہوتے ہیں خاص طور پر مہاجرین کے کیمپوں میں رہنے والی عورتیں اور ایسے لوگ جن کو کوئی بڑا ہنر نہیں آتا وہ معاشی طور پر پس ماندگی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن بعض اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سمجھ دار اور بہادر عورتیں وہ اپنے کیمپوں میں کپڑے وغیرہ سلائی کرتی ہیں کشیدہ کاری کرتی ہیں مختلف مصنوعات بناتی ہیں اور اس طرح اپنی فیملی اپنے بچوں کے لیے ایک معاشی سپورٹر کے طور پر رول ادا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے ملک یا دوسرے علاقے میں رہنا خاص طور پہ جب اپنے عزیزوں سے دور ہوں عزیزوں سے آپ مل نہ سکیں تو ایسے حالات انسان کے لیے ایک المیہ سے کم نہیں ہوتے ایک اور بات جو دیکھنے میں آئی ہے کہ مہاجرین کے کیمپوں کے اردگرد جہاں پہ کبھی درخت ہوتے ہیں تو مہاجرین درختوں کو کاٹ کے یا تو جلانے کے لیے وہ لکڑی استعمال کرتے ہیں یا وہ اپنے جھونپڑیاں وغیرہ بنا لیتے ہیں جس سے نہ صرف اس علاقے میں آکسیجن کی کمی واقع ہو جاتی ہے بلکہ بارشیں بھی کم ہوتی ہیں اور اس علاقے کا جو قدرتی حسن ہوتا ہے جسے ہم لینڈ اسکیپ کہتے ہیں وہ بھی متأثر ہوتی ہے اسی طریقے سے بعض جگہ جب وہ کیمپ لگانے کے لیے تھوڑی بہت کھدائی کرتے ہیں تو وہ مٹی نرم ہو جاتی ہے اس طرح بارش ہونے کے بعد وہ نرم مٹی اس علاقے کی اچھی مٹی کو بہا کے لے جاتی ہے وہ بارش کا پانی اصل میں اس کو بہا کے لے جاتا ہے جس سے بعض اوقات اس کی زمین زرخیز نہیں رہتی۔ مہاجرین اور ان کے بچے جن مسائل کا سامنا کرتے ہیں ان میں سب سے پہلے زبان کا مختلف ہونا جیسے پاکستان بنا تو ہندوستان سے آنے والے لوگ جو پنجاب میں گئے ان کو پنجابی نہیں آتی تھی جو سندھ میں آئے ان کو سندھی نہیں آتی تھی اور جو خیبر پختون خواہ میں بہت تھوڑی تعداد میں گئے ان کو پشتو نہیں آتی تھی۔ یعنی مختلف زبان کا ہونا بہت بڑے مسائل کا پیش خیمہ ہوتا ہے اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ مہاجر کہنا کچھ اور چاہ رہا ہے اور مقامی آدمی سمجھتا کچھ اور ہے تو جس کام کے لیے ایک گھنٹا چاہیے ہوتا ہے وہ دو گھنٹے لگانے کے بعد بھی کام نہیں ہو پاتا اس کے علاوہ کلچر کا مختلف ہونا جیسے کہ پاکستان میں ہم لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ ہمارے ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کا رہن سہن کلچر مختلف تھا اور مقامی لوگوں کا کلچر مختلف تھا خاص طور پر صوبۂ سندھ میں یہ کلچر بہت واضح انداز میں مختلف نظر آیا بڑے لوگ سمجھ دار

ہوتے ہیں اور وہ جلد ہی ان مسائل پر قابو پا لیتے ہیں لیکن بچوں کے لیے بعض اوقات یہ بالکل مختلف ہو جاتا ہے جو بچے پچھلے ملک میں اسکول میں جاتے تھے وہاں کے پڑھانے والے اساتذہ مختلف تھے۔ نئے ملک میں پڑھانے والے اساتذہ مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے بولنے کا پڑھانے کا رہن سہن کا انداز بالکل مختلف ہوتا ہے اس کے علاوہ جیسے کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ بچوں کے لیے صحت کی سہولیات ان کیمپوں میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں اور چوں کہ بچے جسمانی طور پر کم زور ہوتے ہیں تو اس لیے ان کیمپوں میں بچوں کی شرح اموات بڑھ جاتی ہے شام (Syria) خاص طور پہ بہت لمبے عرصے تک دنیا کے سب سے زیادہ تعداد میں مہاجرین کا ملک رہا ہے چوں کہ شام کے اپنے وسائل بہت کم ہیں امیر ملک نہیں ہے تو اس وجہ سے شام میں مہاجرین کے کیمپوں میں مہاجرین کی اکثریت ڈپریشن اور اسٹریس کا شکار پائی گئی اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہاں پر لا اینڈ آرڈر سچویشن اتنی اچھی نہیں رہی تو مختلف انسانی حقوق پر کام کرنے والی تنظیمیں حتیٰ کہ اقوامِ متحدہ بھی معیاری طریقے سے ان مہاجرین کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی ہے دنیا کے بڑے بڑے مہاجرین کے کیمپ پاکستان میں بھی رہے اسّی کی دہائی میں اس کے علاوہ افریقا کے مختلف ممالک سوڈان میں خاص طور پر، کینیا میں اور صومالیہ میں۔ سوڈان تو پچھلی کئی صدیوں سے ایسے مسائل کا شکار رہا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۲۳ء کے اختتام تک سو ملین یعنی دس کروڑ افراد مہاجر کیمپوں میں رہ رہے تھے۔ ان میں افغانستان یمن اور یوکرین شامل ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ زیادہ تعداد میں مہاجرین ان ملکوں میں رہ رہے ہیں جو پہلے ہی مالی طور پہ بہت کم زور ہیں اور دنیا کے امیر ممالک ان مہاجرین کو اپنے ملکوں میں آنے سے روکتے ہیں اگرچہ وہ مالی امداد دیتے ہیں لیکن زیادہ تعداد مہاجرین کی غریب ملکوں میں ہی رہ رہی ہوتی ہے۔ افغانستان، شام، یمن، صومالیہ، وینزویلا اور اسی طریقے سے امریکا کا جو بارڈر جنوبی امریکا کے ممالک کے ساتھ لگتا ہے اس علاقے میں بھی بہت بڑی تعداد میں ریفیوجیز موجود ہیں۔

○○○

ہجرتوں کا مستقبل

جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہجرتیں آئی ڈی پیز کیمپس اور آبادکار تینوں مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں آئی ڈی پیز چوں کہ زیادہ تر ملکی حالات اور قدرتی آفات کے نتیجے میں کیمپوں میں منتقل ہوتے ہیں اس لیے ان کے مستقبل کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہوگا ہاں ہم سب کو مل جل کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ رحیم و کریم اپنے خاص فضل و کرم سے بنی نوع انسان کو ان آفات سے محفوظ رکھے تاکہ لوگوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ڈی پیز کے کیمپوں میں منتقل نہ ہونا پڑے اب میں تارکینِ وطن یا آبادکاروں کے مستقبل کے بارے میں تحریر کروں گا ایک اندازے کے مطابق اگلے پندرہ سے بیس سالوں میں تارکینِ وطن یا آبادکاروں کی تعداد میں بہت اضافہ متوقع ہے غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف روزگار، تعلیم یا سیاسی پناہ کے طور پہ جانے والے لوگوں کی تعداد تقریباً چار سو ملین کے قریب ہوسکتی ہے کچھ لوگ افریقا اور ایشیا سے مڈل ایسٹ کی طرف کچھ لوگ سینٹرل ایشین اسٹیٹ کی طرف اور زیادہ تعداد کینیڈا اور آسٹریلیا کی طرف رُخ کریں گے لیکن اگلے تیس سے چالیس سالوں کے بعد ممکن ہے کہ امیر ممالک ان لوگوں کو خوش آمدید نہ کہیں اور صرف تعلیم کے لیے اپنی یونی ورسٹیوں کو کھلا رکھیں اور تعلیم مکمل کرنے والے طلبا کو تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس اپنے ملکوں میں روانہ کر دیں اس لیے ہمیں چاہیے کہ حالات ایسے پیدا کیے جائیں۔ لوگوں کا رجحان ان

ممالک کی طرف کم سے کم ہو خاص طور پر پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک سے مغربی ممالک کی طرف ہجرت کرنے والے لوگوں کی مشکلات بڑھ سکتی ہیں جیسا کہ پچھلے چند سالوں میں دیکھا گیا ہے کہ مغربی ممالک کے مقامی لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف نہ صرف جھوٹا پروپیگنڈا کیا بلکہ ان پر تشدد بھی کیا گیا یہی وجہ ہے کہ مقامی لوگوں کے احتجاج اور غیر مناسب رویے کی وجہ سے وہاں کی حکومتیں غریب ممالک کے آبادکاروں یا تارکینِ وطن پر پابندیاں بڑھا دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستانیوں کی مشکلات اور بھی بڑھ سکتے ہیں کیوں کہ بعض پاکستانی لین دین کے معاملے میں مناسب رویہ اختیار نہیں کرتے وعدہ خلافی کرتے ہیں اور پے منٹس کے وقت دوسرے کو تنگ کرتے ہیں پاکستانیوں کے خلاف ایک یہ پروپیگنڈا بھی بھارتی لابی کرتی آئی ہے کہ پاکستانی غیر معیاری اشیا دوسرے ممالک کو بھیجتے ہیں بدقسمتی سے کچھ پاکستانی منشیات کی اسمگلنگ میں بھی ملوث پائے گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو مختلف ممالک میں سزائیں بھی ہوئی ہیں اگر میں اس بحث کو سمیٹنا چاہوں تو چند جملے یہی کافی ہیں کہ ہم نے اپنے رویوں غیر اخلاقی کاروباری ہتھکنڈوں اور جھوٹ کی وجہ سے اپنی نیک نامی کو ضائع کر دیا ہے جس کو دوبارہ بنانے میں بہت وقت لگے گا ایک اور چیز جو امیر ممالک میں روزگار کے مواقع کو کم کرے گی آرٹی فیشل انٹیلی جنس ہے جیسے مشینوں کے آنے سے لوگوں کے روزگار کم ہوئے جو کام دس لوگ کرتے تھے وہ ایک مشین کر لیتی تھی۔ اب ایسے لگتا ہے کہ آرٹی فیشل انٹیلی جنس کے بعد مختلف روبوٹ اور اس قسم کی چیزیں بنائی جائیں گی جو انسانوں کی فزیکل موجودگی کو کم کر دیں گے اس طرح روزگار کے مواقع کم ہو جائیں گے اور جو لوگ آئی ٹی یا آرٹی فیشل انٹیلی جنس کو سمجھتے ہیں ان ہی کو زیادہ اچھے روزگار کے مواقع ملیں گے۔

ہجرت روکنے کے لیے اقدامات:

ہجرت روکنے کے لیے سب سے بڑی ذمہ داری کسی بھی ملک میں قائم حکومت کی ہوتی ہے حکومت گڈ گورننس کے ذریعے لوگوں کی اس خواہش کو کم کر سکتی ہے کہ دیہات سے قصبے قصبے سے شہر شہر سے بڑے بڑے شہر اور پھر اپنے ملک سے بیرونِ ملک ہجرت کی جائے حکومت کو

چاہیے کہ اپنی پالیسیوں پر نظرِثانی کرے اور ایسی پالیسیاں اپنائے جس سے ملک میں معاشی اور سیاسی استحکام پیدا ہو معیاری تعلیم شہروں سے بڑھا کر قصبے اور گاؤں کی سطح تک پہنچائی جائے جب اچھے اسکول دیہاتوں میں بھی ہوں گے تو والدین کم از کم اپنی فیملی کو شہروں کی طرف لے کر نہیں آئیں گے اس کے ساتھ ساتھ قصبوں اور دیہات میں روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں وہاں پہ اچھی سہولیات فراہم کی جائیں جس میں ذرائعِ آمد ورفت کی سہولت اور خاص طور پر اچھے اور معیاری ہسپتالوں کا قیام بہت اہم ہے پاکستان جیسے ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی بھی بہت بڑا مسئلہ ہے کیوں کہ اس سے وسائل تقسیم ہو جاتے ہیں اور ہر شہری کا ملکی وسائل پر جو حصہ آتا ہے وہ خود بخود آبادی بڑھنے سے کم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شہر سے ملتی جلتی اسکیمیں دیہاتوں اور گاؤں میں بھی جاری ہونی چاہییں ۔جیسے شہر میں اقساط پر گھر بنا کر دیے جاتے ہیں قرضے دیے جاتے ہیں تو جب یہ سہولیات دیہاتی عوام کو ملیں گی تو شہر کی طرف ہجرت کا رجحان کم ہو گا حکومت کے لیے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ اپنے غیر ضروری اخراجات میں کمی کرے سرمایہ داروں کو قائل کرے کہ وہ اپنا سرمایہ دیہاتوں اور قصبوں میں بھی لگائیں اور قائل کرنے کے علاوہ ان کو ٹیکس میں رعایت دی جائے تا کہ وہ اپنے کارخانے فیکٹریاں دور دراز کے علاقوں میں لگائیں لوگوں کا معیارِ زندگی بہتر ہو اور شہر کی طرف ہجرت کرنے کا رجحان کم ہو ایک اور بات جو مشاہدے میں آئی ہے کہ دیہات میں سرکاری افسر اور پولیس کے کارندے گاؤں کے چودھری، وڈیرے یا ملک صاحب کے زیرِ اثر ہوتے ہیں اور غریب لوگ جب سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی کو یا ان کی املاک کو خطرہ ہے تو وہ وہاں سے دوسرے شہر منتقل ہو جاتے ہیں اس لیے حکومت کو چاہیے کہ تمام سرکاری مشینری بہ شمول پولیس کو مجبور کریں کہ لوگوں کے ساتھ ظلم نہ ہو، زیادتی نہ ہو اور قانون کے مطابق مظلوم کا ساتھ دیا جائے پاکستان جیسے ملک میں عدالتی نظام بھی بہت سے مسائل کا پیش خیمہ ہے خاص طور پر انصاف کی بروقت فراہمی لوگوں کی جائیداد کے مقدموں کو جلد نمٹا دینا اور اس کے اوپر عمل درآمد کروانا بہت ضروری ہے اور اس کام کے لیے پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں اگر چھوٹی عدالتوں پر زور ڈالیں تو لوگوں کے یہ مسائل بھی حل ہو جائیں گے اس کے علاوہ دیہاتوں میں بھتا خوری بھی شروع ہو چکی ہیں قبضہ گروپ بھی بہت

سے چھوٹے دیہاتوں میں مختلف اسکیموں کے لیے ہاؤسنگ سوسائٹی کے لیے زمین حاصل کرنے کے لیے غریب مالکان پر دباؤ ڈالتے ہیں ان کو مختلف طریقے سے تنگ کیا جاتا ہے اس قسم کے رویے کی بھی روک تھام ضروری ہے کسانوں کو سستے بیج، کھاد، کیڑے مار ادویات اور زرعی مشینری کے لیے آسان اقساط پر قرضے یا زرعی مشینری کے لیے قرضہ دیا جانا چاہیے تاکہ کسانوں کو ان کی محنت کا مناسب معاوضہ ملے ان کے مالی اور معاشی معاملات بہتر ہوں اور وہ شہروں میں منتقل ہونے کا خیال چھوڑ دیں۔

ہجرتوں کے رجحان کو اسوۂ حسنہ
(رسول اللہ ﷺ) کی روشنی میں روکنا

ہمارے مسائل:

آج ہم بے انتہا مسائل کا شکار ہیں۔ بھائی چارہ، اخوت اور خلوص ناپید ہو رہا ہے۔ باہمی نفرتوں اور غلط فہمیوں کی وجہ سے سکون نام کی چیز میسر نہیں ہے۔ بداعتمادی کی وجہ سے ہر دوسرا شخص دشمن محسوس ہوتا ہے۔ اخلاقی قدروں کی پامالی کے باعث حقوق العباد کا تصور جعلسازی اور دھوکہ دہی میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے غرض بے شمار نعمتوں کی موجودگی کے باوجود بے سکونی اور ناشکری کا دور دورہ ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی ہے۔ پھولوں کو دیکھ چہرہ کھلتا نہیں اور حسین وادیوں کو دیکھ کر دل مچلتا نہیں۔ غرض زندگی کو نعمت کی بجائے زحمت سمجھ کر بسر کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو کیسے حسین اور بامقصد بنائیں۔ تو اس کا جواب نہایت سادہ ہے کہ ہمیں رہنمائی کے لیے سیرت نبی پاک ﷺ کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔

اسوۂ حسنہ:

آج سے کم و بیش پندرہ صدیاں بیشتر جہالت کے اندھیروں میں لپٹی ہوئی زمین پہ پیدا

ہونے والے ایک بچہ آنکھ کھولنے سے پہلے ہی یتیم ہو گیا۔ سر پہ شفقت کا ہاتھ رکھنے والا دادا بھی کم عمری میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور پرورش کی ذمہ داری چچا نے قبول کی۔ دنیاوی تجربوں کی روشنی میں ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ زمانے کے نشیب و فراز اور حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہونے والا یہ بچہ معاشرے پر بوجھ بن جاتا مگر یہاں تو بات ہی دوسری تھی۔ یہاں تو وہ بچہ پروان چڑھ رہا تھا جس کے لیے خالقِ کائنات نے اتنی بڑی دنیا تخلیق کی تھی لہٰذا یہی بچہ پہلے اپنے اعلیٰ کردار اور خوبی گفتار کی وجہ سے صادق امین کے نام سے شہرت پاتا ہے اور پھر اس کے بارے میں خود اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(سورۃ احزاب، آیت ۲۱)

ترجمہ: بے شک تمھارے لیے (پوری انسانیت کے لیے) رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ اخلاق و عادات کا سرچشمہ علم و حکمت کا منبع، انصاف کا خزانہ، سخاوت میں شاہ زمانہ، حلیم و بردبار، شیریں گفتار، صبر و رضا کے وارث اور محبتوں کے حارث تھے۔

حضور ﷺ کے خلاف قریش کی دشمنی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ دشمنی نبھانے کا شاید ہی کوئی اوچھا ہتھکنڈہ رہ گیا ہو جو قریش مکہ نے آپ ﷺ کے خلاف استعمال نہ کیا ہو، مگر اس تمام بغض و عناد کے باوجود کسی دشمن نے آپ ﷺ کی سیرت و اخلاق پر کبھی انگلی نہیں اٹھائی۔ رسول اللہ ﷺ نے جوانی کا زمانہ اس قدر پاکیزگی اور شرافت سے گزارا کہ معصوم جانی کا اس سے بہتر تصور تاریخِ انسانیت نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ پیش کر پائے گی۔ پھول کی پتیاں صاف و شفاف، قوس قزح بہت معصوم اور چودھویں کے چاند کی چاندنی بے داغ ہوتی ہے مگر حضور ﷺ کی جوانی ان سب سے بہت معصوم، پاکیزہ اور عفیف تھی۔ آپ ﷺ زبان کے سچے اور قول کے اس قدر پکے تھے کہ آپ ﷺ کے ازلی دشمن بھی آپ ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارنے پر مجبور تھے اور آپ ﷺ نے ان القابات کی لاج یوں نبھائی کہ آپ ﷺ جب مجبور ہو کر مدینہ کو ہجرت کا ارادہ کرتے ہیں تو اپنے ہر دلعزیز بھائی حضرت علیؑ کو محض اس

لیے دشمنوں کے رحم وکرم پر چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کی حضور ﷺ کے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کو واپس لوٹا سکیں۔

بہ حیثیت سپہ سالار:

آپ ﷺ بے شمار خوبیوں سے مالا مال سپہ سالار تھے۔آپ ﷺ کی جنگی منصوبہ بندی کی نظیر نہیں ملتی ۔ایک جانب آپ ﷺ میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ جیسے عہد نامے قبول کر کے یہودیوں اور قریش مکہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو دوسری جانب فتح مکہ اور فتح خیبر جیسے معرکے سرانجام دے کر ان کے غرور کو چکنا چور کر دیتے ہیں۔تمام غزوات میں آپ ﷺ کی مثالی شجاعت اور قائدانہ صلاحتیں مسلمانوں کے لیے قابلِ تقلید ہوتیں۔مسجدِ نبوی ﷺ میں دنیا کی کئی بڑی سلطنتوں کی قسمت کے فیصلے ہوتے۔جنگِ احد میں جب مسلمان آپ ﷺ کی ہدایت سے چشم پوشی کرتے ہوئے مالِ غنیمت کی طرف مائل ہوئے تو کفار کے ایک ہی حملے سے اکثر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔مگر حضور ﷺ شجاعت کا پیکر بنے ایک چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ دندانِ مبارک شہید ہوئے۔آپ ﷺ کی ثابت قدمی دیکھ کر مسلمانوں نے ہاری ہوئی جنگ کو جیت میں بدل ڈالا۔

تاریک شب میں آپ ﷺ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی

انسانی محبت:

آپ ﷺ کی پوری انسانیت کے لیے محبت اس قدر لاثانی ہے کہ طائف کہ میدان میں لوگ پتھر مار رہے تھے آپ ﷺ کا بدن زخمی تھا، مگر آپ ﷺ سراپا رحمت بن کر ان ظالموں کے لیے دعائے خیر فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، ''اے نبی ﷺ اگر آپ ﷺ کی اجازت ہو تو طائف کی نگری کو تباہ و برباد کر دوں۔'' مگر آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر فرماتے ہیں، ''اے اللہ میری اس ناسمجھ قوم کو ہدایت عطا فرما۔'' آپ ﷺ اکثر نہ صرف بیماروں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے بلکہ صحابہ کرامؓ

کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے بیواؤں، یتیموں اور ہمسائیوں کا خاص خیال رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

فتح مکہ:

دنیا بھر کا دستور ہے کہ فاتح مفتوح قوم کو ذلیل ورسوا کرتے ہیں ان کے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں مگر آپ ﷺ جب اس شہر کو فتح کرتے ہی جس کے باسیوں نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی تو آپ ﷺ عام معافی کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کے انسانِ کامل ہونے کا ثبوت حجتہ الوداع کے موقعے پر دیا گیا آپ ﷺ کا وہ خطبہ ہے جو ایک آئین کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ہر لحاظ سے تعلیم سے پر اور آپ کا ہر عمل انسانیت کی اعلیٰ معراج کا عملی نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے زیرِ سایہ تربیت پانے والے آپ ﷺ کے دوسرے ساتھی آپ ﷺ کی طرح صبح مسجدوں میں امام ہوتے تو دوپہر میں عدالتوں کے قاضی۔ سہ پہر کو فوجوں کے جرنیل ہوتے تو شام کو وہی لوگ حکومت کے سربراہ اور عوام کے چوکیدار ہوتے۔ یہ آپ ﷺ کے انسان کامل ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے غلاموں، عورتوں اور انسانوں کے جن حقوق کی بات آج سے سوا چودہ سو سال پہلے کی تھی آج وہ مغربی اور ترقی یافتہ ممالک کے آئین اور بین الاقوامی اصول بن رہے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ہمارے مسائل کا حل:

ہمارے تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے پر سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں۔ کسی کے خلاف کوئی بھی ردِعمل ظاہر کرنے سے پہلے سوچیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اس موقعے پر کس قسم کے رویے کا اظہار کیا تھا۔ اپنے اندر عفو و درگزر کا



زندگی کا خوب صورت لمحہ۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے موقع پر میس ڈریس میں آخری ڈنر۔



ریٹائرمنٹ سے پہلے پاکستانی فوج کی طرف سے دیے گئے سرکاری گھر اور اسٹاف
کار کے ساتھ ایک یادگار تصویر۔

جذبہ پیدا کریں۔ آپ ﷺ کے آخری خطبے کی روشنی میں دوسرے انسانوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں۔ انتقام لینے کی بجائے معاف کرنے کا شعار اپنائیں۔ حقوق العباد کا خیال رکھیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے اپنی روزمرہ زندگی میں دیانت، حلم، شفقت اور ایثار کو اپنا اشعار بنائیں۔ نفرتوں سے دور رہیں اور آپس میں پیار محبت بانٹیں۔ انشا اللہ ہماری زندگی پھر سے حسین اور پُرسکون ہو جائے گی۔

ویزے کی اقسام

ویزہ ایک دستاویز (پرمٹ) یا اجازت نامہ ہے جو ایک ملک کسی دوسرے ملک سے آنے والے کو فراہم کرتا ہے۔ دنیا میں چند ممالک کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک میں ویزے کے بغیر داخلہ ممکن نہیں ہوتا۔ کچھ سال پہلے اطلاع ملی تھی کہ بعض دیہاتی اور اَن پڑھ نوجوانوں کو جعل سازوں نے جعلی ویزہ کریڈٹ بنا کر کہا کہ آپ اس پر سعودی عرب جا سکتے ہیں اور لاکھوں روپے ہتھیا لیے تھے اس لیے یہاں سادہ لوح انسانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ ویزہ کارڈ دوسرے ممالک میں داخل ہونے کے ویزہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔

ویزے کی اقسام ان کے مقصد کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ سیاح یا ٹورسٹ کے لیے ویزا۔ Tourist Visa:

یہ ان افراد کو فراہم کیا جاتا ہے جو کسی دوسرے ملک میں سیاحت یا تفریح کے لیے گھومنے جاتے ہیں۔ دنیا کے اکثر ممالک یہ ویزہ خوشی سے دیتے ہیں کیوں کہ سیاحوں کی آمد سے ملک میں زرِمبادلہ آتا ہے اور سیاحتی مقامات پر رہنے والے لوگوں کو کاروبار میں مدد ملتی ہے۔ دنیا میں مصر، چین، سوئٹزرلینڈ، فلپائن، ترکی، تھائی لینڈ، ملائشیا، ہالینڈ سمیت سینتالیس ممالک ایسے ہیں جن لوگوں کی بہت بڑی تعداد محض گھومنے پھرنے جاتی ہے۔ گو کہ اس میں سعودی عرب بھی

شامل ہے مگر سعودی عرب جانے والے افراد کا مذہبی فرائض ورسوم کی ادائیگی ہوتا ہے۔

۲۔آمد پر کاروباری/ بزنس کے لیے ویزا ۔ Business Visa:

بہت سے ممالک جن میں پاکستان بھی شامل ہے ایسے افراد کو ملک آمد پر ائیر پورٹ پر ہی ویزا فراہم کر دیتے ہیں جو بزنس کی غرض سے آتے ہیں۔

۳۔فیملی وزٹ کے لیے ویزا ۔ Family Visit Visa:

یہ ایک ہی خاندان کو دیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے رشتے داروں کو مل سکیں۔

۴۔ کام کرنے کے لیے ویزا۔ Work Visa:

یہ ویزہ ایسے افراد کو دیا جاتا ہے جو کسی ملازمت کے سلسلے میں آتے ہیں ایسے افراد کو مقامی کمپنی یا ادارے کی طرف سے درخواست دینے پر فراہم کیا جاتا ہے جن کو ان کو ایمپلائز (Employees) اپنے پاس ملازمت دینا چاہتے ہیں۔

۵۔تعلیم حاصل کرنے کے لیے ویزا ۔ Study Visa:

بہت سے نوجوان خاص طور پر ڈاکٹر، انجینئر اور آئی ٹی اسپیشلسٹ تعلیم کے حصول کے لیے دوسرے ملک میں جب جاتے ہیں تو ان کو یہ ویزہ دیا جاتا ہے۔

۶۔ مذہبی مقامات پر جانے کے لیے ویزا۔Religious Visa:

جیسے پاکستان میں بدھ مت اور سکھ برادری کے لوگ اور سعودی عرب،عراق،شام، ایران اور ہندوستان میں لوگ اپنے مذہبی مقامات کی سیر کو جاتے ہیں جس کا اصل مقصد عبادت ہوتا ہے۔

۷۔سرکاری کام کی ادائیگی کے لیے ویزا۔ Official Visa:

اس ویزے پر سرکاری ملازمین اور حکومتی عہدے دار دوسرے ممالک کا دورہ کرتے ہیں۔اس ویزے پر بعض لوگوں کو اسٹیٹ گیسٹ یا حکومت کا مہمان بھی کہتے ہیں۔

۸۔این جی او کے ساتھ کام کرنے کا ویزا۔NGO Work Visa

یہ ادارے عام طور پر امیر ممالک کی حکومتوں اور مخیّر افراد کی امداد سے کام کرتے ہیں۔ ان کا مقصد غریب ممالک کے پس ماندہ طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو تعلیم، دست کاری، طبی اور ذرائعِ آمد ورفت میں سہولیات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ان اداروں سے وابستہ افراد کو یہ ویزہ دیا جاتا ہے۔

۹۔ علاج معالجے کے لیے ویزا۔Medical Visa:

میڈیکل سائنس کی ترقی کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کا علاج دریافت ہو چکا ہے۔مگر یہ علاج بہت مہنگا ہوتا ہے۔بعض غریب ممالک میں تو عام بیماریوں کا علاج کرنے کے لیے اچھے ہسپتال موجود نہیں ہے۔میڈیکل ویزہ علاج کے دوسرے ممالک سے آنے والے مریضوں اوران کے اٹینڈنٹ یا نرس کو دیا جاتا ہے۔

نقل مکانیاں اور پاکستان آرمی کی خدمات

پاکستان کی مسلح افواج، خصوصاً پاکستان آرمی نے قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک صرف ملکی دفاع تک محدود کردار نہیں نبھایا، بلکہ قومی تعمیر، ہجرت کے دوران پناہ گزینوں کی حفاظت اور قدرتی آفات کے دوران امدادی سرگرمیوں میں بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان خدمات کا مختصر تذکرہ محترم قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

۱۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے دوران پناہ گزینوں کا تحفظ

قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی سب سے بڑا بحران لاکھوں مسلمانوں کی ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی صورت میں سامنے آیا۔ یہ تاریخ کی سب سے بڑی اور خونی نقل مکانیوں میں سے ایک تھی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مسلمانوں کے قافلے پاکستان کی طرف روانہ ہوئے، اور اس دوران بے شمار فسادات، لوٹ مار، قتل و غارت اور حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ایسے پرآشوب وقت میں نوزائیدہ پاکستان آرمی نے، جو اس وقت برٹش انڈین آرمی سے نکل کر پاکستان آرمی بنی تھی اور مختلف فورسز پر مشتمل تھی نے ہجرت کرنے والوں کے قافلوں کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی۔ فوجی دستوں کو ٹرینوں، بیل گاڑیوں اور پیدل قافلوں کے ساتھ تعینات کیا گیا تا کہ راستے میں ہونے والے حملوں سے تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

خصوصاً پنجاب میں، جہاں سب سے زیادہ فسادات ہوئے، فوجی ٹیموں نے پناہ گزینوں کو بچانے کے لیے اپنی جانیں خطرے میں ڈالیں۔ سرحدوں پر چوکیاں قائم کی گئیں اور عارضی کیمپ لگا کر متاثرین کو خوراک، ادویات اور طبی امداد فراہم کی گئی۔ اسی طرح جو غیر مسلم افراد پاکستان سے بھارت جانا چاہتے تھے، ان کی حفاظت بھی فوج نے یقینی بنائی، جو ریاستِ پاکستان کے اصولی مؤقف اور قائدِاعظم محمد علی جناح کے وژن کی عکاسی کرتی ہے۔

۲۔ قومی تعمیر اور داخلی استحکام میں فوج کا کردار

قیامِ پاکستان کے بعد نوزائیدہ ریاست کو بے شمار انتظامی اور معاشرتی مسائل کا سامنا تھا۔ ان مسائل کے حل کے لیے جہاں سویلین ادارے ناکافی تھے، وہیں فوج نے قومی تعمیر میں ہاتھ بٹایا۔ اس سلسلے کی چند خدمات مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) گھوسٹ اسکولوں کی نشان دہی۔

ایسے اسکول جو کاغذوں میں موجود ہوں مگر حقیقت میں بند یا ناپید ہوں، ''گھوسٹ اسکول'' کہلاتے ہیں۔ یہ پاکستان کے تعلیمی نظام میں بدعنوانی کی ایک بڑی مثال ہیں۔ مختلف ادوار میں، خاص طور پر ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں، فوج نے حکومت کے ساتھ مل کر ان اسکولوں کی نشان دہی میں کلیدی کردار ادا کیا۔

خصوصاً سندھ اور پنجاب کے دیہی علاقوں میں فوجی ٹیموں نے زمینی سروے کیے اور ہزاروں غیر فعال اسکولوں کا سراغ لگایا، جس کے نتیجے میں تعلیمی بجٹ کے ضیاع کو روکا گیا۔ کرپٹ افسران کے خلاف کارروائیاں ممکن ہوئیں اور کچھ سکولوں کو فعال بنانے کے بعد غریب عوام کے بچوں کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع پیدا کیے۔

(ب) واپڈا کے ساتھ بجلی چوروں کے خلاف کارروائیاں۔

بجلی کی چوری پاکستان کے توانائی بحران کا ایک بڑا سبب ہے۔ مختلف ادوار میں، جب واپڈا کو بجلی چوری روکنے میں مشکلات کا سامنا رہا، تو پاکستان آرمی کو تکنیکی اور عملی مدد کے لیے طلب کیا گیا۔

فوجی ٹیموں نے غیر قانونی کنکشنز کا پتا چلایا، ٹیمپرڈ میٹروں کو بے نقاب کیا اور بجلی کے غیر قانونی نیٹ ورکس کو ختم کرنے میں حکومتِ پاکستان کی مدد کی۔ ان کارروائیوں میں فوج کی شمولیت نے شفافیت کو یقینی بنایا اور مقامی سطح پر مزاحمت کو کم کیا۔

(ج) نہروں سے پانی کی چوری کی روک تھام۔

پاکستان کے زرعی شعبے کے لیے پانی ایک قیمتی اثاثہ ہے، جس کی منصفانہ تقسیم ضروری ہے۔ مگر نہروں سے پانی کی چوری، غیر قانونی کٹ لگانا یا پانی کا غلط استعمال اکثر دیکھا جاتا ہے۔

ایسے معاملات میں فوج نے صوبائی آب پاشی محکموں کے ساتھ مل کر کارروائیاں کیں، غیر قانونی راستے بند کیے اور پانی کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا۔ اس سے نہ صرف کسانوں کے درمیان تنازعات کم ہوئے بلکہ زرعی پیداوار میں بہتری بھی آئی۔

۳۔ قدرتی آفات میں فوری امداد اور ریسکیو آپریشنز

پاکستان آرمی کی سب سے زیادہ قدر کی جانے والی خدمات میں قدرتی آفات کے دوران اس کی تیز، مؤثر اور منظّم کارروائیاں شامل ہیں۔

(الف) زلزلے

۲۰۰۵ء کا کشمیر زلزلہ ایک دل دہلا دینے والا سانحہ تھا جس میں اسّی ہزار سے زائد افراد جاں بحق ہوئے۔ پاکستان آرمی نے چند گھنٹوں کے اندر متاثرہ علاقوں میں ریسکیو آپریشنز شروع کیے، زخمیوں کو نکالا، ہسپتال قائم کیے اور دور دراز علاقوں تک خوراک اور امدادی سامان پہنچایا۔

فوج کے انجینئرز نے سڑکیں، پل، اور دیگر ڈھانچے دوبارہ تعمیر کیے، جب کہ فوجی ڈاکٹروں اور طبی عملے نے ویکسی نیشن کیمپس اور فیلڈ ہسپتال قائم کیے۔

(ب) سیلاب۔

پاکستان میں سیلاب ایک بار بار آنے والی قدرتی آفت ہے، جیسا کہ ۱۹۹۲ء، ۲۰۱۰ء اور ۲۰۲۲ء کے سیلاب۔ ان مواقع پر بھی فوج نے سب سے پہلے حرکت میں آ کر لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا، کھانے پینے کی اشیا تقسیم کیں، اور متاثرہ علاقوں میں عارضی رہائش گاہیں قائم کیں۔

فوجی کشتیاں، ہیلی کاپٹر اور دیگر ذرائعِ نقل وحمل استعمال کرتے ہوئے ہزاروں زندگیاں بچائی گئیں۔ بعدازاں، فوج نے تباہ شدہ انفراسٹرکچر کی بحالی میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔

(ج) برف باری اور برفانی تودے۔

گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر جیسے پہاڑی علاقوں میں برفانی تودوں اور شدید برف باری کے دوران فوج کی امدادی کارروائیاں ہمیشہ بروقت اور مؤثر رہی ہیں۔ ۲۰۲۰ء میں نیلم ویلی میں ہونے والے تودے کے بعد فوجی ہیلی کاپٹرز نے پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالا اور ضروری اشیا کی ترسیل کی۔

حاصل مضمون۔

پاکستان آرمی نے قیامِ پاکستان کے وقت سے آج تک ملک کی خدمت میں ہر موقع پر خود کو پیش کیا ہے۔ چاہے وہ ۱۹۴۷ء کی خوں ریز ہجرت ہو، قومی وسائل کی حفاظت کا معاملہ ہو، یا قدرتی آفات میں امداد، فوج نے ہر محاذ پر اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں، بے لوث خدمت اور حب الوطنی کا شان دار مظاہرہ کیا ہے۔ ان خدمات کا مقصد عارضی طور پر سویلین اداروں کی مدد کرنا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں جب کبھی ریاستی ادارے کسی بھی وجہ سے ناکام یا غیر فعال ہونے لگے، وہاں پاکستان آرمی نے خلا پُر کیا ہے۔ یہ خدمات صرف دفاعی دائرے تک محدود نہیں بلکہ پاکستان کی قومی بقا، تعمیر اور ترقی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پاکستان زندہ آباد

افواج پاکستان پائندہ آباد۔

سوھنی دھرتی اللہ رکھے۔ قدم قدم آباد

○○○

(Internally Displaced Persons)

آئی ڈی پیز (اپنے ہی ملک میں بے گھر ہونے والے افراد)

اپنے ہی ملک کے اندر خانہ جنگی۔ قدرتی آفات یا ترقیاتی منصوبے کی تکمیل کے لیے بے گھر ہو جانے یا کیے جانے والے لوگوں کو آئی ڈی پیز کہتے ہیں۔ یہ الفاظ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اس وقت سنے جب مجھے خوش قسمتی سے اقوامِ متحدہ کے اس دستی کی ایک یونٹ کمانڈ کرنے کے لیے جی ایچ کیو نے اعزاز بخشا کہ میں سیرالیون میں افواجِ پاکستان کے اقوامِ متحدہ کے دستے کا حصہ بنوں۔ اس لیے میں سب سے پہلے سرالیون کا ذکر کروں گا۔ جب میں بریگیڈیئر جنرل محمد اعجاز اعوان کے زیرِ کمان بریگیڈ کی ایک یونٹ کا کمانڈنگ آفیسر تھا۔ جب میں سیرالیون پہنچا تو پاکستانی فوج کے ایک میجر جنرل سیّد اطہر علی شاہ ہم سے پہلے اپنے اسٹاف کے ساتھ سیرالیون میں اپنا ہیڈ کواٹر قائم کر کے زبردست خدمات انجام دے رہے تھے۔ بریگیڈیئر جنرل شجاع پاشا بھی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ یہ تینوں جنرل آفیسر پاکستان کے نہایت قابل، ہر دل عزیز اور شان دار شخصیت کے حامل جنرل تھے۔ جنھوں نے پاکستان اور

اقوامِ متحدہ کے ساتھ ساتھ سیرالیون میں بھی پاکستان اور افواجِ پاکستان کا نام روشن کیا۔

اقوام متحدہ کے امن مشن کے ساتھ میرا سرالیون کے آئی ڈی پیز کے ساتھ:

سیرالیون پرتگالی لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''شیروں کا پہاڑ'' اس سرزمین پر ابتدا میں پرتگالی وارد ہوئے اور انھوں نے ہی اس ملک کا نام سیرالیون رکھا۔ روایت ہے کہ یہاں کے پہاڑوں پر کچھ اس طرح کے پتھر تھے جو دور سے شیروں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ اسی وجہ سے اس جگہ کا نام ''شیروں کا پہاڑ'' بن گیا۔

پرتگالیوں نے جب یہ ملک چھوڑا تو اس کے فوراً بعد یہاں انگریز قابض ہوگئے۔ اور یوں ۱۸۰۸ء میں یہ خطہ باقاعدہ ایک کالونی کی شکل اختیار کر گیا۔ سیرالیون ۲۷/اپریل ۱۹۶۱ء کو برطانیہ سے آزاد ہوا۔ اس کا دارالخلافہ فری ٹاؤن ہے۔ براعظم افریقا کے مغربی حصے میں واقع اس ملک کے شمال اور شمال مشرق میں گنی جب کہ جنوب اور مغرب میں بحرِ اوقیانوس اور جنوب مشرق میں لائبیریا واقع ہے اس کے علاوہ گھانا، مالی، سینیگال جیسے ممالک بھی اسی خطے میں واقع ہیں۔ البتہ ان کی سرحدیں سیرالیون سے متصل نہیں ہے۔

سیرالیون میں تقریباً بیس قبائل آباد ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے اور کسی حد تک تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی بھی بولتا ہے جنوبی علاقے میں مینڈے زبان عام ہے۔ جب کہ شمال میں تیمنے بولی جاتی ہے اسی طرح باقی اضلاع میں اکثر کریو بولی جاتی ہے۔

سیرالیون میں مسلمان ساٹھ فی صد ہیں، تیس فی صد عیسائی ہیں جب کہ باقی کے دس فی صد افراد مختلف مقامی عقائد پر عمل پیرا ہیں۔ پاکستانی آب و ہوا کی نسبت سیرالیون کی آب و ہوا میں کافی فرق ہے اور یہی حال موسم کا ہے۔ یہاں مئی سے نومبر تک بارشوں کا موسم ہوتا ہے۔ جب کہ دسمبر سے اپریل تک یہاں مکمل خشک سالی ہوتی ہے۔ مارچ، اپریل کے مہینے میں سخت گرمی ہوتی ہے دسمبر سے فروری تک یہ ملک گرد آلود طوفان کی زد میں رہتا ہے۔ یہاں کا ساحلی علاقہ دلدلی ہے جب کہ بقیہ سارا ملک گھنے جنگلات سے ڈھکا رہتا ہے۔ مشرقی علاقہ پہاڑی

ہے۔ بالائی علاقہ سطحِ مرتفع ہے اس ملک کی زرعی پیداوار میں چاول، کافی، ناریل اور پام وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پھلوں کے سلسلے میں یہ ملک بہت ذرخیز ہے۔ یہاں کیلا، آم اور پپیتا بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مالٹا بھی بہت ہے۔ اور یہ سب پھل جنگلوں میں عام اگتے ہیں۔ اسی طرح جنگلوں میں اناناس کے پودے پائے جاتے ہیں۔ اور یہاں کوکا کے درخت جن سے چاکلیٹ بھی تیار ہوتی ہے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ملک کی معاشی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ خانہ جنگی سے پیشتر معاشی حالت بہتر تھی اور ایک لیون (کرنسی کی اکائی جس طرح ہمارا روپیا ہوتا ہے) امریکا کے تقریباً ڈیڑھ ڈالر کے برابر تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ تقریباً چوبیس سو لیون کا ایک ڈالر ہے۔ اس وقت سیرالیون کی عوام ہی غریب اور افلاس کی زندگی بسر کر رہی ہیں کیون کہ یہ ملک تقریباً دس سال سے زیادہ عرصہ تک خانہ جنگی کا شکار رہا ہے لیکن اب حالات آہستہ آہستہ بہتر ہو رہے ہیں اس لیے امید ہے کہ ملک کی معاشی حالت کچھ عرصے تک ٹھیک ہو جائے گی کیوں کہ دس سالہ خانہ جنگی کے اثرات فوری طور پر تو ختم نہیں ہو سکتے اس ملک کا سب سے بڑا قدرتی وسیلہ ملک میں پائی جانے والی ہیروں کی کانیں ہیں ملک کی برآمدات میں ہیرا، کافی اور مچھلی شامل ہیں جب بکہ درآمدات میں اشیائے خوردنی، مشینیں اور آلات، تیل اور دوائیں اہم ہیں ملک کی صنعتی حالت اچھی نہیں جو صنعتیں تھیں خانہ جنگی میں تباہ ہو گئیں۔

سیرالیون بہ حیثیت مجموعی ایک خوب صورت ملک ہے، زمین زرخیز ہے اور اس میں ہیروں اور سونے کی کانیں ہیں۔ پھر اسی زمین پر انتہائی انمول خوب صورت درختوں اور پودوں سے مزین گھنے جنگلات ہیں۔ یہاں کے عوام نہایت ہی محنتی اور جفاکش ہیں جاں فشانی سے ان نامساعد حالات میں بھی گزر بسر کر رہے ہیں۔ یہاں کے لوگ کینیا اور ویسٹ انڈیز کے لوگوں کی طرح کالے ہیں۔ غربت اور فیشن کی وجہ سے مختصر لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن طرز یورپی ہے۔

فساد لڑائی جھگڑے اور جنگیں انسانی تہذیب کا حصہ رہی ہیں۔ اگر چہ نظریۂ جنگ اور اس کی دلیل پر بحث لازم ہے لیکن ہمیں جس کردار پر گفتگو کرنا ہے۔ امن کے داعی اور امن کے

پیامبر کا کردار ہے۔ اگر لڑائی جھگڑے، فتنہ وفساد اور جنگ و جدل انسانی تہذیب کا زیور رہے ہیں تو اخوت و بھائی چارہ، پیار ومحبت، امن و آشتی اور صلح جوئی بھی انسانی تہذیب کا زیور گردانے جاتے ہیں۔لڑائی اور جنگ سے پہلے اوراس کے بعد ہمیشہ صلح اورامن کی بات ہوتی ہے۔اور یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ اگر امن کے داعی اور صلح کے پیامبر نیک نیتی سے اپنا کردارادا کریں تو پھر یقیناً امن کے چراغ روشن کیے جاسکتے ہیں۔حتیٰ کہ یہی چراغ روشنی کے میناروں کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔جن کی روشنی میں ایک دوسرے کی جان کے دشمن، رواداری، درگزر اور بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔

سیرالیون کی مثال ہی لیجیے۔ایک ایسا ملک جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔اگر مشرقی ضلع کونو میں ہیروں کے ذخائر ہیں تو جنوب مغرب میں ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر، جس میں خام تیل کے بیش بہا ذخائر موجود ہیں۔ جب کہ پورا ملک سبزہ زار کا منظر پیش کرتا ہے۔جس میں پام کے درخت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور اگر ان سے پام آئل بنالیا جائے تو نہ صرف یہ پورے ملک کی خوردنی تیل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے بلکہ زرِمبادلہ کمانے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ایک ایسی مملکت کہ جس کے نوجوان جسمانی طور پر تندرست و توانا، عمل پیہم اور جہدِ مسلسل کے عادی اور ذہنی طور پر باشعور تھے۔جو دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک کے باشعور عوام کی طرح ستاروں پر کمند ڈالنے کی تمنا لیے پھرتے تھے۔علم وادب کے گہوارے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر رہے تھے۔لیکن شومئی قسمت! کبھی خوش حالی بھی بدحالی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ جب دولت کی دیوی فقط چند مخصوص لوگوں کو ہی درشن کروائے حتیٰ کہ پجاری پوجا کے پھول بھی عام لوگوں میں تقسیم کرنے سے گریزاں ہوں۔ جب ایک شخص کا کتا بھی دودھ اور گوشت کھائے جب کہ اس کا ہمسایہ بھوک اور پیاس سے بلک بلک کر جان دے رہا ہو تو پھر امن وامان کی صورتِ حال کا پیدا ہونا کوئی عجب بات نہیں۔

چناں چہ ۱۹۹۰ء کی دہائی سیرالیون کے عوام کے لیے بدحالی، تباہی و بربادی اور خانہ جنگی کا پیغام لے کر آئی۔اس سارے کھیل میں سیرالیون کے بے گناہ اور مجبور لوگوں کے خوشیوں بھرے آنگن ویران ہوگئے۔کلیسا جن میں یسوع مسیح کے ماننے والے محبت کے گیت گاتے تھے

اور مسجدیں جن میں اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی تھیں، انسانی وجود کو ترسنے لگے۔ جہاں کبھی محبت کے پھول کھلتے تھے وہاں نفرت کی خاردار جھاڑیوں نے اس ملک کے ہر باسی کے دامن کو تارتار کر دیا۔ محبت کی دیوی سب سے ناراض ہوگئی، نفرت کی آگ نوجوانوں کے سینوں میں بھڑکنے لگی اور وہ بے راہ روی کا شکار ہوگئے۔ انسانی خون اتنا ارزاں ہوگیا کہ اس سے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ اتنی گولیاں برسیں کہ رنگ ونسل، بڑے چھوٹے اور مردوزن کی تمیز ختم ہوگئی۔ بچے جو کبھی کلیوں کی طرح معصوم تھے روٹی کی بھیک مانگتے نظر آئے اور بوڑھے اپنی قوم کی زبوں حالی پر ماتم کرنے لگے۔ ہر طرف مایوسی تھی۔

آزادی سے لے کر آج تک سیرالیون کے مجموعی صورتِ حال میں کئی مدوجزر آئے۔ لیکن ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک کا عرصہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ تاہم ان سطور کا مقصد نہ تو گزرے ہوئے تلخ واقعات کا اعادہ کرنا ہے اور نہ ہی کوئی تاریخ رقم کرنا۔ فقط یہ بات گوشِ گزار کہ حالات کتنے ہی خراب اور مایوس کن کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امن کا پیامبر صورتِ حال سنبھالنے کے لیے میدانِ عمل میں آجائے تو حالات کا رُخ ابتری سے بہتری کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔ اور سیرالیون میں ایسا ہی ہوا۔

باہم دست وگریباں اور ایک دوسرے کی جان کے پیاسے بھائیوں کو ملانے کی سب سے قابلِ ذکر کوشش ۱۹۹۸ء میں ہوئی جب اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل نے United Nation Observation Mission in Sierra Leone (UNOMSIL) قائم کرتے ہوئے جناب Okelo کو سیکریٹری جنرل اقوامِ متحدہ کا خصوصی نمائندہ اور مشن کا سربراہ مقرر کیا۔ اس مشن نے جنگجوؤں سے اسلحہ واپس لینے اور سیرالیون کی سکیورٹی فورسز کی تشکیلِ نو کا مشورہ دیا۔ پھر ۷ رجولائی ۱۹۹۹ء کو جناب Okelo ہی کی کوششوں سے صدر کباہ اور RUF کے درمیان امن طے پایا جسے Lome Peace Agreement (LPA) کا نام دیا گیا۔ طرفین کی طرف سے صدر کباہ اور Foday Sankoh نے معاہدے پر دستخط کیے۔ جب کہ اقوامِ متحدہ اور دیگر ادارے ثالثی اور مصالحت کروانے میں پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ امریکا، برطانیہ، لیبیا، نائیجیریا اور گھانا کی حکومتوں کے سربراہان اور نمائندوں نے بطورِ مبصر اس معاہدۂ

امن میں شرکت کی۔ اس معاہدۂ امن میں جو اُمور خاص طور پر طے پائے، اُن میں ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کا خاتمہ، فائر بندی کی نگرانی، RUF کی بطورِ سیاسی پارٹی تشکیلِ نواور اسے حکومت میں شمولیت کا موقع فراہم کرنا شامل تھے۔

سیکورٹی کونسل نے ۱۹۹۹ء میں اس معاہدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیےUNOMSIL کو ختم کر کےUNAMSIL کی بنیاد رکھی۔ نائیجیریا کے جنابOluyemi Adeniji کو سیکریٹری جنرل کا نمائندہ خصوصی برائے سیرالیون اورUNAMSIL کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہUNAMSIL کے ابتدائی ممبران کی تعداد چھ ہزار رکھی گئی لیکن اس تعداد کو بڑھا کر مارچ ۲۰۰۱ء تک سترہ ہزار پانچ سو کر دیا گیا۔ جن میں پاک فوج کے بہادر افسران، تجربہ کار سرداران اور شیر دل جوان بھی شامل تھے۔ سیرالیون کو امن کی راہ پر چلانے کے لیے جو کوششیں ہوئیں ان میں سب سے کارآمد اور نتیجہ خیز باتUNAMSIL کا قیام تھا۔

UNAMSIL کی آمد کے بعد صورتِ حال بہ تدریج بدلنے لگی۔ جنگل ویران ہونے لگے۔ اور شہروں میں آباد کاری ہونے لگی۔ جن گھروں پر فقط آسمان سایہ فگن تھا، وہاں چھتیں پڑنے لگی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھوک پیاس کے مارے معصوم اور بے گناہ بچوں کی Chop Chop (روٹی، روٹی) کی آوازیں کانوں میں درد اٹھانے لگیں۔

پاک فوج نے اقوامِ متحدہ کے جھنڈے تلے اورUNAMSIL کے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے سیرالیون کے عوام کو پُرامن ماحول فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خوراک، لباس، رہائش، صحت، کھیل اور مواصلات کی ضروریات کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ کہ آج سیرالیون کے عوام پاکستانی فوج کا بدرجۂ اتم احترام کرتے ہیں اور اُن سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔

Chop Chop کی صدائیں لگانے والے بچےGood Morning اور السلام علیکم کہہ کر اپنی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ سیرالیون کے نوجوان پاکستانی فوج کو اپنا دشمن نہیں بلکہ اپنا غم خوار اور ہم درد قرار دینے لگے۔ بزرگوں کے لبوں پر آپ کے لیے دعائیہ کلمات ہیں۔ مسجدیں آج اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے انسانیت کو درگزر کا درس دے رہی ہیں۔ گرجا

گھروں سے محبت کی شمعیں روشن ہورہی ہیں اور پیار ومحبت کے گیت گائے جارہے ہیں۔ جب کہ نوجوان اپنی اقتصادی حالت کوسنوارنے کی ٹھان چکے ہیں۔کھیلوں کے میدان آباد نظرآتے ہیں۔ بازاروں میں زندگی کی جھلک نظرآتی ہے۔لوگوں میں قانون کے احترام کا جذبہ اجاگر ہورہا ہے۔اب ہرکوئی امن وامان کی بحالی کی ترقی کے لیے سرگرمِ عمل نظرآتا ہے۔آج ان کا نعرہ محبت اور امن ہے۔ وہ ہتھیاروں سے نہیں بلکہ محبت وایثار سے ایک دوسرے کے دل فتح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شکرگزار ہیں اقوامِ متحدہ کے کہ جس نے انھیں امن کی راہ دکھلائی۔ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ UNAMSIL کے ہررکن نے امن کے پیامبر کا کردار ادا کیا مجھے فخر ہے کہ میں نے امن کے سفیر کے طور پر UNAMSIL میں اپنی خدمات سرانجام دیں اور خوش ہوں کہ آج سیرالیون کے باشندے ماضی کے تلخیوں کو فراموش کر کے دوبارہ بغل گیر ہورہے ہیں۔آج ان میں نہ کوئی فاتح ہے اور نہ کوئی مفتوح۔ وہ آپس میں ہی نہیں بلکہ پاکستانیوں کے بھی بہن بھائی ہیں۔شکریہ پاکستان۔





سیرالیون (افریقا) اقوامِ متحدہ کے مشن کی تکمیل پر مقامی معززین پاکستان کا شکریہ ادا کرنے آئے۔
ان کے ساتھ میری ایک یادگار تصویر۔



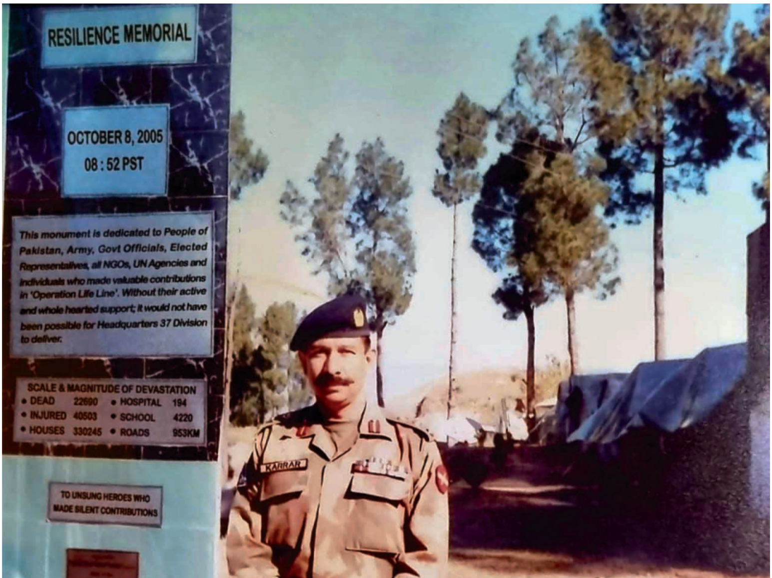
کرنل سیّد کرار حسین سیرالیون کے صدر الحاج تیجان کباہ کا استقبال کرتے ہوئے۔



سرالیون میں اقوام متحدہ کے مشن کے دوران برٹش آرمی کے آفیسرز کے ساتھ ایک فیلڈ لنچ پر۔



۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد کراچی میں زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے قائم کیے گئے
کیمپ میں مدد کے لیے آنے والے فن کاروں کے ساتھ۔



۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد امدادی سرگرمیوں کے لیے قائم مانسہرہ،
ناران کاغان روڈ پر فوجی کیمپ پر۔

پاکستان میں اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے آئی ڈی پیز:

پاکستانی آئی ڈی پیز کے متعلق پہلی مرتبہ میں نے ۲۰۰۵ء میں سنا جب ۸/ اکتوبر کو خیبر پختون خواہ اور کشمیر کے بہت سے علاقوں میں شدید زلزلہ آیا اس زلزلے سے چھ لاکھ گھر تباہ ہوگئے اور بے شمار لوگ کیمپوں میں منتقل ہوئے اس زلزلے سے ہلاک ہونے والے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن سب سے بڑا مسئلہ زندہ بچ جانے والے لوگوں کو سخت سردی سے بچانا ان کو رہائش کے لیے خیمے دینا ان کی خوراک کا بندوبست کرنا اور زخمیوں اور بیماروں کے لیے ادویات فراہم کرنا ایک چیلنج تھا مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے افواجِ پاکستان کے ایک عام رکن کی حیثیت سے اس زلزلے کے متاثرین کے لیے کافی کام کیے سب سے پہلے اپنے کور کمانڈر کے حکم پر ۱۰/ اکتوبر کو کراچی میں فیصل بیس میں یہ ریلیف کیمپ قائم کیا تھا۔ شام تک کراچی کے دردمند خواتین وحضرات نے جو کچھ بھی ان کے بس میں تھا جس میں گرم کپڑے کھانے پینے کے اشیا، پینے کا صاف پانی لاکھوں کی تعداد میں اور سیکڑوں ٹرکوں کا سامان فیصل بیس میں زلزلہ متاثرین کے کیمپ میں پہنچا دیا۔ اگلی صبح حالت یہ تھی کہ گاڑیوں کی اتنی لمبی قطار لگ چکی تھی کہ کیمپ تک پہنچنا مشکل ہوگیا اور کچھ دنوں کے بعد کراچی میں راشد منہاس روڈ پر ہمیں ایک دوسرا کیمپ سی او ڈی میں قائم کرنا پڑا میں خاص طور پر کراچی کے کریم عقیل ڈھیڈی صاحب کا ذکر کروں گا جنھوں نے چالیس فٹ لمبے کنٹینر بہت بڑی تعداد میں مہیا کیے جس کی ذریعے جو سامان فیصل بیس سے سی ون تھرٹی جہاز کے ذریعے بھیجا جاسکتا تھا اس کو ان کنٹینرز کے ذریعے یہاں سے چکلالہ ایئرپورٹ اور حویلیاں تک پہنچایا گیا کیوں کہ آگے کے راستے سڑکیں تباہ ہونے کی وجہ سے بند تھے افواجِ پاکستان نے باہر سے آئے ہوئے دوست ممالک کے ساتھ مل کر ریلیف کا بہت کام کیا اور واجب پاکستان کے ہیلی کاپٹرز اور زمینی عملہ کئی سالوں تک اپنے کشمیری اور صوبہ سرحد کے بھائیوں کی مدد کے لیے دن رات کام میں مشغول رہے۔ بین الاقوامی برادری نے بڑھ چڑھ کر پاکستان کے زلزلہ زدگان کے ریلیف میں حصہ لیا۔ بہت سے ممالک نے امدادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے افرادی قوت چکلالہ ایئرپورٹ پر بھیجی اور

بھاری مشینری سمندری جہازوں کے ذریعے کراچی کی بندرگاہ پر روانہ کی۔ اس بھاری مشینری (Rolling Stock) کو کراچی سے بذریعہ ریلوے اسلام آباد اور حویلیاں کے ریلوے اسٹیشن تک پہنچانا ایک مشکل کام تھا۔ مجھے کراچی کے کور کمانڈر جنرل اطہر علی شاہ کے حکم کے بعد سی او ایس میجر جنرل محمد منشا اور کرنل ایڈمنسٹریشن گل اختر رشید کی مکمل سپورٹ حاصل رہی۔ ریلوے کے وزیر میاں شمیم حیدر اور بعد میں شیخ رشید نے میری فون کال کے جواب میں ریلوے کے جی ایم جنید شیخ کو میرے پاس کور ہیڈکوارٹر میں بھیجا اور ریلوے نے ان دونوں کی وجہ سے بہت زبردست کام کیا۔ میں کراچی بندرگاہ پر بیٹھا اکثر سوچا کرتا تھا کہ یہ وہی ریلوے ہے جس کی لوگ شکایات کرتے تھکتے نہیں ہیں۔ اتنی تیزی کے ساتھ ٹرینیں ہیوی مشینری لے کر روانہ ہوتی تھیں اور کم سے کم وقت میں واپس آجاتی تھیں۔ یہ مشینری زلزلے کے ایک سال بعد تک آتی رہی۔ اس وقت افغانستان، کمبوڈیا، چین، ہانگ کانگ اور انڈیا (وزیرِاعظم من موہن سنگھ نے کراچی میں تین زمینی راستوں کے ذریعے امدادی سامان بھجوایا) انڈونیشیا، ایران، اردن، جاپان، کویت، ملائشیا، نیپال، قطر، سعودی عرب، سنگاپور، جنوبی کوریا، ترکی، یو اے ای اور اقوامِ متحدہ نے کافی مدد کی۔ اسرائیل نے بھی امداد بھیجنے کی آفر کی مگر پاکستان نے معذرت کر لی۔

۲۰۰۵ء کا زلزلہ پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا ہولناک سانحہ تھا جس نے نہ صرف ہزاروں زندگیاں نگل لیں بلکہ پورے ملک کو غم اور کرب میں مبتلا کر دیا۔ پاکستان کے شمالی علاقوں خصوصاً مظفرآباد، بالاکوٹ، مانسہرہ اور بٹگرام جیسے علاقے تباہی کی زد میں آ گئے۔ اسی قیامت خیز وقت میں پاک فوج نے ایک بار پھر اپنی صلاحیت، عزم اور قوم سے وفاداری کا عملی ثبوت دیا۔

زلزلے کے فوری بعد امدادی سرگرمیوں کا آغاز کیا گیا، مجھے کراچی سے حویلیاں بھاری مشینری اور امدادی سامان کی ترسیل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کے لیے ہماری کراچی کور نے ایک بڑا اور منظّم طریقۂ کار ترتیب دیا۔ اس وقت ہر طرف ایک ایمرجنسی کی کیفیت تھی، لیکن فوجی جوان جس جاں فشانی اور پیشہ ورانہ مہارت سے کام کر رہے تھے، وہ قابلِ تعریف تھی۔

۲۰۰۶ء میں، مجھے منگلا کور ہیڈکوارٹر میں کرنل ایڈمنسٹریشن کے طور پر تعینات کیا گیا۔ اس

وقت اس کور کے سینئر افسران اور ان کے زیرِ کمان دستے خیبر پختونخوا (جو اس وقت صوبہ سرحد کہلاتا تھا) کے متأثرہ علاقوں میں بحالی کے کاموں میں دن رات مصروفِ عمل تھے۔ ان میں ایک بہت نمایاں نام بریگیڈیئر زبیر محمود حیات کا تھا، جو بعدازاں ترقی کرتے کرتے جنرل کے عہدے تک پہنچے اور چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے طور پر ملک کی خدمت کی۔

مجھے اپنے پیشہ ورانہ فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں مانسہرہ میں قائم ایک فوجی کیمپ کا دورہ کرنے کا موقع ملا، یہ کیمپ ہماری کور کے تحت کام کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ بات باعثِ تسکین تھی کہ یہ کیمپ نہ صرف منظّم اور ہر قسم کی بنیادی سہولیات سے لیس تھا بلکہ وہاں کام کرنے والے جوانوں کی روحانیت، عزم اور خدمتِ خلق کا جذبہ دیدنی تھا۔ بریگیڈیئر زبیر محمود حیات کی قیادت میں فوجی دستے نہ صرف متأثرہ افراد کو طبی امداد اور خوراک مہیا کرتے رہے تھے بلکہ تباہ شدہ علاقوں میں رسائی، ریسکیو، رہائش اور تعمیرِ نو جیسے مشکل مراحل کو بھی کامیابی سے سرانجام دے رہے تھے۔

بریگیڈیئر زبیر حیات کے دستوں کی شان دار کارکردگی کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے خود ناران، کاغان کے متأثرہ لوگوں سے گفتگو کی۔ ان متأثرین کے چہرے گزرے وقت کی اَن گنت تکالیف کے باوجود پاک فوج کے لیے عقیدت و محبت سے روشن تھے۔ ایک بزرگ نے کہا:

''ہم تو سب کچھ کھو بیٹھے تھے، مگر ان فوجی بھائیوں نے ہمیں حوصلہ دیا، چھت دی، دوا دی، اور سب سے بڑھ کر یہ احساس دیا کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔''

یہ وہ جملے تھے جس نے میرے دل کو چھولیا، اور میں نے فخر محسوس کیا کہ میں ایک ایسی فوج کا حصہ ہوں جو صرف سرحدوں کی محافظ ہی نہیں بلکہ مشکل وقت میں قوم کی ڈھارس بھی ہے۔ زلزلہ زدہ علاقوں میں جس تواتر اور لگن سے کام ہو رہا تھا، اس کے پیچھے فوجی دستوں کی شبانہ روز محنت اور مضبوط قیادت کا کردار ناقابلِ فراموش تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل سجاد اکرم، جو اس وقت کور کمانڈر تھے، بعدازاں ایرا (ERRA -Earthquake Reconstruction and Rehabilitation Authority) کے چیئرمین تعینات ہوئے۔ ان کی سربراہی میں ایرا نے

متأثرہ علاقوں میں نہ صرف ریلیف فراہم کیا بلکہ مستقل بحالی اور تعمیرِ نو کے منصوبے بھی بڑے پیمانے پر شروع کیے۔ اسکول، اسپتال، سڑکیں اور مکانات دوبارہ تعمیر کیے گئے۔ ان کے انتھک کام کی بدولت لاکھوں افراد کو زندگی کی طرف واپس لایا گیا۔

لیفٹیننٹ جنرل سجاد اکرم کی انتظامی صلاحیت، ٹیم ورک اور فیلڈ سے وابستگی نے ایرا کو ایک فعال ادارے کی صورت میں سامنے لایا۔ انھوں نے ہر سطح پر حکومتی اداروں، مقامی تنظیموں، اور بین الاقوامی اداروں کے ساتھ مؤثر رابطہ قائم کر کے امدادی کاموں کو تیز تر اور مربوط بنایا۔

زلزلے کے بعد کی صورتِ حال میں فوجی جوانوں اور افسران نے جو قربانیاں دیں، وہ تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں کئی جوانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، تو کئی نے متأثرہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں حصہ لیا۔ میڈیکل کور کی خواتین اہلکاروں نے خواتین و بچوں کی دیکھ بھال میں اہم کردار ادا کیا، جو اُس وقت کی نزاکتوں کے پیشِ نظر نہایت اہم تھا۔

میرے لیے ذاتی طور پر یہ تجربہ نہ صرف پیشہ ورانہ اعتبار سے بہت اہم تھا بلکہ انسانی سطح پر بھی ایک سبق آموز سفر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ قدرتی آفات انسان کو کتنا بے بس کر دیتی ہیں، مگر اگر قوم متحد ہو جائے اور ادارے اپنی ذمہ داریاں خلوصِ دل سے نبھائیں تو کوئی بھی مشکل ناقابلِ عبور نہیں رہتی۔

۲۰۰۵ء کا زلزلہ ایک قومی آزمائش تھا، اور پاک فوج نے اس میں وہ کردار ادا کیا جس پر پوری قوم آج بھی فخر کر سکتی ہے۔ یہ وہ لمحہ تھا جب بندوق تھامنے والے ہاتھوں نے پل باندھے، کھنڈرات میں سے زندگی نکالی، اور امید کی نئی کرن پیدا کی۔ آخر میں، میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعے سے حاصل ہونے والا سبق یہ ہے کہ ریاستی ادارے، خاص طور پر مسلح افواج، نہ صرف دفاعی معاملات میں بلکہ انسانی المیوں میں بھی کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں — بشرطے کہ ان کے پاس صحیح قیادت، وسائل اور نیت ہو۔

یہ تحریر اُن ہزاروں سپاہیوں، افسروں اور رضا کاروں کے نام ایک خراجِ عقیدت ہے جنھوں نے خاموشی سے اپنے فرائض ادا کیے، اور دکھوں میں مبتلا لوگوں کو ایک نئی ہمت دی۔ ان کی خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں، اور ان پر ہمیں ہمیشہ فخر رہے گا۔

۲۰۰۹ء کے سوات آپریشن کے آئی ڈی پیز:

پاکستان کی تاریخ میں سوات، مینگورہ، دیر اور بونیر میں آپریشن کے باعث سب سے زیادہ نقل مکانی دیکھنے میں آئی جس کے دوران بہ قول حکومت کم از کم چونتیس لاکھ افراد نے اپنے گھروں سے ہجرت کی لیکن اس آپریشن میں حکومتِ پاکستان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ صرف دو لاکھ کے قریب افراد نے کیمپوں میں پناہ لی تھی جس کی وجہ سے حکومت کو اتنی بھاری ذمہ داری کا سامنا نہیں کرنا پڑا جس طرح ہونا چاہیے تھا حالاں کہ اس کے باوجود کیمپوں میں مقیم ان دو لاکھ متاثرین کی دیکھ بھال میں حکومت کو انتہائی مشکلات تھی کیوں کہ صرف ان دو لاکھ متاثرین کو سنبھالنا بھی تنہا حکومت کی بس کی بات نہیں تھی اگر متعلقہ علاقوں کے لوگ اور غیر ملکی ادارے اس میں ان کا ہاتھ نہیں بٹھاتے لیکن یہ مشکلات اس وقت اس سے بھی کئی گنا بڑھ سکتی ہیں جب یہ تمام کے تمام لوگ واپس اپنے گھروں کو جائیں گے یہ افراد گھروں کو واپسی سے پہلے خدشات کا شکار ہیں اور ان خدشات کے زیرِ اثر طرح طرح کے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں کہ کیا سوات اور دیگر شورش زدہ علاقوں میں دوبارہ حالات نارمل بھی ہو جائیں گے یا نہیں اس کے علاوہ واپس جانے والے متاثرین کو سب سے بڑا خدشہ یہ ہے کہ طالبان کی اعلیٰ قیادت کا اب بھی خاتمہ نہیں ہو سکا جس کی بنیاد پر یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ دوبارہ منظرِ عام پر آ گئے تو ایسی صورت میں سوات کا مستقبل کیا ہوگا جس طرح حکومتی عہدے داروں کا خود یہ کہنا کہ متاثرہ علاقوں کے عوام طالبان اور ان کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے جس کے پیشِ نظر انھوں نے طالبان کے خلاف آپریشن کی حمایت کی اور اس کے حمایت میں انھوں نے گھر بار، تیار فصلیں اور کاروبار چھوڑ کر اپنی مرضی سے ہجرت کی غرض یہ کہ جب ان لوگوں نے طالبان کے خوف سے ہجرت کی تھی تو اب وہاں پر کیا تبدیلی آئی ہے کیا یہ تبدیلی آئی ہے کہ جن ہم وطنوں نے سامان سے بھرے گھر اللہ کے آسرے پر چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے جن میں سے بیشتر کے گھر تباہ ہو چکے ہیں اور زیادہ تر علاقوں میں اب مکانات کی بجائے کھلا میدان نظر آتا ہے جو کھیت پھلوں، سبزیوں اور دیگر فصلوں سے بھرے ہوئے تھے اب وہ بنجر پڑے ہیں یا یہ کہ جن ہوٹلوں میں

سیاحوں کی کثیر تعداد رہائش پذیر تھی انھوں نے خوف کے مارے ہوٹلیں خالی کر کے وہاں سے نکل چکے ہیں سیکڑوں کی تعداد میں تعلیمی ادارے تباہ ہوئے ہیں اوران میں موجود سامان کولوٹا گیا ہے اس تباہی سے سوات میں ہزاروں طلبہ و طالبات متأثر ہوئے ہیں جو اسکول اور کالج جانے سے محروم ہے جب کہ تعلیم کی شرح میں انتہائی کمی آئی ہے جو کہ پختونوں کے لیے ایک بڑے المیہ سے کم نہیں اس کے علاوہ ان علاقوں میں کیا ایسی تبدیلی لائی گئی ہے جسے لوگ دیکھ کر مطمئن ہوسکیں اوران کا خوف ختم ہو جائے کیوں کہ جن طالبان کی وجہ سے یہ لوگ ہجرت پر مجبور ہو گئے ان طالبان میں وزیرستان سے لے کر سوات تک کسی ایسے اہم رہنما کو نہیں مارا گیا جس سے ان کے خوف میں کمی آئے بلکہ خدا نہ کرے اگر ان طالبان نے پھر سر اٹھالیا اور وہاں پر منظّم ہو گئے تو جن لوگوں نے حکومت کو طالبان کی حمایت کرنے والے افراد کی نشان دہی کی تھی ان کا کیا ہوگا کیا طالبان انھیں معاف کر دیں گے جب کہ گزشتہ روز صوبہ سرحد کے وزیرِ اطلاعات نے متاثرین کی واپسی کے وقت ان سے پھر یہ اپیل کی کہ وہ اپنے علاقوں میں جا کر وہاں پر موجود عسکریت پسندوں کی نشان دہی کریں تا کہ حکومت ان کے خلاف کارروائی کرے لیکن عوام اس حد تک مایوس ہو گئے کہ حکومت سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ پھر سر اٹھائیں اور دوبارہ سے سرگرم ہو جائیں تو حکومت ان کو بچا بھی پائے گی یا کہ نہیں بلکہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ خود کو نہ بچا پائے تو حکومت نہیں بچا سکتی کیوں کہ اس طرح کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اپنے آپ کو پاکستانی (محبّ وطن) سمجھتے ہیں اور اس ملک کی امن وسلامتی برقرار رکھنے کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے لیکن پچھلے نصف عشرے سے ان لوگوں پر جو مظالم ڈھائے جارہے ہیں ان کی کوئی حد نہیں کبھی ان کو طالبان کا روپ دے کر تو کبھی ان کو مجاہدین ظاہر کر کے کبھی ان کو دہشت گرد کہہ کر تو کبھی شر پسند کہلوا کر الغرض بہت سے بہانوں سے ان پر بہیمانہ ظلم کیے گئے اور آخر میں ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا یہ تو خیر واپسی کے بعد ہی پتا چلے گا کہ اب ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے تاہم حکومت کی جانب سے متاثرین کی واپسی کے اعلان کے بعد جو کہ پیر کے روز سے شروع ہو چکی ہے یہاں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت کم ہی لوگ واپسی پر آمادہ ہیں اور وہ بھی

مجبوری کے تحت واپس جا رہے ہیں۔ پاکستان کو متاثرین اور مہاجرین کو سنبھالنے اور پھر ان کو آخر کار زبردستی واپس بھیجنے کا تجربہ بہت پہلے سے ہوتا چلا آ رہا ہے افغان مہاجرین کو پاکستان نے جگہ دے دی ان کے ساتھ اپنی جمع پونجی بانٹھی انھیں اپنے گھروں سے کھانا پینا غرض پاکستانیوں نے اپنے بس سے زیادہ کچھ کیا لیکن پھر جب ان کے جانے کا وقت آیا تو وہ لوگ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ پاکستان کا شناختی کارڈ بنوا کر خود کو پاکستانی تسلیم کرتے تھے اور کسی صورت وہ جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

جن کو کئی برس گزرنے کے باوجود ان کو یہاں سے نہیں نکالا جا سکا اس کے بعد باجوڑ اور مہمند ایجنسی میں آپریشن کے باعث متاثر ہونے والوں کو تا حال واپس نہیں بھجوایا جا سکا اور اگر دیکھا جائے تو افغانستان میں بھی حالات وہی کے وہی ہیں جس طرح پہلے تھے اور مہمند اور باجوڑ ایجنسی کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں نہ اس طرح کا امن قائم ہو سکا جس سے عوام مطمئن ہو اور نہ ان لوگوں کو ایسا ریلیف دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان لوگوں کی قربانی کا صلہ ہے بلکہ یہاں تو حالات بالکل مختلف ہیں کیوں کہ جس اذیت کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے علاقوں سے نکالا گیا اور اب واپسی کے وقت بیشتر لوگوں کو حکومت نے اپنی طرف سے اعلان کردہ پچیس ہزار روپے سے بھی محروم کر رکھا ہے جب باہر ممالک سے امدادیں آ رہی تھیں تو ہمارے اعداد و شمار کے جادوگر متاثرین کے تعداد میں ہر روز ہزاروں اور لاکھوں کا اضافہ کرواتے تھے اور اس طرح متاثرین کے تعداد ہر روز نیا ریکارڈ قائم کرتی تھی اور اب واپسی کے وقت نادرا کی جانب سے صرف ایک لاکھ اٹھارہ ہزار متاثرین کو کارڈ جاری ہو سکے ہیں جس کے ذریعے ان کو پچیس ہزار روپے دیے جائیں گے جس کی وجہ سے اب زیادہ تر لوگ واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہو رہے اور متاثرین کی واپسی کے پہلے روز جلوزئی کیمپ سے صرف ایک سو ستر خاندان اور چارسدہ کے دو کیمپوں سے صرف بائیس خاندان واپسی کے لیے تیار ہوئے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ متاثرین اکثر اوقات حکومت کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے نکل آتے ہیں اور حکومت کے خلاف خوب نعرہ بازی کرتے رہتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ جو ہونا تھا وہ تو ہوا لیکن جس انداز سے ان علاقوں میں آپریشن شروع کیے گئے جن کو مختلف ناموں سے منسوب کیے گئے

تھے۔آپریشن ''دراغلم'' (آرہا ہوں یا آگیا) یعنی شرپسندوں کو پہلے متنبہ کیا گیا کہ ہم آرہے ہیں اس کے بعد کئی اور نام کے آپریشن کیے گئے یا ہم اب سوات میں ''راہِ راست'' شروع ہوا ہے جس سے اگر یہ تأثر لیا جائے کہ شرپسندوں کو صحیح راہ پر لانا ہے لیکن جو آپریشن وزیرستان میں ''راہ نجات'' کے نام سے جاری تھا اگر اس آپریشن کو اس کے نام کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے تو شرپسندوں سے نجات بھی حاصل ہو جائے گی عوام ذرا سکون کا سانس بھی لیں گے اور متاثرین کی قربانیاں رنگ بھی لائیں گی۔

یہ پھول جیسے اداس چہرے:

سوات میں جب معاہدہ امن ہوا تھا تو اس وقت نہ صرف متاثرہ علاقوں کے عوام نے بلکہ ساری قوم نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ اب اس علاقے میں جسے دنیا پاکستان کا سوئٹزرلینڈ کہتی تھی، جس کی سرسبز وادیوں کی سیاحت کے لیے نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونی ممالک سے غیر ملکی سیاح بڑی تعداد میں وہاں اور شمالی علاقہ جات میں پھیلے قدرتی مناظرِ فطرت کو دیکھنے آتے تھے لیکن سوات، بونیر بلکہ مالاکنڈ ڈویژن میں امن کی صورتِ حال کچھ دیر ہی برقرار رہی اور بالآخر معاہدہ امن ناکام ہو گیا تھا اور فوج کو ''آپریشن راہِ راست'' کرنا پڑا تھا جس کے نتیجے میں سوات، بونیر اور دیگر سرحدی علاقوں سے لوگ اپنے گھر بار اور کاروبار چھوڑ کر نقل مکانی پر مجبور ہو گئے تھے۔ جیسے جیسے ان متأثرہ علاقوں میں پاک فوج کی آپریشنل کارروائیاں شدت پسندوں کے خلاف تیز ہوئیں ویسے ویسے لوگوں کی بڑی تعداد بھی اپنے آبائی علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئی اور پھر ان کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں میں پہنچ گئی جس پر وزیرِاعظم پاکستان نے نقل مکانی کرنے والوں کی مدد کے لیے عالمی ڈونرز کانفرنس کے ذریعے ان افراد کی مدد کرنے کا اعلان کیا جو اپنے وطن میں بے وطن ہو کر رہ گئے تھے۔

اقوامِ متحدہ نے بھی عالمی برادری سے اپیل کی تھی کہ انسانی ہم دردی کی بنیاد پر مالاکنڈ ڈویژن کے متاثرین کی ہنگامی امداد کے لیے پانچ سو تیرالیس ملین امریکی ڈالر فوری طور پر فراہم کیے جائیں ورنہ انسانی سانحہ رونما ہو سکتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ، جرمنی اور آسٹریلیا نے متاثرین

کے لیے فوری امداد کا اعلان کیا تھا۔ اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام متاثرین سوات کی مدد کے لیے عالمی امدادی پروگرام کی تقریب بھی ہوئی تھی جس میں متاثرین سوات کو ریلیف دینے اور بحالی کے لیے فوری اقدامات پر زور دیا گیا تھا۔ اس موقعے پر متعدد ممالک کے نمائندے موجود تھے۔ اس موقع پر اقوامِ متحدہ کے رابطہ کار مارٹن مکونجا نے کہا تھا کہ سوات، مالاکنڈ، دیر اور بونیر کے متاثرین انتہائی توجہ کے مستحق ہیں جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر کیمپوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ انھیں صحت، تعلیم، نکاسی آب و پینے کے صاف پانی کی سہولیات، بنیادی غذا، پنکھوں اور دیگر اشیا کی اشد ضرورت ہے۔ نوزائیدہ بچے، حاملہ ماؤں اور بیمار افراد کو توجہ اور علاج معالجہ کی سہولیات درکار تھیں جب کہ گرمی کی شدت میں شدید اضافے سے مسائل گمبھیر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں فوری طور پر انسانی ہم دردی کی بنیاد پر چوّن کروڑ اکتیس لاکھ بہتر ہزار ہزار پانچ سو تیراسی امریکی ڈالر کی اشد ضرورت ہے جس میں سے آٹھ کروڑ پچاسی لاکھ چوبیس ہزار تین سو دو امریکی ڈالر وصول ہوئے جب کہ بقیہ چار کروڑ چھیالیس لاکھ اڑتالیس ہزار دو سو اکیاسی امریکی ڈالر کی اشد ضرورت ہے تاکہ متاثرہ خاندانوں کی ہر ممکن مدد کی جاسکے۔ قیامِ امن کے بعد متاثرین مالاکنڈ کی گھروں کو واپسی اور تعمیرِ نو کے کام کے لیے بھی عالمی برادری سے کثیر امداد درکار ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ صرف ساڑھے تین ماہ میں سترہ لاکھ سے زائد متاثرین کا آنا معاشی، اقتصادی اور سماجی سطح پر ایک بڑا چیلنج ہے جسے پاکستان تنہا حل نہیں کرسکتا۔ اگر امداد فراہم نہ کی گئی تو بڑا انسانی المیہ رونما ہوسکتا ہے۔ ان کیمپوں میں ستتر ہزار ایسے بچے رہ رہے ہیں جو کہ نقل مکانی کرنے سے پہلے مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان بچوں کو کیمپوں میں تعلیم جاری رکھنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ اس موقعے پر وفاقی وزیرِ مملکت برائے خزانہ حنا ربانی کھر کا کہنا تھا کہ متاثرین مالاکنڈ کی بھرپور امداد کے لیے حکومت عالمی برادری اور اقوامِ متحدہ کے ساتھ مل کر صوبائی حکومت کی مدد کر رہی ہے اور اقوامِ متحدہ کی جانب سے مزید فنڈز کی اپیل میں ہماری آواز بھی شامل ہے۔ وفاق کے زیرِ نگرانی اسپیشل سپورٹ گروپ (ایس ایس جی) قائم کیا گیا ہے جو بہتر انداز سے کام کو آگے بڑھا رہا ہے۔ متاثرین کے پاس خرچہ نہ ہونے کے باعث انھیں مشکلات کا سامنا ہے اس لیے ہر خاندان کو ایک بار گزارے کے لیے فوری طور

پر بیس ہزار روپے کی فراہمی کے لیے اقدامات کیے۔ شدت پسندوں اور دہشت گردوں کے خلاف فوجی کارروائی کے بعد تمام متاثرین کی گھروں کو بہ حفاظت واپسی کے تمام تر اقدامات کیے جائیں گے لیکن کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح برطانیہ کی جانب سے اس اعلان کے بعد متاثرین سوات کے لیے برطانوی امداد بائیس ملین پاؤنڈز ہوگئی۔ برطانوی وزیر برائے انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ کے مطابق یہ امداد اقوامِ متحدہ کے ذریعے دی جائے گی۔ وزیرِ خارجہ شاہ محمود قریشی نے آسٹریلیا کے وزیرِ خارجہ اسٹیفن سمتھ سے ملاقات کی جس میں نقل مکانی کرنے والے افراد کی امداد اور بحالی سے متعلق امور پر تبادلہ خیال کیا گیا تھا۔ دفترِ خارجہ کے ترجمان کے مطابق آسٹریلوی وزیرِ خارجہ نے کہا کہ ان کے ملک نے دس ملین ڈالر کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اس چیلنج کی سنگینی سے آگاہ ہیں اور اضافی امداد مہیا کرنے پر غور کر رہے ہیں۔

جرمنی نے متاثرین مالاکنڈ کے لیے دو ارب چالیس کروڑ روپے امداد کا اعلان کیا۔ صدر آصف علی زرداری سوات، دیر اور بونیر میں فوجی آپریشن کے باعث بے گھر ہونے والے افراد کی صورتِ حال پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں اور انھیں ہدایت کی ہے کہ بے گھر افراد کی امداد کا کام شفاف طریقے سے کیا جائے۔ متاثرین کی امداد کے لیے دورہ صوبائی کے موقعہ پر بنائی جانے والی کمیٹیاں فوری کام شروع کر دیں بے گھر افراد زیادہ مدت تک امدادی کیمپوں میں نہیں رہ سکتے وہ جلد یا بدیر اپنے گھروں کو واپس جائیں گے اور حکومت ان کے گھروں کو شدت پسندوں کے ہاتھوں پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کرے گی۔ متاثرین کو بیت المال سے بھی رقم جاری کی جائے گی۔

اگرچہ مختلف کیمپوں میں مقیم نقل مکانی کرنے والوں کے علاوہ مختلف علاقوں اور جگہوں پر بھی مختلف خاندان رہائش پذیر ہیں اور ان کے لیے اشیائے خورد و نوش کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ وہ جس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں کا ٹمپریچر اور نقل مکانی کے بعد وہ جہاں آئے وہاں کے ٹمپریچر میں بڑا فرق ہے۔ اس شدید گرمی نے خاص طور پر بچوں کو متاثر کیا یہی وجہ ہے کہ مختلف سرکاری اور این جی اوز نے ڈاکٹروں کی ٹیمیں بھی روانہ کیں اگرچہ سوات متاثرین کے لیے مختلف تنظیمیں اور شخصیتیں بھی سرگرمِ عمل ہیں۔ حال ہی میں وزیرِ اعظم پاکستان کی بیٹی نے

سوات متاثرین کے لیے فنڈ ریزنگ کی جب کہ وزیرِاعظم کی اہلیہ فوزیہ گیلانی نے متاثرین سوات کی بحالی تک پانچ سو متاثرہ افراد کی کفالت کا اعلان بھی کیا۔ یہی جذبہ ہم سب میں ہونا چاہیے۔

ایک طرف عالمی سطح پر متاثرین سوات و مالاکنڈ کے لیے اپیلیں کی جا رہی ہیں اور پاکستان نے عرب ممالک سے بھی اس سلسلے میں رابطہ کیا ہے جب کہ سوات اور بونیر کے لاکھوں متاثرین کی صورتِ حال یہ ہے کہ تمام کوششوں کے باوجود نقل مکانی کر کے آنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں خاندان سر چھپانے کے لیے ملک کے دیگر علاقوں کا بھی رُخ کر رہے ہیں اور کیمپوں و اسکولوں کی عمارتوں میں پناہ لینے والوں کے لیے پاکستانی تنظیمیں اور مخیّر حضرات بھی دامے درمے سخنے مدد کر رہے ہیں۔

حکومتِ پنجاب نے بھی متاثرین کی مدد کے لیے اقدامات کیے تاکہ مشکل کی اس گھڑی میں ان کے دکھوں کو کچھ کم کیا جا سکے لیکن اتنی بڑی تعداد کی ضروریات پوری کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور ان کو اپنے گھر سے دور بے گھر نہ ہونے کا احساس دلانے کے لیے ہم کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا تبھی کیمپوں کے مکین ننھے منے پھول سے بچوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ سکے گی اور اب یہ امید بھی ہو چلی ہے کہ جلد حالات درست ہونے پر وہ ایک بار پھر اپنے گھروں کو لوٹ سکیں گے اور پھر ان علاقوں میں وہی بہار کھل اٹھے گی جس کی وجہ سے وہ علاقے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔

وزیرستان کے باسیوں کی ہجرت:

یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس سے گزرنے کے بعد قوم نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اس میں ہماری اصلاح کے بہت سے سامان مضمر ہیں جو ہمیں آج اس مشکل دور میں جب ہم دشمنانِ دین کی سازشوں کی زد میں ہیں ان سے بہتر طور پر یگانگت اور یک جہتی کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے قابل بنائیں گے۔

ارشادِ باری ہے کہ تم میرا شکر کرو گے تو میں تمھیں اور زیادہ نعمتوں سے نوازوں گا۔ الحمدللہ اہلیانِ بنوں نے اعلیٰ انسانی قدروں کا حامل ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور انھوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود متاثرینِ شمالی وزیرستان کے دکھ درد میں شامل ہو کر انسان کو انسانیت کی اس معراج سے روشناس کرایا ہے جو خالقِ کائنات کے پیشِ نظر تخلیق کا ارفع و اعلیٰ مقصد تھا۔ المیہ یہ

پیغام دیتا ہے۔

اہلیانِ بنوں نے انصارِ مدینہ کا کردار ادا کرتے ہوئے لاکھوں متاثرین کے لیے اپنے دل کے دروازے، حجرے، دلان، بیٹھکیں، بنگلے اور سرکاری عمارتیں خالی کی تھی۔ لاکھوں لوگوں کو اس طرح اپنے اندر سمو لیا تھا۔ جوں ہی آپریشن ضرب غضب کا آغاز ہوا ہمیشہ کی طرح کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی ٹیمیں بنوں پہنچ کر علاج اور خدمت کے کام میں مصروف عمل ہو گئیں۔ ہزاروں IDPs کے علاج کے ساتھ کروڑوں روپے کی اشیا تقسیم کی جا چکی ہیں۔ متاثرین کے مستقل بنیادوں پر علاج و معالجے کے لیے میز بان بنوں۔

جن حالات اور تجربات سے شمالی وزیرستان کے مکینوں کو گزرنا پڑا ان کا اندازہ متاثرین کے علاوہ کسی اور کو ہی نہیں سکتا۔ دوسروں کے لیے اپنے گھروں کے دروازے وا کرنے والے اور ان کو مہمان نوازی کرنے والے آج خود ہی مجبور محض اور محتاج کامل ہو چکے تھے۔ سرد علاقوں کے باسی ظالم کے رحم و کرم پر بیٹھے اپنی جنت گم گشتہ کو تلاش کر کے پا لینے کے خواب سجائے زندہ رہنے کی کش مکش میں مبتلا تھے۔ خالقِ کائنات جس کی قدرتِ کاملہ ہر چیز کو محیط کیے ہوئے ہیں۔ اس کے حکم سے وقوع پزیر ہونے والے حوادث میں کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ ہم جیسے ناقص العقل لوگ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جہاں یہ المیہ اہلِ شمالی وزیرستان کے لیے ایک کڑی آزمائش تھا۔ وہاں یہ ملک و ملت کے لیے بھی ایک امتحان تھا کہ ان صبر آزما لمحات و حالات میں ہمارا فکر اور ردِ عمل کیا تھا یا کیا ہونا چاہیے تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی کے مطابق اُمہ جسم واحد کی طرح ہے کہ ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو تمام جسم تکلیف محسوس کرتا ہے یا پھر امت ایک عمارت کی مانند ہے کہ جہاں ہر ایک فرد ایسی اینٹ کی طرح ہے جو دوسروں کو سہارا دیتی ہے اور اسی طرح عمارت کا وجود قائم رہتا ہے۔

اس امر کی صداقت کے ثبوت بہت سے علاقوں خصوصاً اہلیانِ بنوں نے فراہم کیے جہاں انھوں نے اپنے گھر بار اور تمام وسائل متاثرینِ شمالی وزیرستان کے حوالے کر کے مکہ سے مدینہ ہجرت کی یاد تازہ کر دی۔ جو کچھ انصار نے مہاجرین کے لیے کیا وہ اسلامی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ اسی طرح اہلیانِ بنوں کی ایثار و قربانی پاکستان کی تاریخ میں اہلِ مردان و صوابی کی قربانی کی طرح یاد رکھی جائیں گی۔

آئی ڈی پیز کیمپ بنوں:

بنوں شہر سے میرا رشتہ پرانا ہے۔ جب میں ٹیکنیکل ہائی اسکول جوہرآباد کا طالب علم تھا اور عطاء اللہ جان ہاکی ٹورنامنٹ سرگودھا کی ٹیم کی جانب سے کھیلنے کے لیے بنوں گیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے اپنی سروس کے اڑھائی خوب صورت سال بنوں چھاؤنی میں گزارے ہیں۔ شمالی وزیرستان سے ہجرت کر کے بے سروسامانی کے عالم میں بنوں اور اس کے نواح میں آ کر کیمپوں میں رہنے والوں کی داستان حقیقت میں یہ ایک ایسے مرحلے کی کہانی ہے۔ جس کے اثرات شمالی وزیرستان اور ان کے گرد و نواح تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ اندرون اور بیرون ملک اس کی بازگشت سنائی دی۔ یہ صورتِ حال اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس لیے بھی منفرد اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ اتنے وسیع پیمانے پر آبادی کی اندرونی ہجرت اور عارضی منتقلی کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ لاکھوں لوگ جو اپنے گھروں کی آرام گاہوں میں صدیوں سے مقیم اور پُرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ آناً فاناً اپنے گھربار بے سروسامانی کی کیفیت میں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گا کہ انھیں ایک آسودہ اور پُرکیف ماحول سے ایک اعصاب شکن مرحلے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۹ء میں اہلیانِ سوات کو ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ مگر مقامی لوگوں کے تعاون اور سوات میں فوری امن کو بحالی کے بعد وہ لوگ صرف پینتالیس دنوں میں اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے تھے۔ اس سلسلے میں یاد رہے کہ برِصغیر کی تقسیم کے وقت جن لاکھوں نفوس کو بھارت سے ہجرت کرنا پڑی تھی اس کی نوعیت اور تھی۔ وہ ہجرت متاثرہ آبادی کو اپنے آزاد وطن میں ایک خوش گوار اور پُرسکون زندگی گزارنے کی امید دلاتی تھی۔ آنکھوں میں امیدوں کے چراغ جلائے وہ سفرِ ہجرت میں مگن رہے اور وسیع پیمانے پر جانی اور مالی نقصان بھی ان کے حوصلے پست نہ کر سکا کیوں کہ انھیں اپنے وطن کی سرزمین پر قدم رکھتے میں اپنے تمام تر درد کا درماں نظر آ رہا تھا۔ البتہ یہ ایک الگ کہانی ہے کہ بہت سوں کے لیے یہ خواب ایک سراب سے زیادہ ثابت نہ ہوا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔



مرحوم جنرل پرویز مشرف اور اس وقت کے وزیرِ داخلہ جنرل معین الدین حیدر کے ساتھ۔



مرحوم جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ایک یادگار واک۔



جنرل راحیل شریف اور جنرل ہلال کے ساتھ ائیر ڈیفنس فائرنگ رینج پر۔



جنرل اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ ایکسر سائز عزمِ نو۔۳ کے موقع پر۔

۲۰۱۰ء کے سیلاب کی امدادی سرگرمیوں پر جانے والی یونٹ سے میرا خطاب:

۲۰۱۰ء میں پاکستان کے دریاؤں میں بہت بڑے پیمانے پر سیلاب آیا تو میں بہ حیثیت بریگیڈیئر بہاول پور چھاؤنی میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ میری زیرِکمان یونٹ ٹیکنیکل افرادی قوت پر مشتمل تھی جو عام طور پر لڑاکا فوج کی مدد کے لیے ہوتی ہیں مگر افرادی قوت کی کمی کی وجہ سے ان یونٹوں کے لوگوں کو بہاول پور سے گدو تک سیلاب میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے اور بعد میں ان کے لیے کیمپ قائم کر کے متاثرین کو کھانا بھی مہیا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جو میرے اور میری یونٹوں کے لیے قابلِ فخر بات تھی اس موقع پر میں نے یہ خطاب کیا۔

پاکستانی فوج کے شیر دل جوانوں! اسلام علیکم!

آپ نے جس پیشے کا انتخاب کیا ہے وہ پیشہ ایثار و قربانی کا پیشہ ہے یہ غیور اور جری مجاہدوں کا پیشہ ہے۔ جنھوں نے ہمیشہ دین کی سربلندی، قوم کے وقار اور وطن کے دفاع کی خاطر اپنے خون سے تاریخِ شجاعت میں نئے باب رقم کیے۔ جب بھی وطن نے انھیں پکارا تو اس کے فرزند مردانہ وار تحفظِ وطن کی خاطر بڑھتے چلے گئے۔ غنیم کا سیلِ رواں روکنے کے لیے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ڈٹ گئے اور دشمنوں کے ناپاک قدم آگے بڑھنے نہ پائے۔ ان بہادروں نے ارضِ پاک کے پرچم کو ہر محاذ پر بلندیوں پر لہرایا۔ ان کی بہادری اور شجاعت کے کارناموں کو دشمن نے بھی تسلیم کیا۔ کیوں کہ جب یہ جری میدانِ کارزار میں اترتے تو اعدائے دین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ قومی فوج کا حصہ ہیں جس کا فرض نہ صرف وطن کا دفاع ہے بلکہ اندرونِ ملک بھی جب مسائل لاعلاج ہو جاتے ہیں تو قوم آپ کی طرف دیکھتی ہے۔ یہ مسائل خواہ قدرتی آلام و مصائب کی صورت میں ہوں یا معاشی بدحالی کی مشکل میں، معاشرتی تقاضے ہوں یا سماجی مشکلات، جب بھی قوم کو آپ کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے آپ نے قوم کی آواز پر ہمیشہ لبیک کہی ہے۔

کبھی سیلاب کی تباہ کاریوں سے آپ نبرد آزما ہوتے ہیں تو کبھی خشک سالی اور آفت زدہ

علاقوں میں آپ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں کبھی واپڈا کو مالی بحران سے نجات دلانے کے لیے آپ کو آواز دی جاتی ہے۔تو کبھی ریلوے کی اصلاح کے لیے آپ کو طلب کیا جاتا ہے۔کبھی قوم مردم شماری جیسا اہم فرض آپ کے سپرد کیا جاتا ہے تو کبھی سروے آف اسکولز کا فریضہ آپ کو سونپ دیا جاتا ہے۔کبھی آپ نہروں کی بھل صفائی میں لگ جاتے ہیں تو کبھی ٹیکسوں کے فارموں کی تقسیم میں مصروف ہوجاتے ہیں۔کبھی آپ شاہراہوں کی تعمیر کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں،تو کبھی غربت مکاؤ پروگرام کی نگرانی آپ کو سونپ دی جاتی ہے۔مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے آرام سکھ اور چین کو قربان کر کے یہ اضافی قومی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں اور کبھی بھی آپ کے ماتھے پر کجی یا بیزاری کا اظہار نہیں ہوتا۔آپ کا جذبۂ حب الوطنی آپ کو تعمیرِ وطن کے لیے بے قرار و بے چین رکھتا ہے۔آپ کو وطن اور اہلِ وطن سے جو پیار اور محبت ہے اس کا اعتراف پورا زمانہ کرتا ہے۔

پوری پاکستانی قوم کی طرح میں بھی آپ کے عزم وحوصلے کی داد دیتا ہوں کہ آپ متنوع اور متعدد قومی ذمہ داریوں کو بجا لانے کے ساتھ ساتھ اپنی دفاعی ذمہ داریوں سے ہرگز غافل نہیں۔مشہور قول ہے کہ تربیت میں بہایا ہوا پسینہ جنگ میں بے جا خون کے بہانے کو روکتا ہے۔آج سائنس اور ٹیکنولوجی کا دور ہے۔یہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا زمانہ ہے اعلیٰ تعلیم،بہتر جنگی مہارت اور ضروری تربیت کسی بھی فوج کے لیے اشد ضروری ہے اور پھر پاک فوج کے لیے تو معیاری تربیت میں ہی اس کی بقا مضمر ہے کیوں کہ طویل سرحد پر جہاں آپ کا دشمن موقعے کی تاک میں ہے یہ آپ کی ہمہ وقت تیاری،جامع ٹریننگ،اعلیٰ منصوبہ بندی اور مثالی جنگی مہارت ہی تو ہے جو آپ کی برتری اور فتح کا پیغام لاتی ہے۔

ارشادِ ربِ کائنات ہے:

وانتم الا علون ان کنتم مومنین (سورۃ آل عمران، آیت ۱۳۹)

''اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو''۔

یہ بات ہمیشہ آپ کے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اگر یہ ملک قائم و دائم ہے تو آپ کی عزت

و وقار کی زندگی حاصل ہے اور آپ کی آئندہ نسلیں عزت و وقار سے زندگی گزار سکتی ہیں۔ ان کے وجود سے ان کا مستقبل محفوظ اور درخشاں ہے۔ شاعر نے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہو کر بجا طور پر کہا ہے:

تو سلامت ہے تو پھر موت کا دھڑکا کیسا؟
تو مرا جسم، مری جان مرے پاک وطن
روح پرور ہیں مناظر تیری شادابی کے
چپہ چپہ گلستان، مرے پاک وطن

مجھے یقین ہے آپ ارضِ پاک کا دفاع ہر حال میں ہر قیمت پر انجام دیں گے۔ اپنے پیارے وطن کے ذرّے ذرّے کے دفاع کی خاطر آپ خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ کیوں کہ اس وطن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزتوں کے محافظ آپ ہیں۔ آپ کا وطن آپ سے شجاعت اور بہادری کا طلب گار ہے۔ ماضی میں ناموسِ وطن کی خاطر کتنے بہادر فرزندوں نے اپنی زندگیاں نچھاور کیں۔ ان کے خوف سے ارضِ پاک میں بسنے والوں کو حیاتِ نو ملی اور وطن کو وہ عظمت نصیب ہوئی کہ دشمن اس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے ۲۰۰۹ء میں ایثار اور قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کر کے تیس لاکھ سے زیادہ اہلیانِ سوات کو اپنے گھروں اور حجروں میں جگہ دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کی نعمت سے نوازا ہے دینِ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور جس کی تعلیمات میں جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہے حکمِ خداوندی ہے۔

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

مسلمان تو اللہ کا سپاہی ہوتا ہے جس کی زندگی جہاد فی سبیل اللہ میں گزرتی ہے۔ پیغمبرِ اسلام نے مدینہ میں جہاد کی عملی تربیت دے کر بہترین فوجی مہارت اور اعلیٰ اخلاقی برتری کے ذریعے ایسی سپاہ تیار کی جس نے سرتاپولوہا پوش لشکر کو شکست فاش دی اور تھوڑے ہی عرصے میں پڑوس میں روم و فارس کی عظیم سلطنتوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ مسلمان مجاد کے لیے خدا پر ایمانِ کامل بہتر جنگی تربیت اور دشمن پر ضرب کاری لگانے کا عزم وہ ہتھیار ہیں جو اسے فتح سے ہم کنار کرتے ہیں۔ مجاہد تو ہر حال میں فتح مند ہیں۔

پاکستان میں ۲۰۲۲ء کے سیلاب اور آئی ڈی پیز:

۲۰۰۵ء کے زلزلے، سوات اور وزیرستان کے آپریشنز کے بعد آئی ڈی پیز کی بہت بڑی تعداد ۲۰۲۲ء کے سیلابوں کے نتیجے میں بے گھر ہوئی۔ جون ۲۰۲۲ء کی بارشوں سے شروع ہونے والے سیلاب کی تباہ کاریاں بہت شدید تھیں۔ یہ سیلاب اس لحاظ سے بہت خطرناک ثابت ہوئے کہ شدید بارشیں ایک ہی وقت میں بلوچستان، خیبر پختون خواہ، کشمیر، پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں تواتر کے ساتھ اور معمول سے زیادہ ہوئیں چوں کہ پانی کی مقدار بہت زیادہ تھی اور تمام دریا اپنے روایتی راستوں سے ہوتے ہوئے صبح سندھ میں داخل ہوئے جنھوں نے ہر طرف تباہی مچادی پاکستان بھر میں ۲۰۲۲ء کے سیلاب کے نتیجے میں تین کروڑ تیس لاکھ لوگ بری طرح متأثر ہوئے اٹھارہ سو پاکستانی اللہ کو پیارے ہو گئے تیرہ ہزار زخمی ہوئے دو لاکھ سے زیادہ گھروں کو مکمل یا جزوی نقصان پہنچا لاکھوں کی تعداد میں مویشی بھیڑ، بکریاں اور دوسرے جانور ہلاک ہوئے اور اسّی لاکھ پاکستانی آئی ڈی پیز کے طور پر کیمپوں میں رہنے پہ مجبور ہو گئے اس میں پاکستان کا پندرہ ارب ڈالر کا نقصان ہوا تھا۔ سندھ کے ریلیف کیمپوں میں چھ لاکھ کے قریب افراد موجود تھے اور ان کو دوبارہ گھروں میں بسانے کے لیے اور ذرائعِ آمد و رفت کو قابلِ استعمال بنانے کے لیے سولہ اعشاریہ تین بلین ڈالر کی ضرورت تھی گو کہ اقوام متحدہ نے پاکستانی ایف آر پی پروگرام کے ساتھ مل کر کافی مدد کی لیکن سندھ کے دیہات سے تعلق رکھنے والے سیلاب متاثرین کے مسائل اس لیے کم نہ ہوئے کہ یہاں پانی جو دریا سے نکل کر میدان علاقوں میں پھیلا تھا وہ علاقے کے محلِ وقوع کی وجہ سے واپس دریا میں نہ گیا اور سال بھر کھڑا رہا سندھ میں خاص طور پر آئی ڈی پیز کی امداد کرنا اس لیے بھی بہت مشکل تھی کہ بے شمار لوگ بچاؤ بند (Flood Protection Bend) کے اوپر پناہ لیے ہوئے تھے۔ یہ بچاؤ بند بڑے سیلابی ریلے کی وجہ سے کم زور ہو چکے تھے ان لوگوں تک خوراک ادویات اور کمبل وغیرہ پہنچانا اس لیے بھی مشکل تھا کہ وافر مقدار میں ہیلی کاپٹر موجود نہیں تھے اور سڑک یا کچے ٹریک کا راستہ اس قابل نہیں تھا کہ ان تک پہنچا جا سکے کچھ پردہ دار خواتین ایسی بھی تھیں جو ہیلی کاپٹر سے امداد بھی لینے نہیں آتی تھی اور اپنے پردے کی وجہ سے اپنے عارضی ٹینٹ میں ہی بیٹھی رہتی تھی یہاں سندھ گورنمنٹ کی ان کوششوں کو خراجِ تحسین پیش نہ کرنا زیادتی ہوگی جو انھوں نے مشکل حالات میں



سیلاب ۲۰۲۲ء کے متاثرین کی امداد کے لیے آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کے کیمپ میں
پریزیڈنٹ آرٹس کونسل احمد شاہ صاحب کے ساتھ۔



ایم این اے سیّد شفقت حسین شاہ شیرازی بذاتِ خود سیلاب کے حفاظتی بند کی
مرمت میں مصروف ہیں۔



صوبائی وزیر سیّد ریاض حسین شاہ شیرازی اپنی حویلی میں سیلاب متأثرین کے لیے قائم کیے گئے کیمپ کے امدادی امور خود دیکھ رہے ہیں

اپنے سیلاب زدہ لوگوں کی امداد کے لیے کی کراچی میں بہت سے لوگوں کو لا کے کیمپوں میں رکھا گیا۔ عارضی کیمپ اسکولوں میں قائم کیے گئے اور کراچی کے مخیّر حضرات نے ہمیشہ کی طرح بڑھ چڑھ کر ان آئی ڈی پیز کا خیال رکھا اور جس قدر ممکن ہوسکا ان کے دکھوں اور پریشانیوں کا مداوا کیا۔ ان امدادی سرگرمیوں میں آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کے صدر سیّد احمد شاہ صاحب کی شب و روز کی اَن تھک خدمت کا ذکر میں خاص طور پر کروں گا۔ آرٹس کونسل میں خود اپنی ٹیم کے ساتھ بیٹھ کر امدادی سامان اور راشن کو اکٹھا کرنے کے بعد اس کو امدادی کیمپوں میں پہنچانے اور راشن کی تقسیم تک خود نگرانی کی جو کافی عرصے تک جاری رہی۔ احمد شاہ صاحب کو اس سے پہلے میں نے فن کاروں، ادیبوں، شعر اور فنونِ لطیفہ سے منسلک بے شمار مستحق کی مدد کرتے تو دیکھا تھا۔ مگر سیلاب سے متأثرہ لوگوں کی مدد کا جو جذبہ اور محنت انھوں نے کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۲۰۲۲ء کے سیلاب سے پہلے بھی وہ پاکستان کے متعدد حلقوں میں ایک خاص مقام اور عزت رکھتے تھے مگر میری رائے میں سیلاب زدگان کی خدمات کے نتیجے میں ان کو جو دعائیں مستحق افراد نے دیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی عزت اور مرتبے میں بڑی تیزی سے مزید اضافہ ہوا۔ جس میں ان کا وزیر بننا بھی شامل ہے۔ منسٹر بننے کے بعد ان کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا۔

پاکستان چھوڑنے کے خواہش مند افراد کے لیے تجاویز

وطن چھوڑنا ایک معمولی فیصلہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک جذباتی اور زندگی بدل دینے والا قدم ہوتا ہے، جو نہ صرف آپ کی زندگی بلکہ آپ کے اہلِ خانہ اور آنے والی نسلوں کو بھی متأثر کرتا ہے۔ آج کی دنیا میں ایک ترقی یافتہ ملک میں بہتر روزگار، تعلیم یا محفوظ مستقبل کے خواب دیکھنا ایک عام بات ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہجرت (immigration) خصوصاً مستقل بنیادوں پر، بہت ذمہ داری اور سمجھ داری کا تقاضا کرتی ہے۔

ا۔ وطن چھوڑنے کا فیصلہ آسان نہیں ہوتا:

سب سے پہلے، یہ بات سمجھ لیجیے کہ وطن کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا جذباتی اور ثقافتی نقصان کا باعث بنتا ہے۔ اپنی دھرتی، زبان، تہذیب اور خاندانی نظام کو پیچھے چھوڑنا آسان نہیں۔ جب کوئی مستقل ہجرت کرتا ہے تو وہ اکثر قریبی رشتوں سے دور ہو جاتا ہے، ثقافتی طور پر اجنبیت محسوس کرتا ہے اور ایک ایسی دنیا میں آ جاتا ہے جہاں اس کی شناخت مختلف ہوتی ہے۔

لہٰذا، کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے بار بار سوچیں۔ صرف وہ چیزیں نہ دیکھیں جو آپ کو پردیس میں ملیں گی، بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ آپ کن قیمتی چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔

۲۔صرف قانونی طریقوں سے ہجرت کریں:

اگر آپ واقعی ہجرت کے حق میں ہیں تو ہمیشہ قانونی راستہ اختیار کریں۔ انسانی اسمگلنگ، جعلی کاغذات، ویزہ کی خلاف ورزی یا غیر قانونی طریقے سے بارڈر کراس کرنا خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔

غیر قانونی تارکینِ وطن نہ صرف اپنے حقوق سے محروم ہوتے ہیں بلکہ بدترین استحصال (exploitation) کا شکار بھی بنتے ہیں۔ایک بہتر زندگی جھوٹ یا جرم کی بنیاد پر نہیں بن سکتی۔ تعلیم، مہارت، فیملی اسپانسر شپ یا بزنس ویزہ جیسے قانونی طریقے ہی محفوظ اور پائیدار ہیں۔

۳۔فیصلہ کرنے سے پہلے فائدے اور نقصانات سوچیں — خصوصاً خاندان کے حوالے سے:

اپنے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر غور کریں۔کیا آپ کی تعلیم یا مہارت وہاں قابلِ قبول ہے؟ آپ کے والدین یا بچے کس طرح متاثر ہوں گے؟ کیا آپ جذباتی طور پر تیار ہیں؟

اپنے اہلِ خانہ سے کھل کر بات کریں۔ بیوی، شوہر یا والدین کی رائے شامل کریں۔ بعض اوقات مالی فائدے کے لیے کیا گیا فیصلہ جذباتی طور پر مہنگا پڑتا ہے۔

اپنے آپ سے پوچھیں:

کیا میں نئی ثقافت میں ڈھل پاؤں گا؟

میرے شعبے کی وہاں مانگ ہے؟

میں تنہائی یا وطن کی یاد کو کیسے سنبھالوں گا؟

بچے یا شریکِ حیات کیسے ایڈجسٹ کریں گے؟

۴۔تصدیق شدہ اور دیانت دار امیگریشن ایجنٹ کا انتخاب کریں:

آج کل بہت سے لوگ جعلی یا غیر مستند امیگریشن ایجنٹس کے ہاتھوں لٹ چکے ہیں۔اگر آپ کو ایجنٹ کی ضرورت ہے تو اس کی رجسٹریشن، تجربہ، شہرت اور دیانت داری کی اچھی طرح

تحقیق کریں۔

ایک اچھا ایجنٹ کبھی بھی غیر قانونی طریقوں یا جھوٹے وعدوں کا سہارا نہیں لیتا۔ ہر دستاویز کی تصدیق خود بھی کریں۔ یاد رکھیں کوئی بھی حقیقی موقعہ آپ سے خفیہ یا غیر قانونی عمل کا تقاضا نہیں کرتا۔

۵۔ زبان، ثقافت اور قوانین سے آگاہی لازمی ہے:

اکثر افراد صرف ویزہ یا سفر کی تیاری کرتے ہیں، لیکن اصل چیلنج زبان، ثقافت اور مقامی قوانین سے ناواقفیت ہوتا ہے۔

لہٰذا جانے سے پہلے ہی اُس ملک کی زبان سیکھنا شروع کریں۔ یہ نوکری حاصل کرنے سے لے کر روزمرہ معاملات تک ہر پہلو میں مددگار ہوگی۔ اُس ملک کے معاشرتی آداب، ثقافتی اقدار اور قانونی تقاضوں کو بھی سمجھیں تاکہ کوئی نادانستہ غلطی نقصان نہ پہنچائے۔

عوامی ٹرانسپورٹ، بینکاری، اسپتال، تعلیم کے نظام اور دیگر ضروری معلومات بھی حاصل کریں تاکہ وہاں جا کر مشکلات نہ ہوں۔

٦۔ پردیس میں آپ اپنے ملک کے سفیر ہوتے ہیں:

جب آپ بیرونِ ملک قدم رکھتے ہیں تو آپ صرف ایک فرد نہیں رہتے — آپ اپنے خاندان، علاقے اور ملک کے نمائندے بن جاتے ہیں۔ آپ کا کردار، ایمان داری، اور قانون پسندی پورے ملک کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

اگر آپ دیانت دار، محنتی اور شائستہ ہوں گے تو لوگ آپ کے ملک کے بارے میں اچھا گمان کریں گے۔ لیکن اگر آپ بدتمیزی، جرم یا جھوٹ سے کام لیں گے تو آپ کے ملک کا نام بدنام ہوگا۔

لہٰذا ہمیشہ شریف شہری بن کر رہیں۔ قانون کی پاس داری کریں، مقامی معاشرے سے گھلیں ملیں اور ایک مثالی کردار ادا کریں۔

۷۔مشکلات کا سامنا صبر اور حوصلے سے کریں:

پردیس کی زندگی آسان نہیں ہوتی۔بعض اوقات روزگار نہیں ملتا یا تنہائی اور اجنبیت کا سامنا ہوتا ہے۔کاغذی کارروائیاں، زبان کی رکاوٹیں، اور ثقافتی فرق مسائل پیدا کرتے ہیں۔

لیکن کامیاب وہی ہوتا ہے جو صبر، سچائی اور مسلسل کوشش سے کام لیتا ہے۔ بہت سے کامیاب افراد ابتدا میں چھوٹے موٹے کاموں سے شروعات کرتے ہیں، لیکن وقت کے ساتھ بہتر مقام حاصل کر لیتے ہیں۔

مایوس نہ ہوں، غلط راستے نہ اپنائیں، اور نیک نیت سے جدوجہد جاری رکھیں۔

۸۔مالی اور قانونی منصوبہ بندی بہت ضروری ہے:

امیگریشن صرف جذباتی نہیں، بلکہ مالی اور قانونی حقیقت بھی ہے۔ جانے سے پہلے اچھی خاصی رقم بچائیں کیوں کہ ابتدائی اخراجات، رہائش اور ویزہ کی فیسیں بھاری ہو سکتی ہیں۔

قانونی تقاضوں کو اچھی طرح سمجھیں، ویزہ کی مدت اور شرائط کا احترام کریں۔ٹیکس ادا کریں، قانونی دستاویزات وقت پر تجدید کروائیں اور امیگریشن کے قواعد وضوابط سے آگاہ رہیں۔

رقم پاکستان بھیجنے کے لیے بھی قانونی ذرائع استعمال کریں، غیر رسمی یا غیر قانونی ذرائع سے پرہیز کریں۔

۰۔اپنے وطن سے تعلق مت توڑیں:

امیگریشن کا مطلب اپنے وطن سے بے تعلقی نہیں۔ جب آپ کامیاب ہو جائیں تو اپنے ملک کے لیے کچھ کریں۔علم، تجربہ اور وسائل کے ذریعے وطن کے نوجوانوں کی رہنمائی کریں۔ مقامی فلاحی کاموں میں حصہ لیں۔

اپنے بچوں کو اپنے کلچر اور زبان سے روشناس کروائیں۔ اپنے ملک کی عزت، روایات اور شناخت کو کبھی نہ بھولیں۔

آخری بات

پردیس کا خواب ہر شخص کا حق ہے، لیکن یہ خواب حقیقت بننے کے لیے مکمل تیاری، خلوص نیت، قانونی راستے اور اخلاقی بنیادوں کا متقاضی ہے۔

اگر آپ ایمان داری سے، قانونی طریقے سے اور مکمل تیاری کے ساتھ ہجرت کریں گے تو آپ کے لیے ترقی اور سکون کے دروازے کھلیں گے۔ لیکن اگر یہ فیصلہ جذباتی، غیر قانونی یا جلد بازی پر مبنی ہوگا تو نقصان بھی آپ کا، اور شرمندگی بھی آپ کے پیاروں کی ہوگی۔

لہٰذا، فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں۔ تیاری مکمل رکھیں۔ کردار باوقار رکھیں۔ اور جہاں بھی جائیں، اپنے خاندان، علاقے اور ملک کے لیے باعثِ فخر بنیں۔

❍❍❍

بین الاقوامی اتحاد — جدید معاشرے کے امن اور ترقی کی اہم ضرورت

آج کے باہم جڑے لیکن اکثر منقسم پاکستان جیسے ممالک جن کی آبادی مختلف مذاہب، مسالک، زبانوں اور قومیتوں پر مشتمل ہو، ان کے لیے ایک پُرامن، مضبوط اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دینا ایک بڑا چیلنج بھی ہے اور عصرِ حاضر کی سب سے اہم ضرورت بھی۔ ان تمام اختلافات کے باوجود، اصل کامیابی اسی میں ہے کہ ہم ان اختلافات کو کم کریں، سماجی تعلقات کو بہتر بنائیں، اور اپنی موجودہ سرزمین اور آنے والی نسلوں کے بہتر مستقبل کے لیے متحد ہو جائیں۔

تنوع یا گوناگوں معاشرے کی حقیقت اور موجودگی کو سماجی طاقت کے طور پر تسلیم کرنا۔

تنوع کمزوری نہیں بلکہ ایک ایسی طاقت ہے جسے درست سمت دی جائے تو وہ قوموں کو بلندیوں تک پہنچا سکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہی معاشرے کامیاب ہوئے جنھوں نے مختلف مذاہب، ثقافتوں اور روایات کو تسلیم کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ سچا وطن پرست وہی ہے جو اپنے وطن میں بسنے والے ہر فرد کو اپنا سمجھے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی گروہ یا عقیدے سے ہو۔ ہمیں

ایسے معاشرے میں بھائی چارے اور اخوت کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔

معاشرتی اختلافات کو کم کرنے کے لیے سفارشات:

۱۔ بین المذاہب اور بین الاقوامی مکالمے کو فروغ دیں:

مختلف مذہبی، لسانی یا قومی گروہوں کے درمیان مکالمہ و بات چیت تعصّبات کو ختم کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ علما، دانش ور اور میڈیا ایسے فورمز تشکیل دیں جہاں لوگ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

۲۔ تعلیم کو جامع اور متوازن بنائیں:

نصابِ تعلیم میں تمام گروہوں کی تاریخ، ثقافت، خدمات اور باہمی احترام کو شامل کیا جائے تاکہ بچوں میں بچپن سے ہی احترام اور قبولیت پیدا ہو۔ اسکولوں میں مختلف مذہبی و ثقافتی تقریبات کا انعقاد بچوں میں ہم آہنگی کو فروغ دے گا۔

۳۔ فرقہ وارانہ ولسانی سیاست سے اجتناب:

سیاست دانوں کو چاہیے کہ وہ فرقہ، زبان یا قومیت کی بنیاد پر سیاست نہ کریں بلکہ قومی مفاد اور کارکردگی کو اپنا معیار بنائیں۔ عوام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ووٹ کا استعمال تعصب کی بنیاد پر نہیں بلکہ خدمت کی بنیاد پر کریں۔

سماجی تعلقات کو بہتر بنانے کے طریقے۔

۱۔ مشترکہ مقامات قائم کیے جائیں:

ایسے پارکس، کمیونٹی سینٹرز اور تقریبات کا انعقاد کیا جائے جہاں تمام پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد اکٹھے ہو سکیں۔ کھیل، میلوں اور فلاحی سرگرمیوں میں شمولیت تعلقات کو مضبوط بناتی ہے۔

۲۔ میڈیا کا مثبت کردار:

میڈیا عوامی رائے کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ صحافیوں کو چاہیے کہ وہ نفرت انگیزی سے گریز کریں اور ہم آہنگی و اتحاد پر مبنی کہانیوں کو اجاگر کریں۔ نفرت پھیلانے والے لوگوں کو کوریج نہ دیں۔

۳۔ بین المسلکی و بین القومی دوستیوں کی قبولیت:

ایسی دوستیاں جو مختلف گروہوں کے درمیان ہوں، معاشرتی ہم آہنگی کا مؤثر ذریعہ ہوتی ہیں۔ ان کو معاشرتی طور پر تسلیم کیا جانا چاہیے۔

۴۔ نفرت انگیزی اور امتیازی سلوک کے خلاف اقدام:

قانون نافذ کرنے والے اداروں کو چاہیے کہ نفرت انگیزی اور امتیازی سلوک کے خلاف سخت کارروائی کریں، اور معاشرے کے ہر فرد کو ایسی حرکتوں پر آواز بلند کرنی چاہیے۔

۱۔ وطن اور آنے والی نسلوں کے لیے کام کرنا:

صاحبِ اقتدار ایک مشترکہ قومی وژن تیار کریں جس کے مطابق ہر شہری کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ اس کے پرانے وطن یا دھرتی کے ساتھ ساتھ موجودہ دھرتی کا اہم حصہ ہے۔ ایک ایسا قومی وژن جو مساوات، عدل اور ترقی پر مبنی ہو، سب کو یک جا رکھنے میں اہم کردار ادا کرے۔

۲۔ فلاحی کاموں میں مشترکہ شرکت:

صفائی، شجرکاری، تعلیم وصحت کی مہمات میں مختلف گروہوں کی مشترکہ شرکت نہ صرف سماجی تعلقات کو بہتر کرتی ہے بلکہ ایک دوسرے پر اعتماد بھی قائم کرتی ہے۔

۳۔ نوجوانوں کو با اختیار بنائیں:

نوجوان ملک کا مستقبل ہیں۔ ان کو تعلیمی، تخلیقی اور قیادت کے مواقع فراہم کیے جائیں

تا کہ وہ رواداری، علم اور اتحاد کے حامل رہنما بن سکیں۔

۴۔مشترکہ معاشی منصوبہ بندی:

مختلف گروہوں کے درمیان کاروباری شراکت داری معاشرتی فاصلے کم کرتی ہے۔ جب لوگ مل کر کماتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے مفادات کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔

۵۔ادارہ جاتی شمولیت:

تمام سرکاری اداروں، میڈیا اور سول سروسز میں مختلف طبقات کی نمائندگی ضروری ہے۔ جب ہر طبقے کی آواز شامل ہو تو احساسِ شراکت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

قومیں محض یکسانیت سے نہیں، بلکہ تنوع کو ہم آہنگی میں بدل کر ترقی پاتی ہیں۔ اصل ہم آہنگی اس میں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے نظریات، عقائد اور روایات کا احترام کریں، اور ایک مشترکہ مقصد کے لیے آگے بڑھیں۔ ایک ایسی قوم جہاں ہر فرد متحد ہو، وہ ہر آزمائش کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

آیئے ہم صرف برداشت نہیں، بلکہ ایک دوسرے کا جشن منانا سیکھیں۔ اختلاف کو دشمنی نہ بنائیں بلکہ اسے طاقت میں بدلیں۔ یہی ہماری موجودہ نسل اور آنے والے کل کے لیے بہترین تحفہ ہوگا۔

حوالہ جات

اس کتاب کوتحریر کرتے وقت مندرجہ ذیل کتب اوراخبارات سے استفادہ کیا گیا۔

نمبر شمار	نام کتب	مصنف
۱	۱۸۵۷ءاورآج	احمد سلیم
۲	امیر تیمور	لیرلڈ لیمب مترجم محمد عنایت اللہ دہلوی
۳	پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں	ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی
۴	پاکستان ناگزیر تھا	سیّد حسن ریاض
۵	تاریخ ابنِ کثیر حصہ نہم ودہم	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابنِ کثیر ترجمہ حافظ سیّد عبدالرشید ندوی ایم اے۔ مولانا اختر فتح پوری
۶	تاریخِ ساداتِ باہرہ	خان بہادر سیّد مظفر علی خان، سیّد سرفراز علی خان شاکر
۷	تاریخِ عرب	موسیوسید یوفرانسیسی ترجمہ سیّد سلیمان ندوی
۸	تاریخ ہندوستان جلد پنجم	خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکااللہ صاحب دہلوی
۹	تواریخِ اقوامِ کشمیر جلد اوّل	محمد الدین فوق
۱۰	تذکرہ روسائے پنجاب (پنجاب چیف)	سرلیپل ایچ گرفین۔ کرنل میسی، ترجمہ سیّد نوازش علی

۱۱	چودہ ستارے	مولانا سیّد نجم الحسن کراروی
۱۲	حضرت امام جعفر صادقؑ	محمد ابوزہرہ ترجمہ سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)
۱۳	دیدوشنید	رئیس احمد جعفری
۱۴	ساعتِ با اولیا	مولانا عبدالقیوم حقانی
۱۵	سوعظیم مسلمان	اعجاز احمد نواب
۱۶	قراردادِ پاکستان	محمد علی چراغ
۱۷	محفلِ انبیاؑ	محمد جمیل احمد۔ ایم اے
۱۸	مسلمانوں پہ کیا گزری ۱۹۰۷ء/ ۱۰۴۷ء	کرم حیدری
۱۹	میں نے پاکستان بنتے دیکھا	کرنل (ریٹائرڈ) حامد محمود
۲۰	ہجرتوں کے سلسلے	محمد لطف اللہ خان
۲۱	Tamburlaine The Conqueror	Hilda Hookham
۲۲	Tamerlane or Timur The Great Amir From the Arabic Life	J.H. Sanders Ahmed Ibn Arabshah
۲۳	Partition of India Legend and Reality	H.M. Seervai
۲۴	Uzbekistan	Neil Melvin
۲۵	The Imperial Gazetteer of India Vol XV Karachi to Kotayam	Secretary of State for India in Council (1908)

۲۷	Shah Kamal Qadri Kaithaly	www.shah-kamal.com
۲۸	جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے خاموش مجاہد	روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی/اسلام آباد مورخہ ۲۴/اپریل ۲۰۰۹ء
۲۹	خاص مضمون	روزنامہ اوصاف لاہور، مورخہ ۲۶/اپریل ۲۰۰۹ء
۳۰	نقطۂ نظر	روزنامہ پاکستان اسلام آباد، مورخہ ۲۷/اپریل ۲۰۰۹ء
۳۱	جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے خاموش مجاہد	روزنامہ جنگ لاہور، مڈویک میگزین مورخہ ۷/تا ۱۲/مئی ۲۰۰۹ء
۳۲	سوچ بچار	روزنامہ اساس راولپنڈی، مورخہ ۲۴/جون ۲۰۰۹ء
۳۳	تاریخ ابنِ خلدون حصہ ششم غزنوی اورغوری سلاطین	علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون ترجمہ علامہ حکیم احمد حسین الہٰ آبادی
۳۴	تاریخ طبری جلد پنجم حصہ اوّل و دوم	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری اردو ترجمہ سیّد محمد ابراہیم ایم اے